

خُلفائے اشدین ^{رضی اللہ عنہم} کی جنگی حکمت عملی

اور تدبیرات کا عسکری تجزیہ

تین سو سے زیادہ جنگوں اور مہمت پر محیط منفرد مستند کتب

حصہ اول

فتوح عراق و ایران

مصنف

میرزا امیر آغا

مدیر و ناشر

اشراق لٹریچر

بانی تصوف فاؤنڈیشن

تصوف فاؤنڈیشن
۱۲۱۹ ع

7
a



قَالَ اللَّهُ تَعَالَى فِي الْقُرْآنِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ

كَيْفَ يُكَلِّمُ كَلِمَاتٍ لِقِتَابِكُمْ وَأَنْتُمْ لَكُمْ

تَمَّ (لوگوں) پر جنگ (جہاد) کو فرض کر دیا گیا ہے اور وہ تمہیں ناپستید۔ (فرمان الہی)



قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

لَمْ يَخْرُفْنَا فِي الْفَقْرِ وَالْجَهْلِ

میرے دو ہنر (ہمتیار) ہیں فقر اور جہل۔ (فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)



خُلقائے اشرفین کی جنگی حکمت عملی

اور تدبیرات کا عسکری تجزیہ

تین سو سے زیادہ جنگوں اور مہمت پر پیرا منقرد و مستند کنٹ

حصہ اول

فتوح عراق و ایران

مصنف

میجر (ر) امیراں خاں

مدیر و ناشر

اشراق لٹریچر

بانی تصوف فاؤنڈیشن

تصوف فاؤنڈیشن
۱۴۱۹ھ

شاہکار کتب جہاد

شماره (۳)

مدیر و ناشر

ابو نجیب حاجی محمد ارشد قریشی

بانی تصوف فاؤنڈیشن-۵۹۹۵۴۳

۳۹۴۹۱۲
۶۹

۱۵۸۳۲۸

جلد ۱



جملہ حقوق محفوظ

ناشر _____ تصوف فاؤنڈیشن ۲۴۹ این سمن آباد

طابع _____ زاہد بشیر پرنٹرز لاہور

ایڈیشن _____ ۶۲۰۰۲ / ۱۴۲۲ھ (۵۰۰)

قیمت _____ روپے

تفہیم کار _____ المعارف گنج بخش روڈ لاہور پاکستان

(۲۱-۰۳۸-۱-۵۰۶-۹۶۹-آئی ایس بی این)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حرف آغاز

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویٰ سے شرارِ بولہبی

گیارہ ستمبر کو امریکہ کے تجارتی (ورلڈ ٹریڈ سنٹر) اور دفاعی (پینٹاگون) مراکز کی تباہی مکافاتِ عمل کا نتیجہ تھی لیکن امریکہ نے اس واقعہ کو بہانہ بنا کر دہشت گردی کے خاتمہ کی آڑ لے کر ایک طویل المیعاد نظریاتی و عسکری جنگ کا آغاز کر دیا ہے۔ وہ اسے صلیبی جنگ، تہذیبوں کا تصادم، آزادی کی جستجو یا دہشت گردی کے خلاف جنگ کوئی بھی نام دے، درحقیقت یہ کفر اور اسلام کی جنگ ہے۔ امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے پانچ ہفتہ کی شدید ترین بمباری اور خون ریزی کے بعد افغانستان کو تباہ اور طالبان کی اسلامی حکومت کا خاتمہ کر دیا ہے۔ امریکہ پہلے ہی یہ واضح کر چکا ہے کہ یہ سلسلہ افغانستان پر نہیں رکے گا بلکہ ساٹھ ممالک پر محیط ہوگا۔ اسلامی ممالک کی تعداد ستاون ہے اس میں فلسطین، چینیا اور کشمیر شامل کر لیں تو یہ تعداد ساٹھ ہو جاتی ہے۔ گویا اس جنگ کے اہداف نامزد کئے جا چکے ہیں۔ امریکہ نے دہشت گردی کے خلاف اس جنگ کے عرصہ کا تعین نہیں کیا ہے لیکن امریکہ کے پالیسی ساز یہودنواز حلقے جنگ کو پچاس سال پر محیط دیکھتے ہیں۔ ظاہر ہے پچاس سال افغانستان جیسے ملک کو فتح کرنے یا دہشت گردوں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے درکار نہیں ہیں بلکہ یہ عرصہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے عمل کو روکنے اور عالم اسلام میں روز افزوں جذبہ جہاد کو سرد کرنے کے لئے مطلوب ہے۔ ایٹمی پاکستان اسلام کا قلعہ اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا عنوان ہے اس لئے براہ راست اس یلغار کی زد میں ہے۔ عالم اسلام اتحاد اور جہاد سے لیس ہو کر ہی اس یلغار کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ لیکن جہاد صرف جذباتی عمل نہیں ہے بلکہ ایک خاص ماحول کی پیداوار ہوتا ہے۔ یہ ماحول اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جب تک امت کا ہر فرد یا اکثریت اسلام کے عطا کردہ نظام حیات کے مطابق پوری زندگی بسر نہ کرے۔ گیارہ ستمبر کے بعد دنیا بدل گئی ہے مسلم امت کو بھی بدلنا ہوگا، اسلام اور عالم اسلام کی بقا کے لئے اب جہاد ناگزیر ہو گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ” لِيُحِرَّفَانَ الْفُقْرُ وَالْجِهَادُ “ کی تعمیل میں تصوف فاؤنڈیشن نے فقر و تصوف کے ساتھ ساتھ اب جہاد و فن حرب پر بھی کتابیں شائع کرنے کا عزم کیا ہے۔ پہلے مرحلے میں ”شاہکار کتب جہاد“ سلسلہ کی حسب ذیل تین کتابوں کا سیٹ جو چھ جلدوں پر مشتمل ہے شائع کیا جا رہا ہے ان کتابوں کے مصنف اس موضوع پر اتھارٹی اور یہ کتابیں بلاشبہ شاہکار کتب ہیں۔

(۱) جہاد: جہاد اور فن حرب کے متعلق قرآن مجید کے رہنما و عالمگیر اصول از بریگیڈ ریگنزار احمد

(۲) رسول اللہ کی جنگی حکمت عملی اور تدبیرات کا عسکری تجزیہ از میجر امیر افضل خاں

(۳) خلفائے راشدین کی جنگی حکمت عملی اور تدبیرات کا عسکری تجزیہ (چار جلدیں) از میجر امیر افضل خاں

جہاد اور فن حرب پر یہ شاہکار کتب ملٹری اور جہادی ٹریننگ کے لئے بہترین نصاب ہے۔ حالات کا تقاضا ہے کہ جہاد اور فن حرب کو تعلیمی اداروں اور دینی مدارس کے نصاب میں شامل کیا جائے اور موجودہ حالات سے نبرد آزما ہونے کے لئے مسلم امت کو جہاد کے لئے تیار کیا جائے۔ یہاں یہ ذکر ضروری ہے کہ پہلی کتاب ”جہاد“ تیس سال پہلے شائع ہوئی تھی۔ ”رسول اللہ اور خلفائے راشدین کی جنگی حکمت عملی اور تدبیرات کا عسکری تجزیہ“ پر مشتمل باقی پانچ کتابیں بھی بیس سال قبل آرمی ایجوکیشن پریس نے آرمی کے لئے شائع کی تھیں۔ اب تصوف فاؤنڈیشن ان نایاب اور لازوال کتابوں کو منظر عام پر لا رہا ہے۔ انتہائی محدود وسائل کی وجہ سے یہ کتابیں محدود تعداد میں شائع کی جا رہی ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کتابوں کی وسیع اشاعت ہو اور جہاد اور فن حرب پر مزید کتابیں شائع کی جائیں۔ اس سلسلے میں دردمند مخیر حضرات کو تعاون کی دعوت ہے۔ آخر میں ان دوستوں اور عزیزوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے ان کتابوں کی اشاعت میں مدد کی ہے اللہ تعالیٰ اس کا خیر کو ان کے لئے توشیح آخرت بنائے۔ آمین۔ وما علینا الا البلاغ۔

ارشاد قریشی

بانی تصوف فاؤنڈیشن لاہور

یکم رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ / ۷ نومبر ۲۰۰۱ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
سلسلہ جلالِ مصطفیٰ

خلفائے راشدین^{رض}

کی جنگی حکمتِ عملی

اور

تدبیرات کا تجزیہ

کتاب اول

فتوحاتِ عراق و ایران



ریٹائرڈ میجر امیر افضل خان

آرمی ایجوکیشن پریس

۹

اسلام کے
غازیوں اور شہیدوں
کے نام



بہ آں گروہ کہ از ساغر وفا مستند
سلام ما بہ رہمانید ، ہر کجا بستند



خلفاء راشدین رضوان اللہ کی جنگی حکمتِ عملی اور

تدبیرات کا تجزیہ



فہرست مضامین

ص		۱۔ پیش لفظ
۱	وحدت اور مرکزیت	۲۔ پہلا باب
۱۹	منکرین و مرتدین کا ارتداد	۳۔ دوسرا باب
۴۷	مرتدین کا قلعِ ممع	۴۔ تیسرا باب
۷۳	مرتدین کے خلاف حکمتِ عملی کے نتائج و اثرات	۵۔ چوتھا باب
۸۵	حضرت مثنیٰ ابن حارث	۶۔ پانچواں باب
۸۹	ایران و عراق کے جغرافیائی اور تاریخی عوامل	۷۔ چھٹا باب
۹۷	فتوحاتِ عراق کی بسم اللہ (جنگِ سلاسل)	۸۔ ساتواں باب
۱۱۵	ثنیٰ یا مذار جنگ	۹۔ آٹھواں باب
۱۲۱	جنگِ ولج	۱۰۔ نواں باب
۱۳۱	امغیشیا اور الیس کی جنگ	۱۱۔ دسواں باب
۱۳۹	فتحِ حیرہ	۱۲۔ گیارھواں باب
۱۵۱	انباء کلوازی اور عین التمر کے واقعات	۱۳۔ بارھواں باب
۱۵۹	دومۃ الجندل	۱۴۔ تیرھواں باب
۱۶۷	خنافس اور مضیع وغیرہ کی تسخیر	۱۵۔ چودھواں باب

۱۷۵	عرب قبائل کی سرکوبی، جنگِ فراض اور منتفرقات	۱۶۔ پندرھواں باب
۱۸۳	فاحتین عراق کا عراق کو الوداع	۱۷۔ سولہواں باب
۱۸۹	بابل کی جنگ	۱۸۔ سترھواں باب
۱۹۹	حضرت ابو عبیدہؓ کی ایرانیوں کے ساتھ جنگیں۔	۱۹۔ اٹھارھواں باب
۲۱۹	جنگِ بویب	۲۰۔ انیسواں باب
۲۲۹	حضرت عمرؓ کی ایران کو فتح کرنے کے سلسلہ میں حکمتِ عملی	۲۱۔ بیسواں باب
۲۳۹	جنگِ قادسیہ اور طرفین کی تیاری	۲۲۔ اکیسواں باب
۲۶۱	قادسیہ کی جنگ	۲۳۔ بائیسواں باب
۲۷۵	مدائن پر قبضہ	۲۴۔ تیسواں باب
۲۸۱	فتوحات کے اثرات و جلولہ و تکریت کی زطائیاں وغیرہ	۲۵۔ چوبیسواں باب
۲۸۹	خرستان اور فارس کے صوبوں کی مہمات	۲۶۔ چھبیسواں باب
۲۹۷	معرکہ نہاوند کے لئے طرفین کی تیاری	۲۷۔ چھبیسواں باب
۳۰۱	جنگِ نہاوند	۲۸۔ ستائیسواں باب
۳۱۱	ایرانی شہنشاہیت کا خاتمہ۔	۲۹۔ اٹھائیسواں باب
۳۱۵		۳۰۔ اشاریہ (INDEX)



خلفاء راشدین رضوان اللہ کی جنگی حکمتِ عملی و

تدبیرات کا تجزیہ

○

نقشہ جات

صفحہ		
۲۲	جناب صدیق اکبر رضی کی خلافت، عرب کے شہر اور باغی قبائل	۱. نقشہ اول
۳۰	مدینہ شریف کے گرد و نواح کا علاقہ اور فوجی کارروائیاں	۲. نقشہ دوم
۵۸	جناب خالد رضی، عکرمہ رضی، شرجیل رضی، عمرو بن عاص رضی اور خالد بن سعید کی کارروائیاں	۳. نقشہ سوم
۷۶	جناب طریفہ رضی، علا رضی، حذیفہ رضی، عرفجہ رضی، مہاجر رضی اور سوید رضی کی کارروائیاں	۴. نقشہ چہارم
۱۰۳	جناب صدیق اکبر رضی کی حکمتِ عملی اور خالد رضی کی ذمہ داری اور کارروائی	۵. نقشہ پنجم
۱۱۲	جناب خالد رضی کا ظمہ کی جنگ سے حیرہ کی فتوحات تک کا علاقہ	۶. نقشہ ششم
۱۳۲	ولجہ کی جنگ، تین مرحلے	۷. نقشہ ہفتم
۱۵۶	جناب خالد رضی کی حیرہ کی فتح کے بعد کارروائیاں اور اہم مقامات	۸. نقشہ ہشتم
۱۹۲	بابل، کسر، جسر اور یوب وغیرہ کی جنگوں کا علاقہ	۹. نقشہ نہم
۲۵۶	قادسیہ کا محل وقوع اور اسلامی لشکر کی صف بندی	۱۰. نقشہ دہم
۲۷۶	حضرت سعد رضی کا مدائن پر قبضہ	۱۱. نقشہ یازدہم
۲۹۰	جنوبی علاقے، فارس اور خزرستان کے صوبے	۱۲. نقشہ دوازدہم
۲۹۸	تہاوند کا محل وقوع	۱۳. نقشہ سیزدہم
۳۰۲	تہاوند کے میدان جنگ کا خاکہ	۱۴. نقشہ چہار دہم
۳۱۲	عراق اور ایران کی اسلامی فتوحات کی وسعت	۱۵. نقشہ پانزدہم





تعارف

قبل ازیں آرمی ایجوکیشن ڈائریکٹریٹ کے زیر اہتمام حضور پاک کی جنگی حکمت عملی و تدبیرات کا تجزیہ میجر امیر افضل خان (ریٹائرڈ) کی کتاب "جلال مصطفیٰ" میں پیش کیا جا چکا ہے "جلال مصطفیٰ" کی اشاعت کے بعد یہ محسوس کیا گیا کہ انہیں خطوط پر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی جنگی حکمت عملی و تدبیرات کا تجزیہ بھی پیش کیا جائے تاکہ اسلامی تاریخ کے اس روشن باب کی ایک صحیح اور مکمل تصویر سامنے آسکے۔ میرے پیشرو نے یہ ذمہ داری بھی میجر امیر افضل خان (ریٹائرڈ) کو ہی سونپنا مناسب سمجھا مصنف نے جس لگن اور جذبہ سے یہ ذمہ داری نبھائی ہے وہ قابل تحسین ہے۔

اب تک فلسفہ جنگ اور جنگی حکمت عملی پر جو کتب ہمارے افسران اور جوانوں کے زیر مطالعہ رہی ہیں وہ زیادہ تر مغربی مصنفین کی ہی تحریر شدہ ہیں اور ان میں جن جنگوں کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے ان کا پس منظر بھی مغربی ممالک کی تاریخ کا ہی حصہ ہے۔ پاکستان میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے ساتھ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے افواج اسلام کی پیشہ ورانہ تربیت کی بنیاد اسلام کی عسکری تاریخ کی روشنی میں اخذ شدہ جنگی اصولوں اور حکمت عملی پر رکھی جائے۔ یہی مقصد زیر نظر سلسلہ کتب کی اشاعت کا محرک ہے۔

آنحضرت کے وصال کے بعد خلفائے راشدین کا دور اسلامی تاریخ کا سنہری دور ہے۔ یہی وہ دور ہے جس میں اسلامی فتوحات کا دائرہ عراق و ایران سے لے کر مصر و افریقہ تک پھیلا ہوا مانا ہے۔ وہ قوم جو چند دہائیاں پہلے تک عرب کے ریگستانوں میں جہالت اور گناہی کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ حضور پاک کی تعلیم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی دولہ انگیز قیادت کے زیر اثر جس طرف بھی بڑھی کامیابی نے اس کے قدم چومے۔ وہ کیا عوامل تھے جن کی بدولت اسلامی لشکروں کو تعداد و وسائل کی کمی کے باوجود کامیابی پر کامیابی نصیب ہوئی؟ زیر نظر سلسلہ کتب کا مقصد انہی عوامل کی نشاندہی اور تجزیہ کی روشنی میں مملکت اسلامیہ پاکستان کی افواج اپنی حکمت عملی کا تعین کر کے وطن عزیز کو اسلام کا ناقابل تسخیر قلعہ بنا سکیں۔

مصنف نے خلفائے راشدین کے دور کو چار کتابوں میں قلمبند کیا ہے جو یکے بعد دیگرے قارئین کے سامنے پیش کی جائیں گی ان میں سے پہلی کتاب جو آپ کے زیر نظر ہے اس میں فتوحات ایران و عراق اور مدین کے قلع قمع کرنے کے بارے میں تفصیلات اور تجزیات بیان کئے گئے ہیں۔ دوسری کتاب فتوحات شام و فلسطین پر مبنی ہے اور تیسری کتاب میں مصر و افریقہ کی فتوحات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ چوتھی کتاب اندرونی خلفشار کے علاوہ آخری میں یہ بتاتی ہے کہ جب وحدت آگئی تو حضور پاک اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی ساری حکمت عملی کے "عطیات و ثمرات" کس طرح مسلمانوں کی جھولی میں گر گئے۔ تمام کتابوں میں جن خیالات اور نظریات کا اظہار کیا گیا ہے وہ مصنف کے اپنے ذاتی ہیں اور انہیں من و عن شائع کر دیا گیا ہے۔ ان نظریات سے اختلاف بھی کیا جاسکتا ہے اور یہ بہر حال جی ایچ کیو کی کسی پالیسی کی غمازی نہیں کرتے، سوائے اس کے کہ اسلامی فلسفہ جنگ اور حکمت عملی پر جتنا مواد حاصل ہو سکے اسے شائع کر کے قارئین کی علمی پیاس بجھائی جاسکے۔

میں ذاتی طور پر ڈائریکٹر آرمی ایجوکیشن کا بھی ممنون ہوں جن کی کاوشوں کی بدولت اسلامی تاریخ پر مبنی یہ کتب پایہ تکمیل تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئی ہیں۔ میرے لئے یہ امر باعث عزت ہے کہ ان کتابوں کا تعارف لکھنے کی سعادت اللہ تعالیٰ نے مجھے نصیب کی۔

مجھے یقین ہے کہ یہ سلسلہ کتب افواج پاکستان کے افسران اور جوانوں کی عسکری صلاحیتوں کو عالمی فلسفہ جنگ کے اصولوں سے ہم آہنگ کرنے میں مدد و مددگار ثابت ہوگا۔

میجر جنرل نصیر احمد خان ستارہ جرات

انسپیکٹر جنرل ٹریننگ اینڈ ایویلیوشن

جی ایچ کیو

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - الصَّلٰوٰةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ

پیش لفظ

تشکر

سب تعریفیں رب العالمین کیلئے ہیں اور اس رب العزت کی بارگاہ میں اپنے سر کو جھکاتا ہوں اور عرض یہ ہے کہ اے رب العالمین! تیری رحمتوں کا شکر کرتے وقت رقت طاری ہو جاتی ہے۔ تو بڑا رحیم و کریم ہے کہ اس گنہگار کو اس عمر میں قلم بکڑا کر اپنے حبیب کے جلال کی جھلک پیش کرنے کی سعادت بخشی۔ حضور پاک اور ہمارے آقا پر لاکھوں سلام۔ اب ان کے قافلہ کے سرداروں کی زندگیوں کی جھلک پیش کرنے کی سعادت نصیب ہو رہی ہے۔ حضور پاک کے ان عظیم ساتھیوں کا مقام اتنا بلند ہے، جس کو کوئی قلم بیان نہیں کر سکتی۔ وہ دیدارِ عام سے لطف اندوز ہوئے، اور یہ سب کچھ برداشت کر گئے۔ یا اُس لطف کو اپنے تک محدود رکھا۔

”خوشا وہ وقت کہ یثرب مقام تھا اُس کا
 خوشا وہ دور کہ دیدارِ عام تھا اُس کا“
 (اقبال)

حضور پاک کے جلال و جمال کا سلسلہ جاری و ساری ہے اور یہ کتاب بھی آپ ہی کے جلال کا منظر ہے۔ نام میں تبدیلی صرف واقعاتی ہے اور سوچا کہ جلال کی شان کو حضور پاک تک ہی محدود رہنے دیا جائے۔ اور کتاب ”جلالِ مصطفیٰ“ کا حصوں میں تذکرہ نہ کروں اور ”جلالِ مصطفیٰ“ کے الفاظ اکیلے حضور پاک ہی کی شان کا نشان بن جائیں۔

گو حضور پاک کا جمال اپنی جگہ از خود ایک مضمون ہے لیکن جمال کا بیان کوئی عاشقِ رسول ہی کر سکتا ہے۔ ہاں البتہ ہم سپاہیوں کو حضور پاک کے جمال سے بھی جلال کی جھلک نظر آتی ہے۔ آپ کے رفقاء کے مقامات کی بلندی کو سمجھنے کے لئے جمال و جلال کے بارے میں تھوڑا بہت بھی سمجھ لیا جائے تو انسان بے ادبی سے ضرور بچ جاتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس اگر ہم نے حضور پاک اور ان کے رفقاء کی زندگی کے عملی پہلوؤں کو اپنے تنگ نظر دنیاوی پیمانوں سے ناپنے کی کوشش کی تو پھر ہم اس

خوشبو سے ضرور محروم ہو جائیں گے، جس سے یہ دنیا پر وقت معطر رہتی ہے۔ لہذا عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دربار میں عرض ہے کہ اے رب العالمین! میرے قلم کی پاکیزگی کو قائم رکھنا۔ قلم کی پاکیزگی کی تو نے قرآن پاک میں قسم اٹھائی ہے۔ اور قسم ہمیشہ پیاری چیز کی اٹھائی جاتی ہے۔ اے میرے رب! میرے قلم کو طاقت دے کہ یہ صحیح واقعات لکھے اور صحیح تجزیے پیش کرے۔

مقصد

کتاب لکھنے کا مقصد کتاب کے نام سے ہی عیاں ہے۔ دراصل یہ بھی جلالِ مصطفیٰ اکمل ایک سلسلہ ہے جو جاری و ساری ہے۔ بے شک خلفاء راشدین رضوان اللہ کے زمانے کی جنگوں کے حالات متعدد تاریخوں میں موجود ہیں۔ لیکن حکمتِ عملی اور تدبیرات کے جائزے کہیں نہیں ملتے، بلکہ جنگوں کے مقاصد بھی کچھ صحیح طرح سے بیان نہیں کئے گئے۔ یہی حال نتائج کا ہے کہ ان کے بارے میں بیانات بہت سرسری ہیں۔ لیکن نتائج کے اثرات کے جائزے تو بہت ہی کم نظر آتے ہیں۔ بعد کے زمانے میں جب پہلی المغازی کی تاریخیں ناپید ہونے لگیں تو کئی ادیب صاحبان نے الف لیلیٰ کی قسم کے رنگ کو تاریخ کا حصہ بنا دیا جس سے مسلمانوں کی جنگوں کے عسکری پہلو اوجھل ہو کر رہ گئے۔ بلکہ کچھ افسوسناک پہلو بھی سامنے آئے لفظی، غلط بیانی اور نااہل لوگوں کے تبصروں نے حالات اور معاملات کی حقیقت کو تبدیل کر کے رکھ دیا۔ ان حالات میں جس مقصد کو میں نے ذہن میں رکھا ہے، اس کو پورا کرنا واقعی کٹھن کام ہے لیکن یہ سب کچھ ایک اصول کے تحت کرنے کا ارادہ ہے اور اس کی بنیاد اس پر ہے کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کے احکام موجود ہیں۔ ہمارے آقا حضور پاک حضرت محمدؐ نے عملی طور پر ان احکام کو اس دنیا میں اپنی سنت کے طور پر جاری و ساری کیا۔ صحابہ کرامؓ کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے حضور پاکؐ کی سنت ان ہی سے سیکھ کر عملی طور پر اپنائی۔ اس لئے تاریخ میں اگر کسی جگہ ایسے الفاظ نظر آئیں جو قرآن پاک کے احکام یا حضور پاکؐ کی سنت کی نفی کرتے ہوں تو یہ صحابہ کرامؓ کے عمل کا حصہ نہیں ہو سکتے اور نہ ہی ہماری تاریخ کا حصہ بن سکتے ہیں۔ دوسرا اصول جو مد نظر رکھا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ہر واقعہ کے نتائج کو ذہن میں رکھ کر پھر نتائج و اثرات کی چھان بین کی گئی ہے۔ اگر یہ نتائج و اثرات اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے پورے اترتے ہیں جس مقصد کے لئے دینِ فطرت یا دینِ حنیف کو دنیا میں

جاری و ساری کیا گیا ہے تو ہم مان لیں گے کہ یہ عمل ہمارے آقا کے عظیم رفقاء کا تھا۔ اگر معاملات اس کے برعکس ہیں، تو نہ وہ اعمال ہمارے آقا کے رفقاء کے ہو سکتے ہیں اور نہ ایسے واقعات ہماری تاریخ کا حصہ بن سکتے ہیں۔ پرانے زمانے کی ہر کتاب میں لوگوں نے اضافے کئے اور اپنے ان اضافوں کو مصنف کتاب کی طرف منسوب کر دیا۔ صرف قرآن پاک میں ایسے اضافے نہ کئے جاسکے، باقی کتب میں یہ اضافے اب بھی موجود ہیں۔

دینِ فطرت کا مقصد حیات

نبیؐ کے مبعوث ہونے کا کیا مقصد ہے؟ ہمارے آقا نے مدینہ شریف پہنچ کر پہلے ہی خطبہ میں اس پہلو کو وضاحت کے ساتھ بیان فرمادیا۔ مختصر طور پر آپ نے یہ فرمادیا: "زمانے کا تسلسل ٹوٹ گیا تھا اسی لئے نبیؐ مبعوث ہوا کہ زمانے کو تسلسل دے۔" اب یہ نکتہ سمجھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ بات یہ ہے کہ یہ دنیا تسلسل کے ساتھ شروع ہوئی۔ حضرت آدمؑ اکیلے تھے اور انہوں نے ایک فلسفہ حیات پیش کیا۔ پھر آدمیوں کی تعداد بڑھ گئی اور علاقوں یا ملکوں میں پھیل گئی۔ اور لوگ گروہوں میں بٹ گئے۔ گو اللہ تعالیٰ نے ہر خطے میں پیغمبر مبعوث فرمائے لیکن ہر زمین کی آب و ہوا کی وجہ سے مزاجوں میں فرق رہا۔ اس لئے اختلافات بڑھتے گئے اور زمانے کا تسلسل ٹوٹ گیا۔ یعنی لوگ یا زمانہ ایک رخ یا ایک صراطِ مستقیم کی بجائے مختلف رستوں پر چل پڑے۔ حضورؐ پاک نے ساری دنیا کے لئے امت واحدہ کا تصور دے کر دینِ فطرت کا مقصد حیات بھی واضح کر دیا۔ اور کاروانِ حق کو صراطِ مستقیم پر رواں دواں کر دیا۔ اور اپنے آخری خطبہ حجتہ الوداع میں فرمایا کہ زمانے کا تسلسل قائم ہو گیا۔

تفرقہ

اگر ہم اوپر بیان کئے گئے فلسفے کو سمجھتے کی کوشش کرتے تو ہمارے اندر کوئی تفرقہ پیدانہ ہوتا۔ مگر یہاں یہ بھی اختلاف شروع ہو گیا کہ بعض نے کہا کہ حضورؐ کے مبعوث ہونے کے بعد تمام دنیا آپ کی امت ہے یا ایک امت ہے اور بعض نے کہا کہ نہیں، جو حضورؐ پاک کے احکام پر عمل کریں گے

وہ آپ کی امت ہیں۔ یہ تفرقہ کسی وضاحت کا مرہون نہ تھا اور نہ ہے۔ کہ تصور تو ایک امت کا ہے لیکن عملی طور پر امت میں وہ شامل ہیں جو صراطِ مستقیم پر چل رہے ہوں۔ آگے چل کر غیروں کی اصطلاحوں پر ہم نے اسلامی پونڈ لگا دیئے اور صراطِ مستقیم کی بجائے پیچھے مڑنے یعنی انقلاب جیسی غلط اصطلاحوں کو بھی اسلامی اصطلاح بنا کر قوم کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ ان غلط اصطلاحوں نے اسلام کے رنگ و روپ کو ہی تبدیل کر دیا۔ چنانچہ اس کتاب میں صحابہ کرامؓ کی فوجی حکمت عملی، تدبیرات اور جنگوں کا با مقصد مطالعہ پیش کیا جا رہا ہے تاکہ ہم یہ سمجھیں کہ صحابہ کرامؓ نے دینِ فطرت پر کیسے اور کس طرح عمل کیا۔ مختصر طور پر اسلامی فلسفہ حیات کا بیان جلالِ مصطفیٰؐ کے پیش لفظ میں کر دیا گیا تھا۔ کتابوں کا یہ سلسلہ اس فلسفہ حیات کے عملی پہلو کا بیان ہے اور آخری جلد کے آخری باب میں مسلمانوں کے فلسفہ حیات کا پچوڑ بھی بیان کیا جائے گا۔

تاریخ اور راوی

جلالِ مصطفیٰؐ میں اس چیز کی وضاحت کر دی گئی ہے اور اسلامی تاریخ کے بنیادی پہلو بیان کر دیئے گئے ہیں۔ عام طور پر پرانے زمانے کے تاریخ دان زیادہ دیانتداری سے کام لیتے رہے ہیں۔ بد قسمتی سے المغازی کی تقریباً چالیس تاریخیں جو ابن اسحاق سے پہلے لکھی گئیں وہ ناپید ہیں۔ دراصل امیہ اور عباسی خلفاء کے زمانے میں ان تواریخ کی کتابوں کو ضائع کیا گیا۔ کیونکہ انہیں لکھنے والے صحابہؓ کے فرزند ان اور تبع تابعین نے اسلامی فلسفہ حیات کو صحیح طور پر پیش کیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ مسلمان موت سے نہیں ڈرتے تھے۔ اور خلفاء کو ایسے لوگوں کا خوف دامن گیر رہتا تھا جو ان کے غلط کاموں پر فوراً روک ٹوک شروع کر دیتے تھے۔ پرانی تاریخوں میں ابن اسحاق ابن ہشام اور واقدی کا اردو ترجمہ یا انگریزی ترجمہ کہیں سے نہیں مل سکا۔ طبقات ابن سعد کا

لے ہماری پرانی تاریخوں میں طبقات ابن سعد کے مقابلہ کی تاریخ نہ مل سکے گی۔ صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کے حالات کو جس پیار و محبت سے اکٹھا کیا اور جس ادب کے ساتھ ان کے کردار کو پیش کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ جرمنی کے آخری بادشاہ قبصر ولیم نے بیسویں صدی کے شروع میں اس کا ترجمہ (باقی اگلے صفحہ پر)

ترجمہ اردو میں موجود ہے۔ لیکن آپ نے صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کے بارے میں لکھا ہے۔ واقعاتی طور پر تسلسل سے تاریخ کی کتاب نہ مل سکی۔ ابن سعد البیتہ بڑے ادب سے سب واقعات کا ذکر کرتے ہیں اور ان کی تاریخ سے بڑی مدد حاصل کی گئی ہے۔ جہاں ناموں میں اختلاف تھا یا واقعات کو کئی صاحبان سے منسوب کیا گیا وہاں ابن سعد سے استفادہ ضرور کیا ہے لیکن یہ ثانوی پہلو ہے

واقعی

واقعی جو ابن سعد کا استاد تھا۔ اس کے خلاف دو بڑے الزام ہیں۔ اول الزام، امام بخاریؒ نے دروغ گوئی کا لگایا ہے۔ خاص کر واقعی کے حضور پاک کی حضرت زینبؓ سے شادی کے واقعات کے بیانات پر امام بخاریؒ کو سخت اعتراض ہے کہ واقعی بے ادب ہے۔ لیکن جناب داتا گنج بخشؒ اسی واقعہ کے متعلق واقعی کے اسی بیان کو اس کا نام لئے بغیر نہ صرف صحیح تسلیم کرتے ہیں بلکہ اسی بیان سے حضور پاک کے اعلیٰ وارفع مقامات کا ذکر ایسے پیارے الفاظ میں کرتے ہیں کہ واقعی کی بریت ہو جاتی ہے۔ واقعی پر دوسرا الزام یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کی جنگوں میں بہادری کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتے تھے۔ جنگوں میں جو کچھ ہوا اور آگے آپ جو کچھ پڑھیں گے وہ سب کچھ معجزہ سے کم نہیں۔ اگر واقعی نے اس سلسلہ میں حقیقت بیان کر دی تو اس نے کوئی قصور نہیں کیا۔ بلکہ پرانے تاریخ دانوں میں یہ واحد صاحب ہیں جنہوں نے صرف روایات پر بھروسہ نہ کیا بلکہ تجزیے پیش کرنے کے لئے چھان بین بھی کی۔ بلکہ یہ اس کی ایک بڑی خدمت ہے۔ گو واقعی کی اپنی تاریخ نہ مل سکی لیکن دوسروں نے واقعی کے حوالے سے جو کچھ لکھا اس کو جہاں تک صحیح پایا گیا، وہ آپ لوگوں کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ جہاں اختلاف ہے

(بقیہ کچھ صفحہ سے آگے) کرا کے جرمن افسروں کو دیا کہ اعلیٰ کردار والے سپاہیوں کی زندگی سے سبق سیکھیں اس زمانے میں مشہور بھی ہو گیا تھا کہ قیصر مسلمان ہو گیا ہے کہ انور پاشا کے ساتھ اس کی بڑی دوستی تھی۔ ہم نے ابن سعد کا حوالہ صرف اس جگہ دیا ہے جہاں وہ واقعہ صرف ابن سعد میں تھا۔ لیکن ثانوی پہلو کے طور پر اس کی کتاب کے لفظ لفظ سے استفادہ کیا گیا۔

وہاں ساتھ ہی اپنا تجربہ یہ بھی لکھ دیا گیا ہے۔

طبری

اس کے بعد سب سے پرانی تاریخ جو ہمارے ہاں موجود ہے وہ تاریخ طبری ہے۔ اور اس کتاب کے لئے طبری کی تاریخ کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ البتہ مشکل یہ ہے کہ طبری نے ایک ہی واقعہ کو کئی راویوں کے حوالے سے مختلف شکل و صورت میں پیش کیا ہے۔ کئی جگہوں پر تسلسل بھی نہیں۔ ان حالات میں اپنے دیگر تاریخ کے مطالعے سے مدد لینا پڑی۔ اس سلسلہ میں اگر تمام کتابوں کا ذکر کیا جائے تو تو شاید یہ خود نمائی کے تحت آئے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ تاریخ اسلام میرا اور ٹھٹھا بچھونا ہے۔ ساتویں جماعت سے طالب علم کی حیثیت سے میں اکثر اردو میں لکھی ہوئی مسلمانوں کی تاریخیں پڑھ چکا ہوں اگر پنجابی میں لکھی ہوئی گلزار چہار یار یا حضور پاک کی شان میں کوئی لغت یا نظم لکھی ہوئی مل گئی تو وہ بھی پڑھ ڈالی۔ اور پاکستان کے بننے تک اردو میں لکھی ہوئی اسلام کی تاریخ کی کوئی کتاب ایسی نہ ہوگی جو نہ پڑھی ہو۔

انگریزی تاریخیں

فوج میں انسر بننے کے بعد ۱۹۵۱ء سے غیروں کی عسکری تاریخوں کے پڑھنے کا شوق پیدا ہوا، تو ساتھ ہی انگریزی میں لکھی ہوئی اسلامی تاریخ کا مطالعہ بھی شروع کر دیا۔ اپنوں کی کتابیں تو اس سلسلہ میں کم تھیں، لیکن غیروں کی سینکڑوں کتابیں پڑھیں جن میں مسی، گب، ٹوان بی جیسے مشہور مؤرخین کے علاوہ اگر متعصب گلب کا کچھ لکھا ہوا مل گیا تو وہ بھی پڑھ لیا۔ اور اگر پروفیسر روم لنڈو جیسے کسی اعتدال پسند شخص کی کوئی کتاب مل گئی تو وہ بھی پڑھ لی اور اپنوں کی بھی جو کتاب مارکیٹ میں آئی اور مل سکی تو پڑھ لی۔ اس مطالعے سے مجھے تاثر ملا کہ غیروں نے اسلام کو سمجھنے کی کوشش تو ضرور کی لیکن ان کی عینک بھی متعصب تھی اور پیمانے بھی، اس لئے وہ اسلام کی روح تک نہ پہنچ پائے اور جو لوگ اورینٹلسٹ کہلائے، ان میں اور اب وہاں میں کوئی خاص فرق نہ تھا۔

۱۰ مستشرقین

مسلمان مورخ و مبصر

اس زمانے میں مسلمان مورخین نے کئی اچھی کوششیں کیں لیکن اکثر کے سلسلے میں معاملات بین بین رہے۔ وجہ یہ تھی کہ اکثر لکھنے والے مغرب کی "برطانی" سے مرعوب تھے۔ نقل زیادہ کی اور وہ بھی مغربی دانشوروں کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں بھی اکثر نے اسلام کو غیروں کے پیمانے سے ناپا۔

غیروں کے فلسفے اور نظریے

تاریخ عالم اور دنیا کی عسکری تاریخ کا مطالعہ تو پہلے سے شروع تھا۔ واقعات عالم کے طالب علم کی حیثیت سے دیگر قوموں کے سیاسی فلسفوں اور معاشرتی نظریوں کا مطالعہ بھی شروع کر دیا۔ ہندوؤں کو دوبارہ البیرونی کی زبان سے خوب پڑھا۔ یونانی فلسفہ اور یورپ کی موجودہ زمانے کی تہذیب و تمدن پہ نظر دوڑائی۔ غرض غیروں کے بارے میں جو کچھ میسر آسکا پڑھا۔ لیکن سب کچھ کو اسلام کے مقابلہ میں بوجھ اور بھونڈا پایا۔ حضور پاک اور آپ کے رفقاء کے ساتھ غیروں کے موازنے والی بات کی گستاخی سے تو اللہ تعالیٰ نے بچایا۔ لیکن اگر کسی کی کوئی اچھی چیز نظر بھی آئی تو اس کی تعریف ضرور کی۔ لیکن حضور پاک اور آپ کے رفقاء کی بلندیوں کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔

روح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب

گنبد آگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب (اقبال)

ان نتائج پر پہنچنے کے بعد اپنی تاریخ اور فلسفہ و نظریہ کا یا مقصد مطالعہ دوبارہ شروع کر دیا اور پہلے اپنے تاثرات ۱۹۶۷ء کے بعد ہلال میں شائع کئے اور دوسرے لوگوں کو بھی دعوت دی کہ اسلام کی روح کو تلاش کر کے قوم کے سامنے پیش کریں۔ اس مطالعہ کی صورت میں جو مواد اکٹھا کر سکا ہوں اس کو کتابی شکل دے رہا ہوں۔ لیکن اگر اس بحث میں پڑ گیا کہ یہ واقعہ فلاں مورخ نے بیان کیا اور فلاں مبصر نے یہ تجزہ یہ پیش کیا تو کتاب الجھاؤ پیدا کرے گی۔ اس لئے واقعات مورخین اور مبصرین کے نام لکھے بغیر ہی پیش کئے جا رہے ہیں۔ کسی ضروری جگہ حوالے موجود ہیں اور واقعات مورخین کی کتابوں سے لئے گئے ہیں۔ اس سلسلہ میں قرآن پاک اور حضور پاک کی سنت سے جو مدد لی گئی ہے، اس کا بیان ہو چکا ہے۔ جگہ جگہ پر نام لکھنے سے تمام کتاب روزنامہ

بن جاتی ہے۔

وحدت

کوشش یہ کی گئی ہے کہ حضور پاک کے رفقاء نے جس وحدتِ عمل اور وحدتِ فکر کا مظاہرہ کیا اس کو قوم کے سامنے پیش کیا جائے اور کتاب کا پہلا باب بھی وحدت کے مضمون پر ہے۔ عظیم صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسلامی فلسفہ حیات کے بنیادی پہلو، وحدت پر عمل کرتے ہوئے فوجی حکمتِ عملی تعین کی۔ اسی طرح لشکر کے سالاروں نے تدبیرات کو بھی اہنی اصولوں کے مطابق ڈھالا۔ اور نتیجتاً یہ اہل حق ساری دنیا پر چھا گئے۔ حضور پاک نے بھی اپنی وفات سے پہلے دو باتوں کے لئے فکر مندی کا اظہار فرمایا۔ آپ نے فرمایا: "اے مسلمانو! کسی بیرونی دشمن کا خطرہ اتنا زیادہ نہیں لیکن دو چیزیں آپ کو نقصان پہنچا سکتی ہیں۔ ایک اندرونی خلفشار اور دوسری حبّ الدنیا اور کراہتِ الموت۔" یہ حقیقت ہے کہ مسلمان جب تک ایک مرکز کے تحت متحد رہے کوئی ان کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ لیکن اپنے اندرونی خلفشار نے انہیں ہمیشہ سخت نقصان پہنچایا۔ ہمارے سامنے ستمبر ۱۹۶۵ء اور دسمبر ۱۹۷۱ء کی مثالیں موجود ہیں۔ کہ پہلی صورت میں ہمارے اتحاد کی وجہ سے دشمن ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ دوسری صورت میں ہم دو لخت ہو گئے۔

حُبّ الدنیا و کراہتِ الموت

دوسرا خطرہ جس کی حضور پاک نے نشاندہی کی اور اس سلسلہ میں یہ وضاحت بھی کی کہ ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ مسلمان گو تعداد میں بہت زیادہ ہوں گے لیکن دنیا میں نہ ان کی کوئی عزت ہوگی، نہ ان کو کوئی خاطر میں لائے گا۔ وجہ یہ ہوگی کہ مسلمان دنیا کی محبت میں اندھے ہو جائیں گے اور موت سے ان کو اس قدر کراہت یا ڈر ہوگا کہ وہ اسلامی فلسفہ حیات سے دور ہوتے جائیں گے۔ میں اپنی تاریخ سے حضور پاک کے رفقاء کے ان دونوں پہلوؤں کی طرف ان کے رویہ کو اجاگر کرنے کی کوشش کروں گا اور تاریخ کا با مقصد مطالعہ بھی اسی کو کہتے ہیں کہ تاریخ سے سبق حاصل کئے جائیں اور ان پر عمل کیا جائے۔ تاریخ کو صرف تفریح کی حیثیت سے پڑھنا اور اس سے سبق نہ حاصل کرنا ایک بے مقصد مشقت ہوتی ہے۔ یا با مقصد تاریخ لکھنے کو اس طرح پیش کیا جائے

کر خواہ مخواہ کچھ اچھالا جائے، الزام تراشی ہو یا ذہنی عیاشی ہو، اسلام اس کی بھی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام، تاریخ کو صرف اس طرح پیش کرنے کی اجازت دیتا ہے جس طرح خود اللہ تعالیٰ نے تاریخ کو قرآن پاک میں پیش کیا ہے۔

کتابوں کی ترتیب

خلفاء راشدین کی تاریخ کو اور سر خلیفہ راشد کے زمانے کو الگ الگ حصوں یا کتابوں میں تقسیم کرنے کی بجائے واقعات اس طرح بیان کئے گئے ہیں کہ حکمتِ عملی میں تسلسل قائم رہے۔ چنانچہ پہلا حصہ جو آپ کے سامنے ہے، وہ فتوحاتِ عراق و ایران پر مشتمل ہے۔ دوسرے حصہ میں فتوحاتِ فلسطین و شام کو شامل کیا گیا ہے۔ تیسرے حصہ میں فتحِ مصر اور افریقہ و ایشیا کی فتوحات ہیں چوتھا حصہ اندرونی خلفشار کے عملی پہلو کو بیان کرتے ہوئے سانحہ کربلا کے واقعات تک ہے۔ ہر حصہ کے ہر باب کے اختتام پر جہاں تک ممکن ہوا ہے، تبصرہ اور تجزیہ موجود ہے۔ لیکن جہاں کسی باب میں کوئی بڑا واقعہ ہوا ہے، وہاں اس کے نتائج، نتائج کے اثرات اور اسباق بھی موجود ہیں۔

امیر افضل خان

کی رہنمائی کرنا تھی۔ ہاں حضور پاک کے بعد ان کا نائب یا مسلمانوں کا امیر کون ہوتا، یہ سوال اتنا اہم نہ تھا، کیونکہ کوئی تفرقہ نہ تھا۔ اسلامی فلسفہ حیات کے لحاظ سے اور حضور پاک کے ارشاد کے مطابق جو امارت کا طلب گار ہوتا تھا اس کو امارت نہ ملتی تھی۔ اور امارت کی ذمہ داریاں پوری کرنے سے سب ڈرتے تھے۔ بلکہ بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی یہ خواہش ظاہر کی کہ کاش! وہ گھاس کا ایک تڈکا ہوتے تاکہ روز قیامت اللہ کے سامنے حساب کتاب سے بچ جاتے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ خلافت کے واقعاتی پہلو کا حقیقت پسندانہ جائزہ تاریخی عوامل سے پیش کیا جائے تاکہ اس پہلو کے با مقصد اصول آشکارا ہوں اور ہم ان سے کوئی سبق سیکھ سکیں۔

سقیفہ بنی ساعدہ کا اجتماع

پرانے زمانے کے مورخین نے کسی اور اختلاف یا تفرقہ کا ذکر نہیں کیا سوائے اس کے کہ انصار کے قبیلہ خزرج کے چند لوگ حضرت سعد بن عبادہ کو امیر یا خلیفہ بنانا چاہتے تھے اس لئے سقیفہ بنی ساعدہ میں ایک اجتماع ہوا۔ سعد رضی اللہ عنہ بیمار تھے۔ اس اجتماع میں کتنے اصحاب تھے، ان کی تعداد کا کسی نے ذکر نہیں کیا۔ معاملات ابھی بخت وغیرہ تک ہی پہنچے تھے اور انصار میں جناب حبیب بن المنذر رضی اللہ عنہ اس سلسلے میں کچھ زیادہ ہی مستعد معلوم ہوتے تھے اور قبیلہ اوس کے جناب بشیر بن سعد انصار کی خلافت کے حق میں نہ تھے۔ مگر حالات نے بعد میں ظاہر کر دیا کہ انصار کی ایک بڑی جماعت یہ بات پسند نہ کرتی تھی کہ حضرت سعد کو خلیفہ بنایا جائے لیکن انصار کے حیزبات کو بھڑکا یا جا رہا تھا۔ اگر جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور امین الامت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ وہاں بروقت نہ پہنچ جاتے، تو شاید یہ فیصلہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے حق میں ہو جاتا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ ہو جانے کے بعد تمام اختلافات ادھر ہی ختم ہو گئے۔ اور اس کے ثبوت میں دور صدیقی کی وہ تمام فتوحات ہیں جو اس کتاب کا موضوع ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر اس قوم کا مرکز مضبوط

لے جلال مصطفیٰ صفحہ ۵۲، ۵۳، ۱۸۱ اور ۳۵۵ سے استفادہ کریں۔ یہ بھی روایت ہے کہ

آپ وہاں موجود نہ تھے، پہلے فوت ہو گئے تھے۔

نہ ہوتا۔ اور قوم اختلاف کا شکار ہوتی تو اس قوم کی افواج دنیا کے شہنشاہوں کی افواج کے اس طرح پر نیچے نہ اڑا سکتیں۔

معلوم ہوتا ہے اختلافات کو بعد کے زمانے میں کچھ زیادہ ہوا دی گئی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ چونکہ اس مشاورت میں شامل نہ تھے تو شاید انہوں نے فرمایا ہو یا پوچھا ہو کہ اتنی جلدی کیا تھی؟ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ جب ان کو حالات سے آگاہ کیا گیا تو آپ خاموش ہو گئے۔

حضور پاک کیا چاہتے تھے؟

حضور پاک کا ہر عمل اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق ہوتا تھا اور وہی کچھ ہوا جو اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضور پاک یہ چاہتے تھے، وہ چاہتے تھے، وغیرہ، تو ان کے لئے بہتر یہی ہوگا کہ وہ حضور پاک کی شان کو سمجھنے کی مزید کوشش کریں۔ قرآن پاک اور سیرۃ طیبہ کا مطالعہ کر کے اپنے دل و دماغ کو اور روشن کریں۔ مشہور مسلمان فلاسفر ابن عربی نے اس سلسلہ میں یہ نکتہ بھی بیان کیا ہے کہ حضور پاک جو چاہتے تھے، اس کے ہونے میں کچھ دیر نہ لگتی تھی۔ داتا گنج بخشؒ ان سے بھی ایک قدم آگے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ کی نگاہ ہی سے سب کچھ ہو جاتا تھا۔ پھر قرآن پاک میں جنگ بدر کے سلسلے میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ وہ ریت یا مٹی آپؐ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی ہے۔ تو اللہ اور اس کے رسولؐ کی منشاء کو الگ نہیں کرنا چاہیے۔ بے شک اللہ اور اللہ تعالیٰ کے فرشتے حضورؐ پر درود و سلام بھیج کر ان کی شان کو بلند سے بلند تر کرتے رہتے ہیں۔

قلم دوات منگوانے کی روایات

حضور پاکؐ کی جائیثنی، یا خلافت کے سلسلہ میں اگر تمام واقعات اور روایات کو ہم اس وجہ سے نظر انداز کر جائیں کہ ان کا جائزہ پیش کرنے سے کچھ لوگ ناراض ہوں گے، تو ہمارے اوپر بھی یہ الزام عائد ہو سکتا ہے کہ ہمارا وحدت اور مرکزیت کا فلسفہ زبانی کلامی ہے۔ اس لئے چند مشہور روایات کا جائزہ ضروری ہے۔ ان میں سے ابن سعد میں ایک روایت ہے،

کہ حضور پاکؐ جب بیمار ہوئے تو جناب عائشہؓ سے فرمایا کہ عبدالرحمن بن ابوبکرؓ کو بلاؤ کہ میں جناب ابوبکرؓ کے لئے ایک فرمان لکھ دوں تاکہ میرے بعد کوئی ان پر اختلاف نہ کرے۔

طبری میں ایک روایت ہے کہ بیماری میں حضور پاکؐ نے فرمایا، کہ قلم دوات منگواؤ تاکہ میں آپ کے لئے ہدایات لکھوا دوں کہ آپ میرے بعد اختلاف نہ کریں۔ اور پھر آپؐ خاموش ہو گئے۔ کچھ صحابہؓ کا خیال تھا کہ ہمارے لئے قرآن پاک اور حضور پاکؐ کی سنت کافی ہے۔ اور اب قلم و دوات کے چند لفظوں سے کیا ہو سکتا ہے۔ بہر حال آگے اس روایت پر بڑے تبصرے کئے گئے کہ حضور پاکؐ جانشینی کا پورا سلسلہ لکھ دینا چاہتے تھے، لیکن فلاں نے روڑا اٹکا دیا۔

تبصرہ :- ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں کہ ہم ان دونوں یا دونوں میں سے کسی ایک روایت کو ثقہ یا غیر ثقہ قرار دیں۔ اور مجھے دونوں روایتوں پر شک ہے۔ لیکن اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ حضور پاکؐ نے قلم دوات منگوانے کے احکام دیئے۔ تو دونوں روایتوں میں یہ بات واضح ہے کہ قلم دوات نہ پہنچی اور کچھ بھی نہ لکھا گیا۔ تو ہم صرف اتنا تبصرہ کریں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ اور حضور پاکؐ چاہتے کہ قلم دوات کی لکھائی سے جانشینی کا فیصلہ اسی وقت ہو جائے تو ایسا ضرور ہو گیا ہوتا۔ شاید حضور پاکؐ کچھ لکھوانا چاہتے ہوں۔ اور پھر ارادہ تبدیل کر دیا، کہ اللہ تعالیٰ کو ایسے ہی منظور تھا۔

قلم دوات کے منگوانے کے سلسلہ میں ایک اور شک بھی سامنے آتا ہے۔ اپنے زمانے میں حضور پاکؐ نے کسی حدیث مبارکہ کو لکھنے کی اجازت نہ دی، کہ قرآن پاک اور احادیث الگ الگ رہیں۔ اور احادیث یا علمِ معاذی کے لکھنے کا کام آپؐ کی وفات کے بعد شروع ہوا۔ اس لئے حضور پاکؐ اس پر قائم رہے اور آخری وقت کوئی وصیت بھی نہ لکھائی اس سلسلہ میں ایک اور بات بھی ہو سکتی ہے کہ اگر حضور پاکؐ جانشینی کے بارے کوئی واضح ہدایات دینا چاہتے تو زبانی بھی دے سکتے تھے۔ اگر آخری وقت بھی جناب اسامہؓ بن زید کے لشکر کے بارے بار بار یاد دہانی کرائی تو جانشینی کے سلسلہ میں بھی واضح اعلان کر دیتے۔ اور انصار کے سفیقہ بنو ساعدہ میں اجتماع ایک عملی ثبوت ہے کہ حضور پاکؐ نے واضح الفاظ

میں اپنی جگہ کسی جانشین کا اعلان نہ فرمایا۔

حضور پاکؐ کی وفات اور صحابہ کرامؓ

ہمارا تو یہ تجزیہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے شاید یہ بات کبھی سوچی تک بھی نہ ہو کہ حضور پاکؐ وفات پا جائیں گے، یا کم از کم اُن کی زندگی میں وفات پا جائیں گے۔ اس لئے اکثر صحابہ کرامؓ نے آپؐ کی جانشینی کے معاملات کی طرف کبھی دھیان بھی نہ دیا ہوگا۔ اس کے ثبوت میں ہم یہ واقعہ پیش کرتے ہیں کہ حضور پاکؐ کی وفات کے وقت جناب عمر فاروقؓ نے تلوار اٹھالی اور فرمایا کہ "خبردار! اگر کوئی یہ لفظ کہے گا کہ حضور پاکؐ وفات پا گئے تو میں اُس کا سر قلم کر دوں گا۔" تو ظاہر ہے کہ جناب عمرؓ کو یہ یقین نہ آ رہا تھا کہ حضور پاکؐ وفات پا گئے تھے۔ جناب صدیق اکبرؓ کی تقریر کے بعد اُن کو یقین آیا کہ واقعی حضور پاکؐ وفات پا چکے تھے اور ایسا بھی ہونا تھا۔

صحابہ کرامؓ اور خاص کر حضور پاکؐ کے خاص رفقائے یعنی چار یار اور عشرہ مبشرہ میں شامل صحابہ کرامؓ کے عقیدہ یا کردار کا جائزہ لینا، سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ اُن میں سے کوئی بھی ذاتی طور پر امارت کا خواہاں نہ تھا اور نہ ان میں سے کسی نے ایسی کوشش کی۔ بعد کی روایات میں کچھ لوگوں نے اپنے پیمانوں کے لحاظ سے بعض اضافی باتیں کہہ دیں۔ اس سلسلہ میں جناب صدیق اکبرؓ کے رویہ کو جلالِ مصطفیٰؐ میں بیان کر دیا گیا تھا کہ آپؐ کا فرمان تھا کہ حکومت اور امارت کبھی طلب نہ کی جائے۔ اور پھر حبیبِ آپؐ خلیفہ بن گئے تو نو مسلم حیرت میں مدینہ شریف میں حاضر ہوا اور آپؐ سے پوچھا کہ آپؐ نے بار خلافت کیوں اٹھالیا ہے تو آپؐ نے فرمایا "اس کے بغیر چارہ نہ تھا۔ ڈر لگ رہا تھا کہ امت تفرقہ کا شکار نہ ہو جائے۔"

اس پہلو کی وضاحت و واقعات کے ذریعہ سے خود بخود ہوتی جائے گی اور قارئین سے گزارش ہے کہ چاروں کتابوں کو پڑھنے کے بعد کوئی رائے قائم کرنا۔ حضور پاکؐ کے ان عظیم رفقائے کا ظاہر و باطن ایک تھا۔ اور ظاہری طور پر وہ ایک دوسرے کے ساتھ سیدھی بات کرتے تھے، جن باتوں کو سننے والوں نے اختلاف کے طور پر بیان کر دیا۔ لیکن عملی اختلاف حضرت عثمانؓ کی خلافت کے آٹھویں یا دسویں سال تک کہیں بھی نظر نہیں آیا۔ اور اس سے

آگے جو کچھ ہوا، اس پر تیسری اور چوتھی کتاب میں ساتھ ہی ساتھ جائزہ پیش کر دیا گیا ہے، کہ حضور پاکؐ کے کسی عظیم رفیق پر اس زمانے میں بھی کوئی حرف نہیں آتا۔

حضرت علیؑ اور خلافت

پہلے گزارش کی جا چکی ہے کہ ہم خلافت کے فلسفہ میں نہ جائیں گے کہ خلافت کا حقدار کون تھا اور کون نہ تھا۔ کیونکہ اگر ہم کوئی فیصلہ دے بھی دیں تو امت کو اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ کیونکہ حضرت علیؑ کے خلیفہ بن جانے کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ بلکہ امامت کے سلسلہ میں بھی اختلافات ختم نہ ہوئے۔ اس لئے ہم ان عقائد یا نظریات کے جائزہ سے گریز کریں گے ہم صرف عملی پہلو کی وضاحت کریں گے کہ جناب علیؑ کے رویہ سے کسی اختلاف کا اظہار نہیں ہوتا۔ اور اس سلسلہ میں چند واقعاتی ثبوت پیش کئے جاتے ہیں۔

اول آپؐ نے ان دستوں کی کمان کی جہتوں نے حضور پاکؐ کی وفات کے بعد مدینہ شریف پر حملہ آور دشمن کو مارا بھگا یا اور یہ کام آپؐ جناب ابو بکر صدیقؓ کے احکام پر کر رہے تھے۔ دوم تینوں خلفاء راشدین کے زمانے میں آپؐ میثرا علیؑ تھے اور ہر کارروائی آپؐ کے مشورہ سے کی گئی اور آپؐ کی مشاورت یا خلیفہ کے نائب ہونے کے واقعات آئندہ صفحات میں آئیں گے۔ سوم آپؐ کو اصحاب ثلاثہ سے اتنی محبت تھی کہ بیٹوں کے نام ان کے نام پر رکھے۔ امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے نام حضور پاکؐ نے رکھے۔ حضور پاکؐ کی وفات کے بعد پہلا بیٹا پیدا ہوا تو نام محمدؑ رکھا۔ جو محمد بن حنیفہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان کا ذکر اس کتاب کے تیسرے باب اور چوتھی کتاب کے دوسرے اور تیسرے باب میں آئے گا۔ اس کے بعد جو بیٹا پیدا ہوا تو اس کا نام اپنے چچا عباسؓ کے نام پر رکھا۔ وغیرہ لیکن ایک بیٹے کا نام ابو بکرؓ رکھا جن کی والدہ لیلیٰ بنت مسعود تھیں۔ آپؐ کر بلا میں شہید ہوئے اور چوتھی کتاب کے ساتویں باب میں آپؐ کا ذکر تفصیل کے ساتھ ہے۔ ایک بیٹے کا نام عمرؓ رکھا جن کی والدہ ام حبیب بنت ربیعہ تھیں اور عین التمر کے نواح میں سے ماں غنیمت میں جناب خالدؓ کو ملیں۔ اس کا ذکر اس کتاب کے پندرھویں باب میں ہے۔ ایک اور بیٹے کا نام عثمانؓ رکھا جن کی والدہ ام البنین تھیں، جو اپنے تین اور لگے بھائیوں کے

ساتھ کر بلا میں شہید ہوئے اور آپ کا ذکر چوتھی کتاب کے ساتویں باب میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔

جناب علیؑ اور جناب فاطمہؑ کی شان

حضور پاکؐ نے انتشار کے علاوہ جس دوسرے خطرہ کا ذکر فرمایا، وہ حبّ الدنیا ہے اور دنیا کے بارے میں عملی رویہ کا جناب علیؑ اور جناب فاطمہؑ کے گھرانے نے مظاہرہ کیا، اُس شان کو بھی کوئی قلم بیان کرنے سے قاصر ہے۔ اس کی کچھ تھلکیاں چوتھی کتاب کے پہلے باب میں ملیں گی۔ اور اس گھر میں امام حسنؑ اور امام حسینؑ نے جو روایات قائم کیں، ان کی دنیا میں مثال ملنا تو ویسے بھی مشکل ہے۔ لیکن یہ واقعات فرشِ تاعرش اس قدر پھیلاؤ اختیار کر چکے ہیں کہ ان کی وسعت کا اندازہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس سلسلہ میں جناب فاطمہؑ کے بارے میں کچھ ذکر ضروری ہے۔ حضور پاکؐ نے مجلس کے دوران سرگوشی سے منع فرمایا۔ کہ مجلس میں کسی اکیلے دکیلے سے الگ بات نہ کی جائے۔ لیکن فرمایا کہ دو ہستیوں کے سلسلہ میں حضور پاکؐ اپنے اہل مجلس سے معذرت کے بعد الگ بات کرنے کی اجازت چاہیں گے۔ وہ دو ہستیاں جناب ابوذر غفاریؓ اور جناب فاطمہ الزہراءؑ ہیں۔ جناب ابوذر غفاریؓ کے رویہ کے بارے میں کچھ تھلکیاں دوسری کتاب میں بھی ہیں۔ لیکن مکمل پہلو تیسری کتاب کے نویں باب میں موجود ہے۔ جناب فاطمہؑ کے سلسلہ میں روایت ہے کہ وفات سے چند روز پہلے حضور پاکؐ نے جناب فاطمہؑ کو بلا کر کان میں کچھ بات کی تو آپ رو پڑیں۔ پھر حضور پاکؐ نے دوبارہ بلایا اور کان میں پھر کچھ بات کی تو آپ مسکرا دیں۔ اُس وقت یہ بات راز ہی رہا۔ البتہ اپنی وفات سے چند دن پہلے آپؑ نے اس راز سے پردہ اٹھا دیا کہ پہلی دفعہ جب حضور پاکؐ نے ان کے کان میں بات کی تھی تو وہ حضور پاکؐ کی اپنی وفات کی خبر تھی اس لئے وہ رو پڑیں۔ دوسری دفعہ بلا کر فرمایا کہ آپ مجھے جنت میں سب سے پہلے اور بہت جلد ملیں گی تو وہ خوش ہو گئیں اور مسکرا دیں۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ ان عظیم ہستیوں کے سامنے دنیا کی کوئی اہمیت نہ تھی بلکہ وہ آخرت کو ہی سب کچھ جانتے تھے۔

صحابہ کرامؓ اور خلافت

صحابہ کرامؓ میں سے ہر صحابیؓ اس قابل تھا کہ حضور پاکؐ کے بعد امارت کو سنبھال لیتا اور عشرہ مبشرہ میں سے، اپنی فوقیت کی وجہ سے کوئی صحابی بھی خلیفۃ الرسولؐ کے منصب پر فائز ہونے کا مستحق تھا۔ حضرت عمرؓ نے تو شاید اس سلسلہ میں کبھی کچھ سوچا بھی نہ تھا۔ اس لئے وہ جناب ابو عبیدہؓ بن جراح کے پاس گئے اور ان کو کہا کہ وہ امین الامت ہیں، اس لئے وہ مسلمانوں کی خلافت کو سنبھال لیں۔ جناب ابو عبیدہؓ نے فرمایا۔ ”اے ابن خطاب! کیا صدیقؓ کے ہوتے ہوئے کوئی اور اس منصب کے قابل ہے؟ میں تو خود آپ کے پاس آ رہا تھا، کہ انصارِ مدینہ سقیفہ بنی ساعدہ میں اکٹھے ہو رہے ہیں اور وہاں پر خلافت کے مسئلہ پر بحث کر رہے ہیں۔ چنانچہ دونوں عظیم صحابہؓ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کی تلاش میں نکلے حضرت علیؓ چونکہ حضور پاکؐ کے کفنِ دفن کی تیاری میں مصروف تھے، اسلئے صرف حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر یہ تینوں صحابہؓ سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچے۔ وہاں انصار کا اجتماع تھا۔ سعدؓ خود بیمار تھے۔ وہ ایک جگہ لیٹے ہوئے تھے۔ ان کے الفاظ ان کے بیٹے یا بھتیجیوں میں سے کوئی سن کر یاد کر لیتا تھا اور سارے اجتماع کو سنا دیتا تھا۔ روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے جذبات کو کھڑکانے کی بھی کوشش کی، کہ قریش کی نسبت انصارِ خلافت کے زیادہ حق دار ہیں۔

اس سلسلے میں لمبی چوڑی بحث چھڑ گئی۔ سوال اٹھا کہ مہاجرین میں حضور پاکؐ کے قرابت دار بھی ہیں اور ایسے لوگ بھی کافی موجود ہیں جنہوں نے اول روز ہی حضور پاکؐ کے پیغام پر لبیک کہا۔ اگر وہ انصار کی امارت کی مخالفت کریں تو پھر کیا رویہ اختیار کیا جائے؟ ایک تجویز ایسی بھی پیش ہوئی، کہ پھر دو امیر مقرر کئے جائیں ایک مہاجرین سے اور ایک انصار سے۔ اسی دوران جناب صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ اور ابو عبیدہؓ بھی وہاں پہنچ گئے۔ کچھ اور مہاجرین بھی تھے لیکن مورخین نے نام نہیں لکھے۔ حضرت عمرؓ بعد میں فرمایا کرتے تھے کہ وہاں پر پہنچ کر ان کا ارادہ ہوا کہ وہ ایک تقریر کریں۔ لیکن ابوبکرؓ نے ان سے پہلے کاری چھوٹی

اور آگے بڑھ کر خود خطاب فرمایا۔ جناب فاروقؓ فرمایا کرتے تھے، کہ وہ حیران تب ہوئے کہ جناب صدیقؓ نے وہ تمام دلیلیں اپنے خطاب میں فرمائی جو حضرت عمرؓ سوچے ہوئے تھے بلکہ ان سے بہتر دلائل بھی دیئے۔ صحابہ کرامؓ کی وحدت فکر اور عمل اور اپنے اختلافات کو بات چیت سے طے کرنے کی یہ پہلی مثال ہے۔

جناب صدیقؓ کی تقریر

آپؓ نے پہلے مختصر الفاظ میں اسلام کا فلسفہ حیات بیان فرمایا۔ حضور پاکؐ کے مبعوث ہونے اور مومن کی زندگی کے مقاصد کی تشریح کی اور فرمایا کہ ”دنیا کی زندگی آخر کی کھیتی ہے اور صرف نیک اعمال ہی کام آئیں گے۔ لیکن بنیادی چیز جس کی ضرورت ہے وہ مسلمانوں کی وحدت اور مرکزیت ہے۔ عرب قبائل نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں۔ اسلام کے اجتماعی پہلو کو وہ اچھی طرح سے نہیں سمجھتے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انصار نے اسلام کی بڑی خدمت کی ہے اور اس خدمت کا اظہار حضور پاکؐ جنگِ حنین کے مالِ غنیمت کے تقسیم کے وقت فرما چکے ہیں اور حضور پاکؐ انصار کے ساتھ یہاں تک ایک جان ہو گئے ہیں کہ اپنی آخری آرام گاہ کے لئے بھی انصار کے شہرِ یثرب کو پسند فرمایا۔ لیکن ابھی کسی قبائل ان گہرے فلسفوں کو نہیں سمجھتے وہ فی الحال یہ پسند نہ کریں گے کہ ان پر حضور پاکؐ کے قبیلے سے باہر کا کوئی امیر مقرر ہو۔ یہ وقت تو وحدت اور اتحاد کا ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ حضور پاکؐ کے خاندانِ قریش میں سے کسی ایک کو خلیفۃ الرسول تسلیم کر کے ہم اپنی وحدت اور اتحاد کا مظاہر کریں۔ تاکہ مکہ کے قریش پر بھی اس کا اچھا اثر ہو۔ اور کم از کم دو جگہوں، یعنی خانہ کعبہ اور مدینہ منورہ میں وحدت کا اظہار ہو جائے۔ یہ عمرؓ ہیں۔ یہ امین الامتؓ ہیں۔ ان میں سے کسی کو خلیفۃ تسلیم کر لیا جائے؟“

جناب صدیق اکبرؓ کے ان الفاظ کے بعد حضرت عمرؓ اور ابو عبیدہؓ آگے بڑھے اور فرمایا کہ ”یا رسول اللہؐ اور صدیقؓ سے بہتر اس منصب کا کون حق دار ہو سکتا ہے؟ جن کی امامت میں حضور پاکؐ خود نماز ادا کر چکے ہیں۔“

اس پر دونوں عظیم صحابہ رضی اللہ عنہم آگے بڑھے اور انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔ اس کے بعد انصار میں سے حضرت بشیر بن سعد اور حضرت امیر بن حفص نے بھی آگے بڑھ کر آپ کی بیعت کر لی اور بعد میں تمام انصار یا اجتماع میں شریک مسلمانوں نے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔ روایت ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ کچھ عرصہ تذبذب اور کشمکش کا شکار رہے لیکن عملی طور پر چونکہ کسی مخالفت کا ثبوت نہیں ملتا۔ اس لئے ہم اس معاملہ کو یہاں ہی چھوڑ دیتے ہیں۔

بات قوم کی وحدت اور مرکزیت کی تھی۔ مہاجرین کو اول اسلام لانے کا اعزاز حاصل تھا اور جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ رفاقت، عمر، تجربہ وغیرہ کے لحاظ سے افضل تھے۔

خلیفہ اول کا پہلا خطبہ

جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا پہلا خطبہ بھی قوم کی وحدت کی عکاسی کرتا ہے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی ثناء اور حضور پاک پر درود و سلام کے بعد مسلمانوں کو اتحاد کی دعوت دی اور اندرونی خلفشار کو دور کرنے پر زور دیا۔ آپ نے فرمایا کہ جب تک وہ اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول کے احکام کی پابندی کرتے رہیں تو مسلمانوں پر ان کی اطاعت واجب ہے۔ آگے آپ نے فرمایا کہ حاکم وقت کے سامنے سچ بولنا بہت بڑی وفاداری ہے اور سچ کو چھپانا غداری ہے۔

جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آگے فرمایا: "آگاہ ہو جاؤ کہ تم میں جو بڑا کمزور ہے، میرے نزدیک وہی بڑا زبردست ہے۔ جب تک میں اس کا حق اس کو نہ دلا دوں اور تم میں جو زبردست ہے وہی میرے نزدیک بڑا کمزور ہے۔ یہاں تک کہ اس کے پاس اگر مستحق لوگوں کا حق موجود

۱۔ اسلامی فلسفہ اطاعت امیر کی بنیاد اس اصول پر ہوتی ہے۔ نہ کہ ایسے فلسفوں پر کہ ایسے لوگ ہمارے امیر بن جائیں جو غیروں کے فلسفوں کا پرچار کریں، اسلام کا مذاق اڑائیں۔ اسلام کے اندر قومیتوں کا پرچار کریں۔ صوبائی عصبیت کو ہوادیں، ملک کو دو لخت کر دیں اور ایک دوسرے کو "محب وطن" قرار دیتے رہیں۔ گو اسلام میں وطن کو اللہ کا شریک نہیں بنایا جاتا لیکن یہاں فلسفہ "حب اسلام" اور وطن کی قدر تباہ ہے کہ اس میں اسلامی احکام نافذ ہوں۔

ہے تو ان کو واپس نہ دلا دوں۔“

آپ نے اس طرح امیر اور اس کی بیعت کرنے والوں کے تعلقات پر بھرپور روشنی ڈالی جناب موسیٰ بن عقبہ کے ناپید کاغذات سے ابن اسحاق کی تاریخ میں یہ الفاظ بھی ہیں :-
 ”میں نے نہ کبھی امارت کی خواہش کی اور نہ کبھی اللہ تعالیٰ سے اس سلسلہ میں دعا مانگی۔
 میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہوں کہ اس مشکل کام میں وہ میری مدد کرے۔“

صدیق اکبرؓ کی شان

صحابہ کرامؓ کی شان بیان کرنے کے لئے الفاظ ڈھونڈنے مشکل ہو جاتے ہیں۔ حضور پاک کی سیرت اور جناب ابوبکرؓ کے کردار سے تو غیر مسلم بھی متاثر ہوئے۔ مشہور یورپین مورخ کارلائل کہتا ہے کہ مسلمانوں کے پیغمبر کتنے عظیم ہوں گے جن کا جانشین اتنے بلند پایہ کردار کا مالک ہے صحابہ کرامؓ میں سے جناب عمرؓ، جناب علیؓ، حضرت ابوعبیدہؓ، حضرت عمرو بن العاص نے ایسے الفاظ میں حضرت ابوبکرؓ کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے کہ پڑھ کر رقت طاری ہو جاتی ہے لیکن ہماری بد قسمتی یہ ہے کہ اس زلزلے میں غیروں کی نقالی میں ہم ”بامقصد تجزیوں“ کے تحت حضور پاک کے رفقاء کی بے ادبی کر جاتے ہیں۔

اس سلسلہ میں ایک مبصر کی کتاب کے چند الفاظ یہاں پیش کئے جاتے ہیں :-

”حضور پاکؐ کی وفات کے بعد مسلمانوں کی حالت اس طرح ہو گئی تھی، جس طرح سردیوں کے موسم میں ایک بھیر بارش سے ٹھٹھڑ جاتی ہے۔ جب ابوبکرؓ خلیفہ بن گئے تو مسلمانوں کے غم گہرے ہو گئے۔ کیونکہ ابوبکرؓ کسی امارت کی صفات کے لئے کچھ زیادہ مشہور نہ تھے۔ اور مسلمانوں کے جہاز کو طوفان سے نکالنا تو بڑا کٹھن کام تھا۔ اس موقع پر کسی مضبوط دل اور سخت لیڈر کی ضرورت تھی۔ اور ابوبکرؓ کے بارے میں یہ تاثر تھا کہ وہ ایک دُبلے پیلے انسان تھے۔ اُن کی بھنبویں نازک تھیں، جن کے نیچے آنکھیں دبی ہوئی تھیں۔ وہ دسمہ اور مہندی لگاتے تھے لیکن بڑھا پا ان کی رگ رگ میں سرایت کئے ہوئے نظر آتا تھا۔ بڑے رحم دل تھے اور بات بات پر رو دیتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ اسلام کے لئے ابوبکرؓ کی خدمات بہت زیادہ تھیں۔“

انہوں نے حضور پاکؐ کو وفاداری دکھائی اور حضور پاکؐ نے آپ کو صدیق کا خطاب دیا۔ ذاتی حوصلے میں بڑے بلند تھے۔ اور ان کے اسلام پر کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ وہ تیسرے فرد تھے جو اسلام لے آئے اور عشرہ مبشرہ میں ان کو بہت اونچا مقام حاصل تھا۔ لیکن کیا یہ خوبیاں مشکل اوقات میں لیڈری کے لئے کافی ہیں؟ جبکہ حضرت اُسامہؓ کے لشکر کا معاملہ بھی تشویش پیدا کئے ہوئے تھا۔

تبصرہ۔ قارئین! آپ اس کی لفاظی، اور تضاد بیانی میں جائیں کہ مخالفت میں صرف لفاظی ہی لفاظی ہے۔ اور اسی بناء پر یہ مبصر آپؐ کو خلافت کے لئے موزوں نہیں سمجھتا (نعوذ باللہ) اور یہی مبصر آگے جا کر اپنی کتاب میں تسلیم کرتا ہے کہ "چند مہینوں کے بعد باغی اور مرتدین، ابو بکرؓ کا نام سن کر کانپ کانپ جاتے تھے" چنانچہ ہمارا با مقصد تجربہ یہ اس قسم کی لفاظی اور بے ادبی سے میرا ہے۔ ہم با مقصد تجربے سے سبق حاصل کرنا چاہتے ہیں اور غلط باتوں کو صحیح باتوں سے الگ رکھنا چاہتے ہیں۔ ہمارے لحاظ سے جناب ابو بکرؓ پہلے ہی روز سے امارت اور خلافت کے لئے موزوں ترین تھے۔ اپنی پہلی تقریروں اور کارروائیوں ہی میں انہوں نے اپنی عظمت کو ثابت کیا اور آگے جو کچھ کیا اُس کی آج تک دنیا میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ بے شک حضور پاکؐ کے وصال کے غم نے مسلمانوں کو چند لمحوں کے لئے نڈھال ضرور کیا۔ لیکن ابو بکرؓ کے پہلے الفاظ نے ان میں جان ڈال دی اور ان کو یاد آ گیا کہ اسلام کا فلسفہ حیات کیا ہے۔ کھٹھڑی ہوئی بھیڑ والی بات کہیں بھی نظر نہیں آتی۔ ابو بکرؓ مسلمانوں کو اپنے اصلی مقام پر واپس لے آئے۔ حضور پاکؐ خود فرما چکے تھے۔ "کہ اے مسلمانو! میں نے سب لوگوں کو ان کے احسانات کا بدلہ دے دیا۔ لیکن ایک شخص کے مجھ پر اتنے احسانات ہیں کہ میں ان کو پورا نہ کر سکا اور وہ ابو بکرؓ ہیں" حضور پاکؐ کے اس بیان کے اندر کئی راز پتہاں ہیں، جن کو سمجھنا ہم گنہ گاروں کے لئے ناممکن ہے۔ ہاں علامہ اقبالؒ کچھ نشانہ ہی فرما گئے ہیں۔

پروانے کو چراغ ہے بلبیل کو پھول بس
صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس

جیشِ اُسامہ رضی

جیشِ اُسامہ رضی کا معاملہ وہ مشکل کام تھا جس کے ساتھ جناب صدیق اکبر رضی کا سب سے پہلے واسطہ پڑا۔ آپ خود اس لشکر میں شامل تھے۔ لیکن حضور پاک کی بیماری اور وفات کی وجہ سے اس لشکر کی روانگی میں دیر ہو گئی تھی۔ حضور پاک وفات سے ایک آدھ دن پہلے صحابہ رضی کو اس سلسلہ میں یاد دہانی فرما چکے تھے اور تاکید فرمائی تھی کہ تاخیر نہ کرنا۔ جناب ابو بکر رضی نے سب سے پہلے اسی معاملہ پر توجہ دی اور حضرت اُسامہ رضی کو موتہ کی طرف کوچ کے لئے تیاری کا حکم دیا۔ موتہ وادی بلقا اور موجودہ اردن میں ہے۔ اس زمانے میں ان سب علاقوں کو بلادِ شام اور فلسطین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جلالِ مصطفیٰ کے پانچویں باب میں جنگِ موتہ کا تفصیل کے ساتھ ذکر کر دیا گیا ہے۔ ادھر ہی جناب اُسامہ رضی کے والد حضرت زید بن حارث شہید ہوئے تھے۔ حضور پاک بعد میں خود ایک لشکر کو لے کر اس علاقہ میں تشریف لے گئے جس کو مہم بنو کعبہ کہتے ہیں اور اس کا بھی مکمل ذکر جلالِ مصطفیٰ کے آٹھویں باب میں موجود ہے۔ حضور پاک کا دشمن کے ساتھ ٹکراؤ نہ ہوا لیکن آپ کی خواہش تھی کہ اس علاقہ میں ایک اور سخت حربی مظاہرہ ہو، تاکہ دشمن کو اس طرف سے مسلمانوں پر یورش کرنے کی ہمت نہ پڑے۔ حضور پاک کی وفات کے بعد کچھ صحابہ رضی اس خیال کے حامی ہو گئے کہ اول تو اس طرف کوئی مہم بھیجی ہی نہ جائے، لیکن اگر مہم بھیجی جائے تو حضرت اُسامہ رضی کی بجائے کسی اور تجربہ کار صحابی کو سالارِ لشکر مقرر کیا جائے۔ اہلِ لشکر مدینہ سے باہر پڑاؤ کئے ہوئے تھے۔ حضرت عمر رضی بھی بیچ میں شامل تھے۔ ان کو کچھ صحابہ کرام رضی نے قائل کر لیا کہ ان کی اس قسم کی تجویز کو وہ خلیفۃ الرسول کو پیش کریں۔ حضرت عمر رضی، جناب صدیق اکبر رضی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دونوں گزارشات پیش کر دیں تو صدیق اکبر رضی نے فرمایا :-

”اے ابنِ خطاب رضی! سنو، یہ احکام اللہ کے حبیب کے ہیں اور ابو محافہ کے بیٹے کو ان

لے جلالِ مصطفیٰ کے صفحہ ۲۹۳ پر اس کا ذکر آچکا ہے۔

لے جناب ابو بکر رضی کے والد کا نام۔

میں تبدیلی کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ کیا تم مجھے ایسے سالار لشکر کو ہٹانے کے لئے کہہ رہے ہو جس کو اللہ کے رسولؐ نے مقرر فرمایا۔“

جناب فاروق اعظمؓ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور واپس جا کر اپنے ساتھیوں کے سامنے اپنی ندامت کا اظہار کیا۔

تبصرہ :- حضور پاکؐ کی حدیث مبارکہ میں جن اختلافات کو باعثِ رحمت قرار دیا گیا ہے کہ بات چیت سے معاملات کو طے کیا جائے، اُس طریق کار کی یہ عملی مثال ہے۔ اس سیدھے سادے واقعہ کو اس زمانے کے ایک مبصر کی کتاب میں پڑھیں تو آپ کو فرق نظر آجائے گا۔ وہ رقمطراز ہیں :-

”حضرت عمرؓ، حضرت ابوبکرؓ کے پاس اس طرح آئے، جس طرح وہ پہلے زمانے میں ایک مضبوط اور سخت آدمی کی طرح ایک کم گو اور فرمانبردار دوست کے پاس آیا کرتے تھے۔ لیکن وہ اٹلے پاؤں واپس ہوئے اور اپنے ساتھیوں کو برا بھلا کہا۔ گو پرانے زمانے کے مورخین نے جناب اسامہؓ کی مہم کو بڑی دانائی والی بات قرار دیا ہے۔ لیکن یہ بڑی غلطی تھی۔ حکمتِ عملی کے لحاظ سے بھی اور سیاسی لحاظ سے بھی۔ اور چونکہ بڑے بڑے تجربہ کار صحابہ نے اس مہم کی مخالفت کی تو ظاہر ہے کہ یہ کوئی دانائی والی بات نہ ہوگی (نعوذ باللہ) جگہ جگہ بغاوت کے شعلے مہر طک اٹھے تھے۔ اور باغی خوش تھے کہ اسامہؓ کی فوج مدینہ سے چلی گئی ہے۔ اور اب ان کا مسلمانوں کے کمزور خلیفہ یا امیر کے ساتھ واسطہ ہے۔ لیکن یہ سب کچھ ابوبکرؓ نے کسی حکمتِ عملی کے تحت نہ کیا تھا، بلکہ حضور پاکؐ کے ساتھ اپنی عقیدت کی وجہ سے کیا۔“

یہ مبصر کوئی غیر مسلم نہیں بلکہ بڑی اچھی کتابیں لکھی ہیں، جن کی بعض باتیں دودھ کی طرح شفاف ہیں۔ لیکن ادب ملحوظ نہیں رکھا اور تفرقہ کو بڑھانے کی کوشش کی ہے۔ مورخین نے اگر نتائج کے طور پر بھی حضرت اسامہؓ بن زیدؓ کی مہم کو دانائی والی کارروائی قرار دیا تو پھر کونسی حکمتِ عملی کے تحت یہ مبصر اس کارروائی کو سیاسی غلطی قرار دیتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو اسلام کے فلسفہ حیات پتہ نہیں ہوتا۔ اور اسلام کو انہوں نے مغرب کی عینک سے پڑھا ہوتا ہے اور مغربی پیمانوں سے ناپتے ہیں۔ دراصل بات یہ ہے

کہ حضور پاکؐ کے نام مبارک پر سب حکمتِ عملیاں قربان کی جاسکتی ہیں اور جلالِ مصطفیٰؐ میں اس پہلو کی کھل کر وضاحت کر دی گئی ہے بلکہ بیسویں صدی تک غیرت مند مسلمان اور خاص کر غازی اور پاشا جیسے لوگ حضور پاکؐ کے نام مبارک پر لاکھوں سلطنتِ عثمانیہ قربان کرنے کو تیار تھے۔

پھر ہر واقعہ کو بقول کلاسوٹز نتائج کے اثرات سے پرکھا جائے۔ جب حضرت اسامہؓ کی مہم کے نتائج اچھے نکلے۔ اُن کے چلے جانے کے بعد مسلمانوں کا کوئی نقصان نہ ہوا تو حکمتِ عملی بھی صحیح سمجھی جائے۔ ویسے مدینہ شریف کو کوئی خطرہ نہ تھا۔ جلالِ مصطفیٰؐ میں یہ پہلو واضح کر دیا گیا ہے۔ حضور پاکؐ نے مدینہ کے گرد خندق کھدوا کر مدینہ شریف کو ایک ایسے مستقر میں تبدیل کر دیا تھا کہ چند سو آدمی، عورتیں اور بچے بھی کسی بڑے سے بڑے لشکر کا ایک ماہ تک مقابلہ کر سکتے تھے۔ مکہ مکرمہ کے قریش اور طائف کے قبیلے وفادار تھے۔ مدینہ شریف کا محاصرہ کرنے والی کسی فوج کے خلاف وہ تیسرے یا چوتھے دن پہنچ سکتے تھے۔ حضرت اسامہؓ کے لشکر کو واپس بلا یا جاسکتا تھا۔ مدینہ شریف کے گرد و نواح سے کوئی قبیلہ چار یا پانچ ہزار سے زیادہ نفری کا لشکر مدینہ شریف کے خلاف نہ لاسکتا تھا۔ اور اگر لانا تو یا تو اسے بھاگنا پڑتا یا اس کو ہنس ہنس کر دیا جاتا۔ اگلے باب میں مدینہ شریف پر حملہ آور لشکروں کے بیچارگی کی کہانی سے واضح ہوتا ہے کہ مدینہ شریف میں اتنی طاقت تھی کہ کسی کو اس کا محاصرہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ یہ دو باتیں تفصیل سے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ با مقصد تجزیہ سے تفرقہ کی بجائے وحدت پیدا کی جائے اور بزرگوں کے ادب کو ملحوظ رکھ کر تجزیہ سے پیش کیے جائیں۔ یاد رکھیے کہ جناب صدیق اکبرؓ نے مسلمانوں میں جو یک رنگی پیدا کی اسے قلم بیان کرنے سے قاصر ہے۔

یوں ہاتھ نہیں آتا وہ گوہر یک دانہ
یک رنگی و آزادی لے ہمت مردانہ (اقبال)

جلسہ اُسامہ کی روانگی

جناب صدیق اکبرؓ کی خلافت کی پہلی کارروائی حضور پاکؐ کے حکم کی تعمیل، اور قوم میں وحدت اور جذبہ جہاد پیدا کرنے سے شروع ہوتی ہے۔ غیرت مند قومیں موت سے نہیں ڈرتیں اور مدینہ شریف کے مسلمان، عورتیں اور بچے ہر سختی کا مقابلہ کرنے کو تیار تھے، اور جناب صدیق اکبرؓ مقررہ وقت پر حضرت اُسامہؓ کے پڑاؤ میں حاضر ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے سالارِ لشکر سے اجازت مانگتے ہیں کہ وہ حضرت عمرؓ کو ان کی مشاورت کے لئے مدینہ چھوڑ جائیں۔ پھر لشکر کے لئے الوداعی دعا مانگتے ہیں اور لشکر ترتیب کے مطابق آپؐ کی آنکھوں کے سامنے کوچ کرتا ہے۔ حضرت اُسامہؓ گھوڑے پر سوار ہیں خلیفہ وقت زمین پر کھڑے ہیں۔ جب حضرت اُسامہؓ کے چلنے کی باری آتی ہے تو خلیفہ وقت بھی ساتھ پیدل چل پڑتے ہیں۔ حضرت اُسامہؓ گھوڑے سے اترنے لگتے ہیں تو خلیفہ وقت منع فرماتے ہیں اور ساتھ ساتھ چلتے جاتے ہیں اور پھر اسی طرح کافی دور تک چلنے کے بعد ایک جگہ رک جاتے ہیں اور سارے لشکر کو اپنے پاس سے گزرنے تک انتظار کرتے ہیں۔ جب آخری آدمی آپؐ کے پاس سے گزر جاتا ہے تو پھر آپؐ رب العزت کے دربار میں ہاتھ اٹھا کر عاجزی سے دعا مانگتے ہیں اور جب لشکر کافی دور نکل جاتا ہے تو حضرت عمرؓ کی معیت میں مدینہ پیدل واپس آتے ہیں۔ یہ ہے اسلام کا فلسفہ حیات اور یہ ہیں اسلام میں امیر اور مسلمانوں کے تعلقات۔ ایسی حکمت عملیوں کے نتائج آپؐ اگلے باب میں پڑھیں گے، لیکن یہ نتائج اُس آنکھ کو نظر آتے ہیں جس میں مدینہ کی آنکھ کا سرمہ ہو۔

سے خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف
(اقبال)

نتائج و اسباق کا خلاصہ

کتاب کے اس پہلے باب میں ہمارے لئے متعدد اسباق ہیں۔ واقعات کا تجزیہ پیش کرتے

وقت، واقعات کے نتائج، نتائج کے اثرات، اسلامی فلسفہ حیات اور زندگی کے مقاصد پر کھل کر تبصرہ کر دیا گیا ہے۔ مختصر طور پر اسباق و نتائج حسب ذیل ہیں :-

- ۱۔ دین اسلام کو جاری و ساری رکھنے کے لئے وحدت اور مرکزیت کی سخت ضرورت ہے۔
- ۲۔ خلافت اور امارت کے سلسلے میں اختلافات وقتی تھے، جو جلدی ختم ہو گئے۔
- ۳۔ حضور پاک اور صحابہ کرامؓ کی شان کو سمجھنا ضروری ہے۔ جو مسلمان یہ نہیں سمجھتا اور اس سلسلے میں اپنی انکساری کا اظہار نہیں کرتا، اس کے تجربے اس کے عقلی پیمانوں کی پیداوار ہوتے ہیں۔ ایسا شخص یا تو غیروں کے فلسفوں سے متاثر ہوتا ہے یا اسلام کے فلسفہ حیات اور زندگی کے مقاصد کو نہیں سمجھتا۔

- ۴۔ اگر اسلامی فلسفہ حیات اور حضور پاک کے نبی مبعوث ہونے اور اسلام کے قافلے کو صراطِ مستقیم پر رواں دواں رکھنے کے نظریہ کو سمجھ لیا جائے تو پھر سارے اختلافات مٹ جاتے ہیں۔
- ۵۔ تاریخ میں غیر ضروری لفاظی اور اصنافی باتیں لکھنے والے لوگوں کے تجربے یوں کو نظر انداز کیا جائے۔
- ۶۔ جناب صدیق اکبرؓ کی فوجی حکمت عملی اور حضور پاک سے ان کی رفاقت کی وجہ سے ان کی شان کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ آپؐ نے اپنی تمام تر کارروائیوں کی بنیاد حضور پاک کی غلامی پر رکھی اور مسلمانوں کا عمل اسی بنیادی فلسفہ سے شروع ہوتا ہے۔

- ۷۔ سیدنا علیؓ اور جناب فاطمہؓ الزہراء کو جو بلندیاں اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہیں، ان کو اپنے دنیاوی پیمانوں سے نہ ناپا جائے اور عقیدت کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ کیا جائے جو کچھ ان ہستیوں نے کیا۔
- ۸۔ آگے واقعات ثابت کریں گے کہ حضرت علیؓ اور ان کے پھوپھی زاد بھائی حضرت زبیرؓ ہی ان لشکروں کی کمان کر رہے تھے جو مدینہ شریف کے دفاع کے لئے باہر نکلے اور لشکر میں زیادہ تعداد بنو ہاشم اور حضور پاک کے قریبی رشتہ داروں کی تھی کہ حضور پاک کی وفات کی وجہ سے ان میں سے اکثر حضرت اسامہؓ کے لشکر میں شریک نہ ہو سکے۔

- ۹۔ اسلام ایک اللہ اور ایک دین کے ماننے کا نام ہے اس میں علاقائی نسلی یا لسانی تعصب کی اجازت نہیں۔ اس لئے اسلام کا وہ مزاج نہیں جو مغربی جمہوریت کا ہے۔ یہاں مشرط، اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت ہے۔ یہاں تعصب یا نسلی معاملات کو ہوا دینے والے یا مرکز

کو کمزور کرنے والے غیر اسلامی فلسفوں کو لانے والے یا مادر پدر آزادی کے پرچار کرنے والے کی کوئی گنجائش نہیں۔

۱۰. اسلام کی فوجی حکمتِ عملی ایک اللہ، ایک رسول، ایک کتاب اور ایک امت کے فلسفہ پر مبنی ہوتی ہے۔ یہاں اولی الامر کا حکم چلتا ہے۔ اس کو ہمیں مغربی عینکوں سے نہیں پرکھنا چاہیے۔

۱۱. صحابہ کرامؓ کا ظاہر و باطن ایک تھا۔ ان کا طرزِ کلام سیدھا تھا۔ اور وہ پشتو اور پنجابی زبان کی طرح بے تکلف ہو کر ایک دوسرے کو "تو" کر کے پکارتے تھے۔ وہ اپنے اختلافات منہ پر بیان کر دیتے تھے اور جب ان کے سامنے صحیح صورتِ حال بیان کی جاتی تو اختلافات کو بھول جاتے تھے۔ یہ ہمارے لئے عملی سبق ہے۔

دوسرا باب

منکرین و مرتدین کا ارتداد

حصنہ پاک کی زندگی ہی میں یمن میں اسود عتسی بغاوت کر چکا تھا، لیکن حصنہ پاک کی بیماری کی خبر سن کر چند دوسرے قبائل میں بھی بغاوت کے آثار نمودار ہو گئے۔ ان میں طلیحہ، سبحاح اور سلیمہ کذاب نے تو نبوت کا بھی اعلان کر دیا تھا اور مدینہ شریف کو فوری خطرہ بھی طلیحہ سے تھا، کیونکہ بنی اسد، بنی سلیم اور غطفان قبائل میں سے کئی لوگ اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ بلکہ ہوازن قبیلہ کے لوگ بھی کچھ یمن میں ہی تھے۔ سلیمہ کذاب گو نبوت کا اعلان کر چکا تھا لیکن وہ یمامہ میں بیٹھ کر اپنے قبیلہ بنو حنیفہ میں اپنی پوزیشن مضبوط کر رہا تھا۔ نقشہ اول میں چیدہ چیدہ باغی قبائل اور ان کے سرداروں کو الگ ظاہر کیا گیا ہے۔

اسود عتسی اور یمن کے واقعات

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے، یمن میں اسود عتسی کی بغاوت حصنہ پاک کے زمانہ ہی میں شروع ہو چکی تھی، لیکن وہاں پر کافی لوگ مسلمانوں کے وفادار رہے۔ حتیٰ کہ اسود کی بیوی آزاد بھی مسلمانوں کے ساتھ تھی۔ شروع میں یمن کے معاملات بڑے بھیانک نظر آتے تھے۔ لیکن حصنہ پاک اپنی زندگی ہی میں اسود کے قتل کی خوشخبری مسلمانوں کو سنا چکے تھے۔ گو قاصد کے ذریعے سے یہ خبر آپ کی وفات کے بعد حضرت اسامہ کے لشکر کے مدینہ سے چلے جانے کے بعد ملی۔ یہ فتنہ تقریباً تین یا چار ماہ تک رہا اور اب اس طرف سے تسلی تھی

طلیحہ کی بغاوت

طلیحہ مختلف قبائل کو اکٹھا کر رہا تھا۔ بنی غطفان کے علاوہ، ہوازن اور طے قبیلے کے کچھ لوگ بھی اس کے ساتھ مل گئے۔ بنو اسد اور بنی سلیم بھی اس کے ساتھ تھے۔ حصنہ پاک کے زمانے

ہی میں مخبروں کو ادھر بھیجا جا چکا تھا۔ اور حضور پاکؐ کی وفات کے بعد چند مخبروں نے خود بخود آ کر حالات کا جائزہ پیش کیا۔ اور زکوٰۃ دینے سے تو تقریباً سب قبائل انکار کر چکے تھے۔ قریش مکہ کو چھوڑ کر یا طائف کے بنو ثقیف قبائل کے علاوہ ہر جگہ بغاوت کے آثار نظر آ رہے تھے۔ شمال کی طرف جہاں حضرت اسامہ بن زیدؓ کا لشکر بھیجا گیا، اس راستے پر قضاعہ قبیلہ کے لوگ بھی باغی ہو چکے تھے اور جو چھوٹے چھوٹے قبائل اگر باغی نہ ہوئے تھے تو وفادار بھی نہ تھے لیکن جیسے ہی ان قبائل نے حضرت اسامہؓ کے لشکر کو دیکھا وہ تتر بتر ہو گئے۔ ایسے قبائل میں سے اکثر نے دو مہینہ الجندل میں جا کر پناہ لی یا ستر پسند جگہ جگہ اکٹھے ہو جاتے تھے۔ لیکن حضرت اسامہؓ اپنے مشن پر رواں دواں رہے اور جناب صدیق اکبرؓ مدینہ شریف کے گرد و نواح کے باغی قبائل کے ساتھ از خود کسی بڑی جھڑپ کے لئے اس وقت تک تیار نہ ہوئے جب تک حضرت اسامہؓ واپس نہ آ گئے۔

قبائل کا زکوٰۃ دینے سے انکار

جناب صدیق اکبرؓ نے البتہ حفظ مآل مقدم کے طور پر مدینہ شریف کے دفاع کو اول مضبوط بنایا اور جگہ جگہ قاصد بھیجے کہ باغی قبائل کے درمیان سے وفادار لوگ اپنے ساتھیوں سمیت مدینہ آجائیں۔ قبیلہ طے سے جناب عدی بن حاتمؓ اور کئی چھوٹے قبائل سے جناب صفوانؓ اور جناب البرقانؓ وغیرہ کچھ دستوں کو لے کر مدینہ پہنچ گئے۔ نقشہ اول کا غور سے مطالعہ کرنے کے بعد آپ پر ظاہر ہو گا کہ باغی قبائل کا زیادہ تعلق اس علاقہ سے تھا جو مدینہ شریف سے شمال اور شمال مشرق و مغرب کی طرف ہے اور سرزمین عرب کا یہ وسطی علاقہ بھی ہے، لیکن باغیوں کی بڑی بڑی جمعیتیں زیادہ تر نقرہ، ابرق اور بزوخا میں تھیں۔ یہ جگہیں نقشہ اول میں بھی ہیں لیکن ان کے محل وقوع کو بہتر طور پر سمجھنے کے لئے نقشہ دوم سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ ان باغیوں کے علاوہ مدینہ شریف کے نزدیک کے چھوٹے قبائل خاص کر ثعلبہ بن سعد بن واسد، مرہ اور حبیبی

لے ان سب قبائل کی مسلمانوں کے ساتھ جھڑپوں کا ذکر جلال مصطفیٰؐ کے ضمیر میں تفصیل سے موجود ہے کہ حضور پاکؐ نے کیسے ان کے خلاف حربی کارروائیاں کی تھیں۔

کے کچھ لوگ ذوقِ قصہ میں بھی اکٹھے ہو گئے۔ طلحہ نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے بھائی
حبال کو بھی اپنے قبائل کے ایک دستہ کے ساتھ ان شہرِ پسند قبائل کی طرف بھیج دیا، جس نے
آ کر ان قبائل کی عارضی سپہ سالاری بھی سنبھال لی۔

چنانچہ ان قبائل نے اپنے کچھ لوگوں کو وفد کی صورت میں مدینہ شریف بھیجا بمقصدِ حازہ
کو قریب سے دیکھنے کا بھی تھا۔ مسلمانوں نے اس وفد کی حسبِ دستور مہمانداری کی، لیکن ان
لوگوں کے خیالات اور ارادوں میں تبدیلی آ چکی تھی۔ کہنے لگے کہ وہ نماز ضرور پڑھیں گے، لیکن
زکوٰۃ دینے کے لئے تیار نہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ وہ اس سلسلہ میں ایک لفظ بھی سننا
پسند نہ کریں گے اور زکوٰۃ کی رقم کا پیسہ پیسہ وصول کریں گے۔

تبصرہ

اب اسلام اگر جدید طرز کا جمہوری نظام ہوتا تو فیصلہ ہو جاتا کہ زکوٰۃ کا معاملہ ختم ہے، کیونکہ
اکثریت نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے۔ لیکن اسلام میں اللہ کی اطاعت ضروری ہے، اور
اولی الامر کو اس سلسلہ میں اللہ کے احکام کی پیروی کرنی ہوتی ہے۔

قبائل کا ردِ عمل

بہر حال اہلِ وفد حیران تھے کہ مدینہ شریف میں ان کو جنگجو لوگ کم ہی نظر آ رہے تھے اور یہ چیز
ان کی سمجھ سے باہر تھی کہ حضرت ابو بکرؓ کس بل بوتے پر یہ فیصلہ کر رہے ہیں۔ اس چیز کی سمجھ ان کو بعد میں
آئی جب وہ اسلام میں دوبارہ داخل ہوئے اور انہوں نے دیکھا کہ ہاں اسلام دینِ فطرت ہے اور یہاں
پر عقیدہ کی حفاظت کے لئے غیرت کی موت یا شہادت کو زندگی پر ترجیح دی جاتی ہے اور مسلمان
گیدڑ کی زندگی کی بجائے شیر کی موت مرنا پسند کرتے ہیں۔

باغی قبائل کی مدینہ شریف کی طرف پیش قدمی

بہر حال اس وقت مختلف وفدوں کے لوگوں نے واپس جا کر اپنے قبائل کو بتایا کہ مدینہ شریف کی

حالت کمزور رہے اور حملہ کے لئے بہترین وقت آ گیا تھا۔ اس لئے انہوں نے ذوقِ قصہ سے ذوحسی کی طرف پیش قدمی کی۔ یہ دونوں شہراب وہاں موجود نہیں۔ ان کا مدینہ شریف سے فاصلہ کوئی بیس پچیس میل تھا لیکن صحیح طور پر یہ کہنا کہ یہ لوگ مدینہ شریف کے کتنے نزدیک پہنچ گئے، کافی مشکل ہے۔ بہر حال جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہما باخبر تھے اور مدینہ شریف بھی اس طرح خالی نہ تھا جس طرح وفد کے لوگوں نے سمجھ لیا۔ یا جن مبصروں کو حضرت اسامہ کے لشکر والی حکمتِ عملی صحیح نظر نہیں آئی تھی۔

واقعات ظاہر کریں گے کہ ان کا تبصرہ جلد بازی کا نتیجہ ہے۔ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہما نے مدینہ شریف کا انفعالی دفاع بھی نہ کیا بلکہ حضور پاک سے سیکھے ہوئے طریقہ کے مطابق آپ نے متحرک دفاع اختیار کیا۔ مجاہدین کو تین چھوٹے چھوٹے دستوں میں تقسیم کیا اور ان کی کمان عشرہ مبشرہ سے جناب علی رضی اللہ عنہ، جناب زبیر رضی اللہ عنہ اور جناب طلحہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کی۔ بلکہ طبری کے مطابق ایک چوتھا لشکر بھی تیار کیا گیا جس کی کمان جناب عبداللہ بن مسعود کو سونپی گئی اور ان تمام لشکروں کو باغیوں سے دو دو ہاتھ کر کے بھگا دینے کی ذمہ داری سونپی۔ باغیوں نے اپنے لشکر کے کچھ لوگوں کو ذوحسی میں چھوڑا اور باقی لشکر کے ساتھ مدینہ شریف کی طرف پیش قدمی کی۔ مسلمان لشکر اپنی منتخب کی ہوئی زمین پر متحرک دفاع اختیار کئے ہوئے تھے اور دشمن کے حملہ کے منتظر تھے۔ دفاع میں تدبیرات کے صحیح استعمال کے لئے اصولِ انتظار کے تحت کارروائی کرنے میں بڑے سلیقے اور ہنر کی ضرورت ہوتی ہے اور مسلمان یہ سب جانتے تھے۔ کافی انتظار کے بعد بھی جب دشمن کی طرف سے کوئی حملہ نہ ہو سکا تو مسلمان سمجھ گئے کہ بھان متی کے کنبہ کے پاس، حملہ کی کوئی خاطر خواہ تجویز نہیں ہے اور جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے اجازت لینے کے بعد مسلمان دستے مرتدین پر ٹوٹ پڑے۔ مرتدین کا کافی نقصان ہوا اور ان میں بھگدڑ مچ گئی اور انہوں نے بے ترتیبی سے پسپائی اختیار کی۔

دشمن کا تعاقب

مسلمانوں کے پاس سواری کے جانور نہ تھے۔ اس لئے حضور پاک سے سیکھے ہوئے طریقے کے مطابق وہ دشمن کا تعاقب نہ کر سکے اور دشمن کی پسپائی بھی کسی تجویز کے تحت نہ تھی۔ بہر حال مسلمانوں نے کچھ بار برداری والے اونٹ اکٹھے کئے اور کچھ دستوں کو ان پر سوار کر کے دوسرے دن دشمن کی

۱۵۸۳۲۸

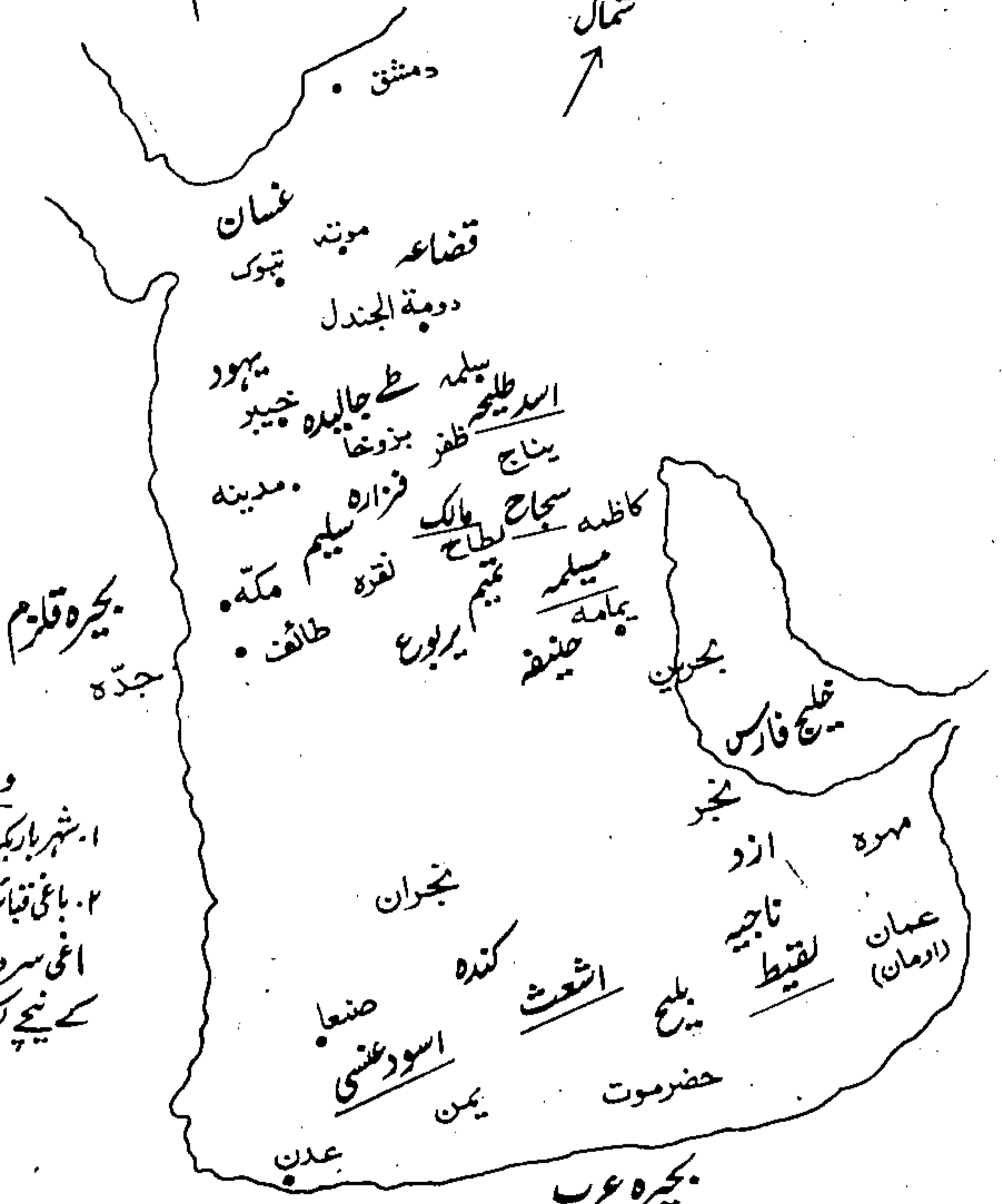
نقشہ اول

خلیفہ اول جناب صدق اکبرؓ کی خلافت

عرب کے شہروں اور باغی قبائل و سرداروں کا نقشہ

بکیرہ روم

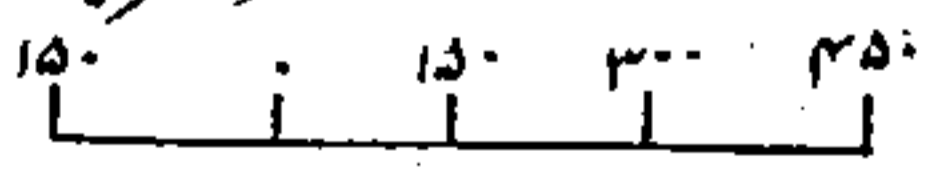
شمال



بحیرہ قلم
جدہ

وضاحت

- ۱۔ شہر باریک قلم میں
 - ۲۔ باغی قبائل موٹی قلم میں
- اغی سردار کے نام
کے نیچے لکیر۔



میل

خبر حاصل کرنے یا تعاقب کی کوشش کی مسلمانوں کے گھوڑے اور شتر، حضرت اسامہؓ کے لشکر کے ساتھ چلے گئے تھے۔ مسلمانوں کے یہ دستے جب ذوحسی کے قریب پہنچے، تو مرتدین نے اونٹوں کے پاؤں میں پانی کے کپے ڈال دیئے۔ یہ کپے رسیوں سے باندھے ہوئے تھے اور اچانک ان کو کھینچ کر اونٹ کے پاؤں پر پھینک دیا جاتا تھا۔ اونٹ لڑائی والے نہ تھے۔ وہ ڈر گئے اور شتر بے مہار ہو گئے اور اپنے سواروں کو لے کر مدینہ شریف پہنچ گئے اور وہاں بڑی مشکل کے ساتھ ان کو روکا گیا۔ اس چال اور داؤ سے دشمن بہت خوش ہوا اور اس نے سمجھا کہ مسلمان دستوں کو شکست ہو گئی ہے، حالانکہ یہ دیکھ بھال یا تعاقب والے دستے تھے۔ مسلمانوں کا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ان کو پتہ چل گیا کہ ان کی حرکت محدود ہو گئی تھی اور ان کے لئے بہتر یہ ہو گا کہ وہ مدینہ شریف کا دفاع محدود، متحرک طریقہ سے کریں۔ یعنی نزدیک سے کریں

مرتدین کی مدینہ شریف پر دوسری بلغار

مسلمانوں نے مدینہ شریف کا دفاع اب بہتر طریقہ سے اپنایا۔ وفادار قبائل سے کچھ اور کمک بھی پہنچ گئی تھی، جن میں حضرت عدیؓ، ان کے ساتھی اور بنو تیمم کے حضرت قعقاعؓ اور بنو اسد کے حضرت صرارؓ وغیرہ اسلام پر قائم تھے اور آگے چل کر یہ لوگ اسلام کے عظیم مجاہدین کے طور پر ہماری تاریخ کے درخشندہ ستارے بن کر چمکے۔ بہر حال اس امداد کی وجہ سے جناب صدیق اکبرؓ نے مدینہ کا ایک بیرونی دفاع تیار کیا، اور کچھ صحابہؓ، عورتوں اور بچوں کو اندرونی دفاع یعنی خندق کے ذریعہ دیکھ بھال کرنے اور چوکنا رہنے پر مامور کیا۔ مدینہ کے بیرونی دفاع کے لئے خلیفہ اول خود درمیان میں تھے۔ مرتدین نے ذوحسی سے آگے بڑھ کر پھر مدینہ کی طرف پیش قدمی کی۔ اونٹوں کو بھگا دینے کے بعد وہ خوشی میں ذوحسی سے چل تو پڑے، لیکن مدینہ کے باہر آ کر رک گئے۔ مسلمانوں کا لشکر مدینہ کے باہر موجود تھا۔ رات کے اندھیرے میں خلیفہ اول نے صف آرائی کی۔ نعمان بن مقرنؓ میمنہ پر، خلیفہ اول درمیان میں، عبداللہ بن مقرنؓ میسرہ پر اور سوید بن مقرنؓ عقب میں ریزرو تھے۔ یہ صف آرائی کچھ اس قسم کی تھی جس طرح آجکل بھی ہم رات کے حملہ کے لئے کرتے ہیں اور اس صف آرائی کے ساتھ

مسلمانوں نے سحری کے وقت مرتدین پر شیخوں مارا۔ دشمن جو یلغار کے لئے آیا تھا، خود یلغار کا شکار ہو گیا۔ اور مسلمانوں نے سوتے ہوئے دشمن کو مولیٰ گاجر کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ جب کچھ روشنی ہوئی، تو دشمن کی لاشیں بھینس یا بے ترتیبی میں دشمن بھاگ رہا تھا۔

تبصرہ

یہاں پر دو نکتوں کی وضاحت ضروری ہے۔ حضرت مقرنؓ انصاری تھے اور ان کا نام عبید تھا۔ جنگ بدر میں چار قیدیوں کو جوڑی جوڑی باندھنے کی وجہ سے مقرنؓ کا نام پڑ گیا۔ آپ کے دس بیٹے تھے اور سب اسلام کی بڑی خدمت کی اور بڑے بلند مقامات پر پہنچے۔ ہماری اس کتاب میں اکثر اس عظیم باپ کے عظیم فرزندوں کے نام جگہ جگہ آئیں گے۔ اس لئے پہلے سے تعارف ضروری ہے۔ دوسرا پہلورات کے حملہ کا ہے۔ دنیا کی عسکری تاریخ میں رات کے حملے کا ذکر کہیں مشکل سے ملتا ہے۔ مشہور جنگی ماہر کلا سوٹز رات کے حملہ کے بارے میں خاموش ہے۔ انگریز تو رات کے وقت دشمن کے علاقہ میں حرکت بھی نہ کرتے تھے۔ ہمارے موجودہ صوبہ سرحد کے علاقہ میں رات کو کسی دوسری پکٹ کو ملک تک نہ بھیجتے تھے۔ ۱۹۰۸ء میں پہلی دفعہ مچنی کے قلعہ سے آگے کسی پکٹ پر ایسی کارروائی پہلی دفعہ کی گئی اور انگریزوں کی اس خطہ کی عسکری تاریخ میں یہ یادگار دن ہے لیکن مسلمان ایسی کارروائی آج سے چودہ سو سال پہلے کر رہے تھے۔

دشمن کا تعاقب

اس دفعہ مسلمان تعاقب کرنے کے لئے بہتر حالت میں تھے۔ دشمن کا کافی نقصان ہوا تھا۔ وقت موزوں تھا۔ سارا دن اس کام پر صرف ہو سکتا تھا۔ صدیق اکبرؓ نے تعاقب کرنے کے لئے خود دستوں کی کمان سنبھالی اور سارے راستے دشمن کو سنبھلتے نہ دیا۔ چنانچہ دوسرے دن مرتدین کو ذوقصہ میں جالیا۔ وہاں پر وہ کوئی منظم مقابلہ نہ کر سکے۔ ان کی صفوں میں ابتری آچکی تھی اور مسلمانوں کی یلغار کی تاب نہ لا کر ذوقصہ سے بھی بھاگ گئے۔ حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ نے ان کا کئی میل تک تعاقب کیا۔ ذوقصہ پر قبضہ ہو جانے کے بعد صدیق اکبرؓ نے حضرت نعمان بن مقرنؓ کو ایک

رستہ کے ساتھ وہاں متعین کر دیا اور خود باقی لشکر کے ساتھ مدینہ شریف واپس آگئے۔

حضرت اسامہ بن زید کی واپسی

اس واقعہ سے صرف دو دن بعد حضرت اسامہ تقریباً دو ماہ کے سفر اور حربی مظاہرے کے بعد اپنے لشکر کے ساتھ واپس آگئے۔ یعنی جمادی الاول کے درمیان میں واپس آئے۔ قبیلہ قضاعہ کی سرکوبی اور ان کو تتر بتر کیا جا چکا تھا۔ اس کے بعد حضرت اسامہ بتوک دو مہینہ الجندل موتہ اور وادی بلیقا میں دور دور تک گئے۔ حضرت اسامہ نے کوئی بڑی جنگ نہ لڑی۔ البتہ بنو کلب اور بنو غسان کے ساتھ کئی چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہوئیں۔ یہ قبائل جنگ موتہ کے وقت مسلمانوں کو نقصان پہنچا چکے تھے۔ اس مہم میں حضرت اسامہ نے ان کا کافی نقصان کیا۔ مال غنیمت بھی حاصل ہوا۔ اور مسلمانوں کا رعب دور دور تک بیٹھ گیا۔ اور اس طرح شمال کی طرف سے مسلمانوں کے لئے خطرات کم ہو گئے۔ اور جن جن قبائل کے علاقوں سے مسلمان لشکر گزرا وہ بھی اس حربی مظاہرے سے دب گئے۔ اگر کھوڑی دیر کے لئے یہ بات بھول بھی جائیں کہ حضور پاک کا حکم ماننا ہی بہت بڑی حکمت عملی ہوتی ہے اور صرف عقلی اور دنیاوی پیمانوں سے اس مہم کا تجزیہ کیا جائے تو اس مہم کو حکمت عملی کا ایک شاہکار کہہ سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں چند نکتے حسب ذیل ہیں:-

۱۔ مدینہ شریف کسی بڑے خطرے سے دوچار نہ تھا۔ قبائل کے گروہ بھان منی کے کنبہ کی طرح تھے۔ وہ کوئی خاص فوجی کارروائی کرنے کے قابل نہ تھے۔ واقعات اس تجزیہ کے ثبوت میں جاتے ہیں۔

۲۔ اس قسم کے حربی مظاہرے سے غسانی اور دوسرے عیسائی قبائل پر مسلمانوں کا رعب بیٹھ گیا۔ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سال، ڈیڑھ سال کے بعد جو شام و فلسطین کو فتح کرنے کی حکمت عملی بنائی اس کی بنیاد حضرت اسامہ کے لشکر نے رکھ دی تھی۔ اور دوسرے مرحلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ عاص، حضرت خالد بن سعید اور حضرت شرجیل بن حسنہ کی کارروائیاں اس سلسلہ کی کڑیاں تھیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔ بہر حال حضرت اسامہ کی مہم کی وجہ سے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ شمال کی طرف سے بے فکر ہو کر دیگر حکمت عملیوں کا تعین کرتے رہے۔

۳۔ نقشہ اول کا مطالعہ ظاہر کرنے گا کہ مرتدین کا زیادہ زور مدینہ کے شمال یا وسطی عرب میں تھا۔ ویسے تو بغاوت، بحرن اومان اور یمن کے متعدد علاقوں اور حضرموت وغیرہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ ان حالات میں جب حضرت اسامہؓ کے لشکر کے حربی مظاہرہ سے جو کامیابی ہوئی، تو اس سے نہ صرف وسطی عرب کی بغاوت ختم کرنے میں جلد کارروائی ہو سکی۔ بلکہ مشرق میں پیش قدمی کر کے پیامہ کو بھی کفر سے پاک کر دیا گیا۔ اور بے فکر ہو کر پیامہ کے محاذ سے آگے بڑھ کر مسلمانوں نے اسلام کے پرچم کو عرب کی سرحدوں سے باہر، پہلے عراق اور پھر ایران کی طرف پیش قدمی کر کے لہرا دیا۔

۴۔ خلفاء راشدین کی کتاب کے اس پہلے حصہ میں ہمارا موضوع بھی فتوحات ایران و عراق ہے اور اس کے لئے جو حکمت عملی بنائی گئی اس کا جائزہ پیش کرنا ہے۔ اور شام و فلسطین کی فتوحات کو حصہ دوم میں۔ اول حضرت اسامہؓ اور دوم خلیفہ اول کی باقی حکمت عملی کے واقعات مل کر پیش کریں گے۔ آگے ضروری مقامات پر اس بارے میں اشارے موجود ہوں گے۔ جناب صدیق اکبرؓ کی ساری حکمت عملی کو سمجھنے کے لئے اُس زمانے کے بین الاقوامی حالات کو بھی سمجھنا ضروری ہے۔ جناب صدیق اکبرؓ نے سب سے پہلے عراق کے محاذ کو کیوں چننا اور اس میں کیا راز تھا؟ ان سب باتوں کا مطالعہ ضروری ہے۔

۱:- اول عراق کے لوگ ایرانیوں کے محکوم تھے اس لئے وہاں پر مسلمانوں کی کامیابی کی جلدی امید تھی اور ایسے ہی ہوا۔

ب:- دوم ایران کی بادشاہت میں کچھ کمزوریاں آرہی تھیں، اُن سے فائدہ اٹھانا تھا۔ بلکہ وہاں پر حضورؐ پاک کے زمانے میں ایک عورت حکمران بن گئی اور ایک سے زیادہ عورتیں تخت پر براجمان ہو چکی تھیں۔ حضورؐ پاک فرما گئے تھے کہ جن ملکوں میں مردوں کی جگہ، حکومت عورتوں کے ہاتھوں میں چلی جائے، تو وہاں معاملات خراب صورت اختیار کر سکتے ہیں۔

ج:- سوم ایران کی بادشاہت کو ایشیا میں وسعت تو کافی تھی، لیکن روم کے مقابلہ میں جغرافیائی سیاسی یعنی جیوپولٹیکل حیثیت سے کچھ کم تر تھی۔

د:- ان تمام باتوں کو سوچتے ہوئے جناب صدیق اکبرؓ، جو حضورؐ پاک کے ہمراز تھے، اُن کو

ضرور معلوم ہوگا کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے۔ چنانچہ ان کی حکمتِ عملی میں عراق و ایران کی فتح کو ترجیح حاصل تھی۔ اس لئے حضرت اسامہؓ کی مہم اصل کارروائی سے پہلے ایک

”انحرافی“ کارروائی کا مظاہرہ بھی تھی۔

س :- صحابہ کرامؓ کی شان کو ہم لوگ نہیں سمجھ سکتے۔ وہ کیا جانتے تھے یا کیا کچھ کر سکتے تھے، اس بارے میں یہ نکتہ یاد رکھیں کہ سرکارِ دو عالمؐ کی رفاقت اور نگاہ نے ان کو وہاں پہنچا دیا تھا، جس کا تصور کرنا ہم گنہ گاروں کی بس کی بات نہیں۔

ذاتی مثال

حضرت اسامہؓ کے لشکر کے واپس مدینہ شریف پہنچ جانے پر جناب صدیق اکبرؓ کو کافی اطمینان حاصل ہو گیا تھا اور جناب اسامہؓ کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا اور ان کے لشکر کو آرام کی تاکید کی۔ اور باقی جو لوگ مدینہ میں موجود تھے، ان میں سے ایک لشکر تیار کیا۔ سواری والے جانور حضرت اسامہؓ کے لشکر سے لیے اور مسلمانوں کو آگاہ کیا کہ مرتدین کے قلع قمع اور ان پر بھرپور وار کرنے کے لئے وہ خود اس لشکر کی کمان کریں گے۔ ظاہر ہے کہ اس لشکر میں عظیم صحابہ جناب عمرؓ، جناب عثمانؓ، جناب علیؓ، جناب عبدالرحمنؓ، جناب طلحہؓ، جناب زبیرؓ، جناب سعدؓ اور جناب ابو عبیدہؓ وغیرہ سب شامل ہوں گے۔ اور گونا گویا بیخ دان اس سلسلہ میں لشکر کی تعداد اور فوج کے ناموروں کے ناموں کا ذکر نہیں کرتے، شاید ان میں سے کچھ صحابہؓ حضرت اسامہؓ کے لشکر کے ساتھ گئے ہوں۔ لیکن حضرت اسامہؓ کو نائب بنانا اور پھر صرف ان کے ساتھیوں کو آرام کی تاکید کرنا، ظاہر کرتا ہے کہ جو لوگ مدینہ میں رہ گئے تھے وہ اس لشکر میں ضرور شامل ہوں گے۔ بہر حال روایت ہے کہ کچھ صحابہؓ نے عرض کی کہ خلیفہ کی بجائے کسی اور صاحب کی سپہ سالاری میں یہ کام انجام پائے۔ لیکن صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ یہ بسم اللہ ان کو خود کرنا ہوگی۔ اس حکمتِ عملی میں یہ راز پہنچا ہوا تھا کہ آگے چل کر خلیفہ وقت پر کام کا زیادہ بوجھ پڑنے والا تھا اور مدینہ شریف کو ایک مستقر کے علاوہ، اب ایک مرکز یعنی ایک BASE بھی بن جانا تھا۔ اور شاید اس کے بعد خلیفہ بنفس نفیس لشکر کی کمان نہ کر سکیں۔ باقی مسلمانوں کو بھی دن

رات ایک کر کے جہاد میں مصروف ہو جانا تھا، اس لئے یہ ذاتی مثال ضروری تھی۔ کیونکہ اسلام کی رو سے ایک لیڈر کو نہ صرف وہی کرنا پڑتا ہے جو اس کے ماتحت کو کرنا ہوتا ہے بلکہ اس کو چند قدم آگے بھی رہنا پڑتا ہے۔

اس سے پہلے جب لشکرِ اسلام نے مرتدین کو مدینہ شریف کے نزدیک شکست دی تھی تو اس کے اثرات کے طور پر مدینہ شریف کے گرد و نواح میں تو کافی مرتدین واپس اسلام میں داخل ہو گئے تھے، لیکن شمال میں ابرق تک کے علاقہ کو مرتدین سے جلد خالی کرنا ضروری تھا، تاکہ وفادار مسلمان یا تو آسانی سے مدینہ شریف میں آسکیں یا جہاں کہیں وہ مرتدین کے اندر گھرے ہوئے تھے، ان کو وہاں سے نکالا جائے۔ گو پہلے ان تمام علاقوں پر صرف بنو ثعلبہ کا غلبہ تھا، لیکن بعد میں بنی ذبیان اور بنی عبس وغیرہ نے بھی ان علاقوں پر اپنا تسلط جمایا۔

لشکرِ اسلام کی فتح

چنانچہ جمادی الثانی میں جناب صدیق اکبرؓ اپنے لشکر کے ساتھ پہلے ذوقصہ پہنچے، جہاں نعمان بن مقرنؓ پہلے سے موجود تھے۔ حضرت نعمانؓ فاتح نہاد و ند بھی ہیں اور کتاب کے آخری حصہ میں تو ان کے ذکر سے ہمارا خون ضرور گرم ہو جائے گا۔ لیکن باقی جنگوں میں بھی آپ اکثر ہمارے ساتھ رہیں گے جنگِ احد میں آپ ان تین لڑکوں میں شامل تھے جن کو جنگ میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی بہر حال جناب صدیق اکبرؓ نے ذوقصہ پہنچ کر حضرت نعمانؓ اور آپ کے مہائیوں کو لشکر کی کمان کا وہی شرف عطا کیا، جو تینوں عظیم مہائیوں نے مرتدین پر سحری کے وقت حملہ میں حاصل کیا تھا۔ اور اس ترتیب سے جناب صدیق اکبرؓ ابرق پہنچ گئے اور اس کے مرتدین صف بندی کر کے جنگ کے لئے تیار تھے۔ مورخین نے لشکروں کی تعداد کی مکمل وضاحت مہنہ کی، سولے اس کے کہ مرتدین کو برتری حاصل تھی۔ اور بہتر تدبیرات اور جذبہ جہاد کی وجہ سے مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی مرتدین کے سردار حارث اور عوف بھاگ گئے اور سمیرہ میں جا کر طلیحہ کے ساتھ مل گئے۔ حطیبہ زندہ گرفتار ہوا۔ اور نزدیک کے قبائل نے توبہ کر لی۔ یہ لوگ نہ صرف واپس اسلام میں داخل ہو گئے اور زکوٰۃ ادا کر دی بلکہ اسلامی لشکر کی مہانداری کی اور مخالف بھی پیش کئے۔ یہ ایک

بہت بڑی فتح تھی۔ جناب صدیق اکبرؓ نے وفادار مسلمانوں کو اس علاقہ میں اکٹھا کیا اور علاقہ کا بندوبست ان کے سپرد کر دیا اور خود جلدی واپس مدینہ تشریف لے آئے۔ یہاں پر صرف چند دن قیام کر کے حکومت کے دیگر معاملات سلجھائے جناب صدیق اکبرؓ کی اس پیش قدمی اور حربی مظاہرہ کو نقشہ روم پر دکھایا گیا ہے)

اسلامی فوج کھلی فضاؤں میں

مدینہ شریف میں جناب صدیق اکبرؓ نے تمام مجاہدین کو اکٹھا کیا جن میں حضرت اسامہؓ کے لشکر کے مجاہد، اردگرد سے آئے ہوئے مجاہد اور دوسرے لشکر جن کا ذکر ہو چکا ہے ان کے مجاہد، سب کو شامل کیا اور جمادی الثانی ہی کے مہینہ میں ذوقصہ کا رخ کیا۔ وہاں مجاہدین کی کھلی فضاؤں میں تنظیم کی، ان کو ترتیب دی اور آنے والے زمانے کے لئے اپنی حکمت عملی کی چیدہ چیدہ باتوں سے مجاہدین کو آگاہ کیا۔ آپؓ نے اسلامی لشکر کو گیارہ حصوں میں تقسیم کیا، ان پر امیر مقرر فرمائے اور انہیں نشان اور علم عطا فرمائے اور ان کے امیروں کو آئندہ کے لئے ذمہ داری سونپی۔ یہ کہنا تو صحیح نہ ہو گا کہ گیارہ کے گیارہ لشکر اسی ایک دن تیار ہو گئے، لیکن بعد کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ کچھ لشکر کسی حد تک مکمل تھے۔ کچھ آدھے تھے اور کچھ کے ڈھانچے تھے، کہ بعد میں نفری پوری کر دی جائے گی۔ احکام زبانی تھے لیکن اس طرح تھے جس طرح آجکل ہم جنرل ہیڈ کوارٹر سے کوئی احکام یا اوپریشنل آرڈر جاری کرتے ہیں۔ ایسے احکام کو مدینہ شریف سے جاری کرنے کی بجائے آپؓ نے ذوقصہ کی فضاؤں کو منتخب کیا کہ ”نیلے تنبو“ کے نیچے رہ کر معاملات کی جو سوجھ بوجھ حاصل ہوتی ہے وہ ایئر کنڈیشنڈ کمروں میں حاصل نہیں ہو سکتی۔ جناب صدیق اکبرؓ اس فوج کو سرگرم عمل رہنے کا سبق دے رہے تھے، جن کی بنیاد حضورؐ پاک رکھ گئے تھے۔ اور اب ان لوگوں نے دنیا فتح کرنی تھی اور اس کے لئے بیابان اور کھلی فضاؤں کی تربیت زیادہ بہتر ہوتی ہے۔

(اقبال)

اے شیخ بہت اچھی مکتب کی فضا لیکن

بنتی ہے بیابان میں فاروقیؓ و سلمانیؓ

شکر اور ذمہ داریاں

شکروں کو جو ذمہ داریاں سونپی گئیں انکو نقشہ اول اور دوم سے بھی سمجھا جاسکتا ہے۔ لیکن تمام تر شکروں کی ذمہ داریوں کو کسی ایک نقشے پر واضح کرنا مشکل تھا۔ پھر یہ بھی مناسب سمجھا کہ ذمہ داری اور کارروائی کے لئے الگ الگ نقشے بنائے جائیں۔ ذمہ داریوں میں تبدیلیاں بھی ہوں چنانچہ نقشہ سوم میں پہلے پانچ شکروں کی کارروائی دکھائی گئی ہے اور نقشہ چہارم میں اگلے پانچ کی۔ گیارھواں شکر ریزرو ہی رہا۔ شکروں کو ہدایات مکمل طور پر دی گئیں جن کی تفصیل بعد میں ہر شکر کے ذکر کے ساتھ آئے گی۔ بلکہ خلیفہ وقت نے اپنی نجا ویز اور نتائج کو جسے ہم FORECAST اور جی OPS کہتے ہیں وہ بھی بتا دیئے اور پھر اپنی پوری کارروائی کو واضح کیا۔ اوقات مقرر فرمائے اور جگہ حکمتِ عملی کو واضح طور پر بیان کیا۔ ہم یہاں اختصار کے ساتھ شکروں کی ذمہ داریوں کا ذکر کر رہے ہیں۔ باقی پہلو آگے خود عیاں ہو جائیں گے۔ مختصر ذمہ داریاں حسب ذیل تھیں:-

۱۔ حضرت خالد بن ولید:- اول بزوغا میں طلحہ کا قلع قمع پھر بطحا میں مالک بن نویرہ کا خاتمہ اس کے بعد اگلے احکام کے لئے تیار رہنا۔ جو دراصل مسلمہ کذاب کی سرکوبی تھی۔

۲۔ حضرت عکرمہ بن ابو جہل:- یمامہ کے نواح میں پہنچ کر مسلمہ کذاب پر نظر رکھنا۔ لیکن جب تک زیادہ فوج اکٹھی نہ ہو جائے اور مدینہ شریف سے احکام نہ ملیں تو کسی بڑی لڑائی سے گریز کرنا۔ ظاہر ہے خلیفہ اولؓ، خالدؓ کی فتوحات کے منتظر تھے اور یہ کھٹن کام خالدؓ اور بڑی قوت سے کرنا چاہتے تھے۔ حضرت عکرمہؓ کا کام مسلمہ کذاب کو محدود کرنا تھا تاکہ وہ کسی اور کی مدد نہ کر سکے اور نہ کسی سے مدد لے سکے۔

۳۔ حضرت شرجیل بن حصہ، حضرت عکرمہؓ کے پیچھے ریزرو کا کام کریں اور خلیفہ کے احکام کا انتظار کریں۔ دراصل یہ لشکر بھی بعد میں حضرت خالدؓ کے لشکر کا حصہ ہو گیا۔ تینوں شکروں نے مل کر مسلمہ کے خلاف کارروائی کرنا تھی کہ وہ بڑا خطرناک دشمن تھا

۴۔ حضرت عمرو بن عاص:- پہلے بنوقضاء کے علاقے میں جا کر حربی مظاہرے کریں کہ وہ لوگ حضرت اسامہؓ کو دیکھ کر تتر بتر ہو گئے تھے اور ان کی واپسی کے بعد پھر اکٹھے ہو رہے

تھے۔ اس کے بعد قضاء کے علاقوں سے نکل کر دومتہ الجندل کے علاقوں تک حربی مظاہرے جاری رکھے جائیں گے۔

۵. حضرت خالد بن سعید :- شام و فلسطین کی سرحدوں کے ساتھ کے علاقہ کے قبائل کی سرکوبی اور وہاں مظاہرے (چوتھے اور پانچویں لشکر نے دراصل اہل روم پر نظر رکھنا تھی) اس حکمتِ عملی کا پہلا مرحلہ حضرت اسامہ کا لشکر تھا۔ یہ کارروائی کا دوسرا مرحلہ تھا، اور تیسرا مرحلہ دوسری کتاب میں بیان کیا جائے گا۔

۶. حضرت طریفہ بن حاجر :- مکہ مکرمہ اور مدینہ شریف کے درمیان کے علاقوں میں بنو سلیم اور بنو ہوازن کے مرتدین کا مزاج درست کرنا۔

۷. حضرت حذیفہ بن محسن :- علاقہ اومان یا عمان کے باغی قبائل کی سرکوبی کرنا۔

۸. حضرت عرفجہ بن ہرثمہ :- علاقہ مہرہ میں باغیوں کی سرکوبی (نمبر شمار ۷ اور ۸ کے علاقے ساتھ ساتھ تھے۔ حکم دیا گیا کہ اکٹھا ہو جانے کی صورت میں جس کا علاقہ ہوگا، وہی سپہ سالار اعظم بن جائے گا)۔

۹. حضرت مہاجر بن امیہ :- آپ کو یمن اور خاص کر کندہ اور حضرموت کے علاقے میں مامور کیا گیا۔ دراصل آپ بھی نمبر شمار ۷ اور ۸ کے نزدیک تھے اور یہ لشکر بعد میں اکٹھے بھی ہو گئے۔

۱۰. حضرت علاء بن الحضرمی :- آپ کو آپ کے پرانے علاقے بحرین میں ہی مامور فرمایا۔

۱۱. حضرت سوید بن مقرن :- آپ یمن اور مکہ مکرمہ کے راستوں والے علاقہ کے ذمہ دار تھے۔ لیکن آپ کو زیادہ تر ریزرو ہی میں رہنا پڑا۔

خلیفہ اول کی حکمتِ عملی کا جائزہ

خلیفہ اول نے لشکروں کو جو ذمہ داریاں سونپیں، ان میں سے صرف نمبر شمار ۴ اور ۵ میں حضرت عمرو بن عاص اور حضرت خالد بن سعید کا رخ، شام و فلسطین کی طرف تھا۔ باقی تمام لشکروں کا رخ یا کام ایسا تھا کہ اپنی کارروائی کو ختم کرنے کے بعد، وہ آسانی کے ساتھ کاظم

کی طرف سے نچلے عراق پر یلغار کر سکتے تھے۔ کچھ مورخین کا خیال ہے کہ جناب صدیق اکبرؓ دومتہ الجندل کے راستے عراق پر اوپر یعنی شمال سے بھی حملہ کرنا چاہتے تھے، اور اس کا آگے بھی ذکر آئے گا۔ لیکن ایسی مہم کچھ زیادہ کامیاب نہ ہوتی۔ اس میں شک نہیں کہ پہلے مرحلہ میں مسلمان دریائے فرات کو پار نہیں کرنا چاہتے تھے اور ان کا مقصد حیرہ تھا۔ آگے چل کر اس پہلو کی کھل کر وضاحت کی گئی ہے۔ لیکن اس کے لئے بہترین طریقہ وہی تھا جو خلیفہ اول نے اختیار کیا۔ اسی دوران جناب صدیق اکبرؓ مدینہ شریف میں کئی اور مجاہدین کو تربیت دے رہے تھے۔ جناب ابو عبیدہؓ بن جراح اور زید بن ابوسفیانؓ کے ماتحت فتوحاتِ شام کی بھی تیاریاں ہو رہی تھیں جن کا ذکر دوسری کتاب میں ہوگا۔ اس حکمتِ عملی کا انحصار اس پر تھا، کہ عراق میں حیرہ تک کے علاقوں پر قبضہ کرنے میں کتنی کامیابی اور کب تک یہ کامیابی ہوتی ہے۔ اور اس کے بعد شام و فلسطین کی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوتا تھا۔ آگے چل کر حیرہ کی فتوحات کے بعد دونوں محاذوں کی حکمتِ عملیوں کے تانے بانے ملا کر تمام حالاتِ قارئین کی خدمت میں پیش کئے جائیں گے کہ مسلمانوں نے اس طرح آسانی کے ساتھ دنیا کو فتح نہ کر لیا تھا۔ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ ہمارے مورخین میں سے اکثر نے اور خاص کر بعد کے زمانے کے مورخین نے تمام تر جنگی کارروائیوں کو الف لیلیٰ کی کہانیوں کے طور پر پیش کیا۔ زیادہ تر میمنہ، میسرہ، جیش المقدم اور عقب کا ذکر اس طرح کیا کہ نذیراتِ ساری کی ساری پوری ہو گئیں، اور اہلِ قلم بھی "سرخرد" ہو گئے۔ حقیقت بڑی گہری ہوتی ہے اس کو کھودنا پڑتا ہے۔ اور شاید ہم اس کو کرید بھی نہ سکیں۔ یاد رکھیں کہ مسلمان با مقصد جنگ لڑتے تھے۔ لوگوں کو غاصبوں کی غلامی سے چھٹکارا دلا کر اللہ تعالیٰ کے احکام جاری کرتے ہیں، ملک نہیں فتح کرتے، لوگوں کے دلوں کو فتح کرتے ہیں۔ عیسویوں نے ہماری جنگوں کو اپنے تعصب کی وجہ سے قہر و جبر کی جنگوں کا نام دے دیا۔ یہ بہت بڑی سازش ہے۔ حقیقت کچھ اور ہے :-

یہ جبر و قہر نہیں، یہ عشق و مستی ہے۔ کہ جبر و قہر سے ممکن نہیں جہاں بنانی
(اقبال)

مرتد قبائل کے نام خط

جناب صدیق اکبرؓ نے اپنے لشکروں کو ان میں سے ہر ایک مقصود کی طرف روانہ کرنے سے پہلے تمام مرتد قبائل کو ایک ہی مضمون کے خط لکھے۔ ان خطوط میں اللہ کی حمد اور حضور پاک پر سلام بھیجنے کے بعد، اسلام کے عقائد اور فلسفہٴ حیات بیان فرمایا اور تفصیل کے ساتھ وضاحت کی کہ دین اسلام میں داخل ہونے کے بعد ان پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور یاد دلایا کہ اب ان کو اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا ہوگا۔ کیونکہ ابوبکرؓ نے اللہ کے رسولؐ کے خلیفہ کی ذمہ داریاں سنبھال لی ہیں۔ اور ادنیٰ الامر کے طور پر ان پر فرض ہے کہ اللہ کے احکام نہ صرف جاری و ساری کریں، بلکہ ان پر عمل بھی کرائیں، وغیرہ۔ آگے لکھا کہ ان کو معلوم ہوا ہے کہ کافی لوگ اسلام لائے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے بعد اس سے مرتد ہو گئے ہیں۔ ان کو یہ جسارت اس لئے ہوئی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے متعلق غلط اندازہ قائم کیا اور اس کے طریق کار سے وہ واقف نہیں۔ ظاہر ہے کہ شیطان نے ان کو ورغلا یا۔ اس کے بعد خلیفۃ الرسول نے متعدد قرآنی آیات کے حوالے سے مرتدین کو توبہ کرا کے اسلام میں واپس آنے کی ہدایات فرمائیں۔ اور لکھا کہ اگر ایسا نہ ہوا تو جنگ کے ذریعہ ان کو راہِ راست پر لایا جائے گا۔

تبصرہ

یہاں پر یہ واضح کرنا از حد ضروری ہے کہ اسلام کی رو سے حاکم وقت پر فرض ہے کہ وہ لوگوں کو اسلام پر عمل پیرا کرانے کے لئے ہر قسم کی طاقت اور تدبیر کا استعمال کرے۔ عیزوں کے فلسفے سے متاثر ہو کر ہم نے جو انفرادی آزادی کا لبادہ اوڑھ لیا ہے اور مذہب ذاتی معاملہ بنا جا رہا ہے یہ ایک بہت بڑی سازش ہے۔

لشکر کے امیروں کے نام خطوط

اسلام میں جنگ لڑنے کا ایک واضح مقصد ہے اور مرتدین کو جو خط لکھے گئے وہ بھی اس

یا مقصد جنگ کی وضاحت کے طور پر تھے کہ مسلمان اللہ کے احکامات نافذ کرنے کے لئے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں تلوار لے کر اپنے گھروں سے باہر نکلے تھے۔ یہی اسلام کا فلسفہ اور نظریہ حیات ہے۔ جنگ کسی مادی غرض یا سیاسی ضرورت یا دشمنانہ حرکت کے لئے نہیں لڑی جاتی۔ تمام مغربی مورخین، مبصرین اور ماہرین کی کتابوں کو کھنگال ڈالیں، ان جائزوں اور تبصروں کو پڑھیں، عسکری تاریخوں کا مطالعہ کریں۔ وہ لوگ جنگ کے مقاصد کو واضح نہیں کر سکے اور نہ ہی جنگ کے نتائج کو۔ یہ صرف دینِ فطرت کا خاصہ ہے کہ جنگ کے مقاصد واضح ہیں۔ چنانچہ ہر سال لشکرِ جنابِ صدیقِ اکبرؓ نے ہدایات لکھ کر بھیجیں جن کا خلاصہ یہ تھا کہ "وہ اللہ سے ڈرتے رہیں جہاں جہاں قبائل کو اسلام میں واپس آنے کی دعوت دیں۔ اگر وہ اسلام میں واپس آجائیں تو ان کو کچھ نہ کہا جائے۔ اگر اسلام میں واپس نہ آئیں تو ان سے جنگ کریں اور تب تک سرکوبی کرتے رہیں، جب تک وہ اسلام میں واپس نہیں آجاتے۔ اور جب وہ اسلام میں واپس آجائیں تو انہیں، ان فرانس سے آگاہ کیا جائے جو ایک مسلمان کو پورا کرنا ہوتے ہیں۔ اور ان پر عمل کرایا جائے۔ اس سلسلہ میں خلیفہ وقت نے متعدد تفصیلی ہدایات بھی جاری کیں، جن میں ہر پہلو پر عمل کرنے کے طریق کار کی وضاحت کی تھی۔ ہم اس تفصیل میں اس لئے نہیں جانا چاہتے کہ آگے چل کر ان ہدایات پر عمل ہی ہماری کتاب کا مضمون ہے۔ اور انہی عملی کارروائیوں کے نتائج و اسباق کو ہر باب میں خلاصہ کے طور پر بھی شامل کیا گیا ہے۔

خالد بن ولیدؓ (اللہ کی تلوارِ پیام سے باہر آگئی)

خلیفہ اول نے دشمنوں پر فتوحات حاصل کرنے کے بعد لشکرِ اسلام کو اللہ کی زمین پر ہر طرف پھیلا دیا۔ انہوں نے از خود بسم اللہ کی اور دشمن پر سخت چوٹ کرنے کے بعد اب اللہ کی تلوار کو بھی پیام سے باہر نکال لیا۔ خالدؓ کو جو کام سونپا گیا اس کی وضاحت نقشہ سوم پر ہے۔ لیکن پہلے دو مرحلوں کی کارروائی کو نقشہ دوم پر زیادہ وضاحت سے ظاہر کیا گیا ہے۔ خالدؓ نے سب سے پہلے طلیحہ کا قلع جمع کرنا تھا کہ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ لیکن خلیفہ وقت نے ہدایات دیں کہ طلیحہ کے خلاف کارروائی سے پہلے قبیلہ طے کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کرنا۔ قبیلہ طے کے

جناب عدی بن حاتم جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے وہ اپنے چند وفادار ساتھیوں سمیت لشکر اسلام میں شامل ہو گئے تھے۔

طلیحہ کی بغاوت

طلیحہ کا تعلق بنو اسد کے ساتھ تھا۔ حضرت ابوسلمہ مخزومیؓ، جناب ام المومنین ام سلمہؓ کے پہلے خاوند کے ماتحت حضور پاکؐ نے اپنے زمانے میں جن قبائل کی سرکوبی کے لئے ایک مہم بھیجی ان میں بنو اسد بھی شامل تھے۔ جنگ خندق کے وقت جن گروہوں نے مدینہ شریفہ پر حملہ کیا ان میں بھی بنو اسد شامل تھے اور یہی طلیحہ ان کا سالار تھا۔ دو سال بعد یہ سارا قبیلہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ گو یہ لوگ اس غلط فہمی میں تھے کہ وہ اسلام پر کوئی احسان کر رہے ہیں اور قرآن پاک میں جو ذکر ہے کہ ”اے اللہ کے رسولؐ آپ فرمادیکھئے کہ اپنے اسلام کا احسان مت جتاؤ بلکہ اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھو کہ اس نے تمہیں ایمان عطا فرمایا“ تو اس سلسلہ میں مفسرین کے لحاظ سے یہ آیت اسی قبیلہ کی اس غلط فہمی کے متعلق ہے۔ حضور پاکؐ نے البتہ اس قبیلہ کے ضرار بن الازورؓ کو ان پر عامل مقرر فرما دیا۔ یہ بات شاید طلیحہ کو پسند نہ تھی اور حضور پاکؐ کی بیماری کے زمانے ہی میں اس نے بغاوت کر دی تھی اور ضرارؓ کو اپنے علاقہ سے نکال دیا تھا۔ اس کے بعد باغی قبائل کی مدد کیلئے طلیحہ نے کس طرح اپنے بھائی حبال کو بھیجا، اس کا ذکر ہو چکا ہے اور قبائل کو جب مدینہ شریفہ کے گرد و نواح میں شکست ہوئی، تو طلیحہ بھی سمیرہ کے مقام پر چلا گیا۔

اسی دوران طلیحہ کو کچھ اور قبائل کی امداد ملنے امید لگ گئی۔ خاص کر بنو عطفان کے

۱۔ ان واقعات کی تفصیل کے لئے جلال مصطفیٰؐ کے صفحہ ۱۱۷، ۱۳۲، ۱۳۳ اور ۳۱۴ سے استفادہ کریں۔

۲۔ جلال مصطفیٰؐ صفحہ ۲۶۲

۳۔ حضرت ضرارؓ اسلام پر قائم رہے۔ آگے اس کتاب میں بھی اور دوسری کتاب میں بھی جناب ضرارؓ اکثر ہمارے ساتھ رہیں گے اور ان کے کارنامے پڑھ کر خون گرم ہو جاتا ہے۔

چھوٹے قبیلہ بنو فزارہ کی، جن کا سردار عینہ بن حصن سات سو جوانوں کے ساتھ طلیحہ کی امداد کو پہنچ گیا۔ اس کے علاوہ قبیلہ طے اور قبیلہ جدیلہ کی امداد بھی مل چکی تھی۔ اسی لیے حضرت خالدؓ کے ذوقِ قصہ سے روانہ ہونے سے پہلے، طلیحہ بزوہا کے مقام کی طرف کوچ کر چکا تھا۔

حضرت خالدؓ نے بزوہا کے لئے ابرق کے راستے پیش قدمی شروع کر دی۔ لیکن ابھی وہ بزوہا سے چند منزلیں دور تھے تو انہوں نے بائیں طرف رُخ کر دیا، جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ خیبر کی طرف جا رہے ہیں۔ لیکن دراصل خلیفہ وقت کی ہدایات کے مطابق وہ "اُجا" یا "اُجا" پہاڑ کے علاقے میں پہلے قبیلہ طے کے ساتھ معاملات کرنا چاہتے تھے۔ نقشہ روم کے مطالعہ سے یہ معاملات اور کھل کر سامنے آجائیں گے۔ حضرت عدیؓ بھی حضرت خالدؓ کے ساتھ تھے اور انہوں نے حضرت خالدؓ کی اجازت سے اپنے قبیلہ کے ساتھ رابطہ قائم کیا۔ حضرت خالدؓ بہت زیادہ مہلت دینے پر تیار نہ تھے۔ اور حضرت عدیؓ کو بھی پہلے رابطہ کے طور پر کچھ زیادہ کامیابی نہ ہوئی۔ وجہ یہ تھی، اور جیسا اوپر بیان کیا گیا ہے، قبیلہ طے کے کچھ لوگ طلیحہ کے لشکر میں شامل ہو چکے تھے، اور قبیلہ والے ان لوگوں کو وہاں سے نکالنا چاہتے تھے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں یہ رحمت کی۔ گو قبیلہ طے والے اپنے سارے قبیلہ والے لوگوں کو طلیحہ کے لشکر سے ایک ساتھ تو الگ نہ کر سکے، لیکن ان کے ساتھ رابطہ قائم ہو گیا اور ان لوگوں نے بزوہا کی جنگ میں طلیحہ کی کوئی مدد نہ کی۔ اور جن لوگوں کے ساتھ حضرت عدیؓ کا براہِ راست رابطہ قائم ہو گیا، وہ اسلام میں واپس آگئے اور پانچ سو سوار لشکرِ اسلام میں شامل ہو گئے۔ یہی نہیں بلکہ حضرت عدیؓ کی کوشش سے ان کا حلیف قبیلہ جدیلہ بھی اسلام کی آغوش میں واپس آ گیا، اور ایک ہزار مجاہد اس قبیلہ سے بھی لشکرِ اسلام میں شامل ہو گئے۔ حضرت خالدؓ کے لشکر کی تعداد کوئی چار ہزار کے قریب تھی۔ اب یہ تعداد بڑھ گئی۔ یہ سب کچھ خلیفہ وقت کی ہدایات اور حکمتِ عملی کے تحت ہوا۔

۱۔ جلالِ مصطفیٰؐ صفحہ ۱۳۲ اور صفحہ ۳۳۶ پر عینہ کا ذکر ہے۔

تبصرہ

مسلمان بے مقصد جنگ نہیں لڑتے۔ وہ تو باطل کو مٹا کر حق لاتے ہیں اور جو کوئی اس کا رخیہ میں ان کا ساتھ دے، وہ اسلامی معاشرے میں شامل ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں فتح کا اختتامی مقام یہ ہوتا ہے کہ فاتح اور مفتوح کے دلوں کو جوڑ دیا جائے اور ایک خاندان بنایا جائے۔ اور اللہ کے احکام کو جاری و ساری کر دیا جائے۔ اگر مفتوح اسلام کی برادری میں شرکت نہیں کرتا تو پھر بھی اسلام کی رو سے مسلمان اپنے باجگزاروں کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔ دین کے معاملات میں کوئی جبر نہیں اور زبردستی کلمہ پڑھانے کا کوئی حکم نہیں۔ اب دوسری طرف تمام مغربی مبصرین کی کتابیں پڑھ لیں۔ وہ فتح کے اختتامی مقام پر آ کر رک جاتے ہیں اور کلاس سوشلزم جیسا ماہر اور کافی حد تک غیر جانبدار مبصر بھی اپنی ساتویں کتاب کے آخری باب میں اس مضمون کو کسی نکتہ پر نہ پہنچا سکا۔ کہتا ہے کہ جنگ سے جنگ نکلتی ہے اور شکست سے فتح۔ اور فتح کا کوئی اختتامی مقام نہیں ہے۔ لیکن دین فطرت میں جنگ بامقصد ہوتی ہے۔ اس لئے اس میں اختتامی مقام بھی ہوتا ہے کہ مسلمان غارتگری نہیں کرتے بلکہ دلوں کو فتح کرتے ہیں۔

جنگِ شاہانِ جہانِ غارتگریست جنگِ مومن سنتِ پیغمبرست (اقبال)

بز و خاکی جنگ

چنانچہ جمادی الآخر ۱۱ء ہجری کے آخری ایام میں اللہ کی تلوار، اب ایک دشمن اسلام کی طرف روانہ ہو گئی۔ خلیفہ وقت کی ہدایات پر عمل ہو چکا تھا اور اب کارروائی دوسرے مرحلہ میں داخل ہونے والی تھی۔ بز و خا سے ایک منزل کے فاصلے پر پہنچنے کے بعد حضرت عکاشہ بن محسن اور ثابت بن اقرم کو مخبری کے لئے آگے سکاوٹ کے طور پر بھیجا گیا۔ دونوں عظیم صحابہ میں شمار ہوتے تھے۔ بلیجہ کو بھی مسلمانوں کی پیش قدمی کی بھنگ پڑ چکی تھی۔ اس نے اپنے بھائی حبال کو ایک ساتھی کے ساتھ مخبری کے لئے آگے بھیجا۔ آپس میں ٹکراؤ ہوا۔ حبال تو اصل جہنم ہوا لیکن اس کا ساتھی بھاگ گیا اور بلیجہ کو حالات سے آگاہ کیا۔ بلیجہ اپنے بھائی کا بدلہ لینے کے لئے آگے پڑھا۔ ساتھ ہی اس کا

دوسرا بھائی سلمہ بھی تھا۔ دستہ پیچھے رہا۔ اور یہ دونوں گھات لگا کر بیٹھ گئے اور دونوں عظیم صحابہؓ پر چانک دار کر کے ان کو شہید کر دیا۔ دراصل حضرت عکاشہؓ تلوار زنی میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ لیکن داؤ اور گھات میں آگے اور پھر دشمن کا سارا دستہ ان پر حملہ آور ہو گیا۔ جناب عکاشہؓ پہلے یمن میں تھے اور اصحاب بدر میں سے تھے۔

طلیحہ اس کارروائی کے بعد حلیہ اپنے لشکر میں پہنچ گیا اور مسلمانوں کی پیش قدمی کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے لشکر کو صف بند اور منظم کیا۔ لشکر کی کمان عیینہ بن حصن کے سپرد کی اور ایک خیمہ میں بیٹھ گیا۔ کہنے لگا کہ وہاں پر وہ عبرائیل فرشتہ سے ہدایات حاصل کرے گا اور ادھر ہی سے احکام جاری کرے گا۔ مسلمانوں نے پیش قدمی کے دوران اپنے دو عظیم ساتھیوں کے جسد خاکی دیکھے تو ان کے جذبات سخت مجروح ہوئے۔ وہ مرنے مارنے پر تو پہلے سے تیار تھے، اب ان کے جذبات میں زیادہ شدت آگئی۔

میدان جنگ

بزوخاویے تو چٹیل میدان ہے لیکن نقشہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اجا پہاڑ کا جنوب مشرقی حصہ بزوخا تک پھیلا ہوا ہے۔ اور وہاں کچھ ٹیلے اور ٹیکریاں بھی ہیں۔ لیکن مورخین نے جنگ کے واقعات کو جس طرح پیش کیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لڑائی کھلے میدان میں ہوئی اور ٹیلوں کا استعمال نہ کیا گیا۔ مسلمانوں کے لشکر کی تعداد تقریباً چھ ہزار تھی۔ دشمن کی تعداد کے بارے میں مورخین خاموش ہیں کہ کتنی تھی، لیکن دشمن میں یک جہتی نہ تھی۔ بنو طے اور جدیلہ کے جو لوگ وہاں تھے وہ دل سے طلیحہ کے ساتھ نہ تھے۔ بنو عامر کا قبیلہ بھی جنگ سے کترار ہا تھا۔ بنو اسد کے کئی لوگ مثلاً صزارؓ، قضاعیؓ اور سنانؓ وغیرہ مسلمانوں کے ساتھ شامل تھے۔ سارا دار و مدار طلیحہ کے اپنے قرابت داروں اور عیینہ بن حصن کے قبیلہ فزارہ پر تھا۔ جناب خالدؓ لشکر کی کمان خود فرما رہے تھے۔ اور دراصل خود مختار کمانڈر کی حیثیت سے ان کی یہ پہلی بڑی جنگ تھی۔ جنگ موتہ میں آپ کو چوتھے مرحلہ میں کمان ملی۔ اور حضورؐ پاک کے زمانے میں چھوٹے دستوں کی کمان ضرور کی۔ لیکن کسی بڑے لشکر کی

علیحدہ کمان نہ کی اور اب تک جو جھڑپیں یا لڑائیاں خلیفہ اول کے زمانے میں ہوئیں وہاں بھی حضرت خالدؓ کی کسی چھوٹی موٹی کمان کے سلسلہ میں بھی مورخین خاموش ہیں۔ چنانچہ حضرت خالدؓ خود صفوں سے آگے تھے۔ مسلمانوں کی پہلی یورش سے مرتدین کے دانت کھٹے ہو گئے۔ عینہ اور اس کا قبیلہ بڑی بہادری سے لڑے۔ لیکن مسلمانوں کی ایک دو یورشوں اور طغاروں کے بعد ان کی صفوں میں شکاف پڑنا شروع ہو گئے۔ عینہ بہادر آدمی تھا اور ایک دفعہ اسلام بھی لے آیا تھا۔ لیکن بڑا متعصب انسان تھا۔ بنو اسد اس کے قبیلہ کے حلیف تھے۔ اس لئے اس کا خیال تھا کہ حلیف قبیلہ کا "پیغمبر" قریش کے پیغمبر کی نسبت اس کو زیادہ قابل قبول تھا (نعوذ باللہ) اس بچپن کو کیا معلوم تھا کہ قریش کا پیغمبر اللہ کا حبیب ہے، سرکارِ دو عالم ہے، رحمتہ اللعالمین ہے۔ اور ایسی صفات کا مالک جس کی تعریف قلم سے بیان ہی نہیں کی جاسکتی۔ طلیحہ ایک کاہن تھا۔ نفسیات کا ماہر تھا۔ اس کی شخصیت میں بڑی کشش تھی۔ بڑا اچھا اکیڑ تھا اس لئے وقتی طور پر عینہ کو متاثر کیا تھا اب جو عینہ کو جنگ میں مایوسی ہوئی تھی تو وہ بھاگ بھاگ کر طلیحہ کے پاس پہنچا تھا اور یہ پوچھتا کہ جبرائیل کیا خبر لائے۔ طلیحہ اوٹ پٹانگ اور اٹکل بچو جواب دیتا رہا۔ اور آخر عینہ تنگ آ کر اعلان کرنے ہی والا تھا کہ طلیحہ جھوٹا ہے اور میدانِ جنگ سے بھاگ جاؤ کہ طلیحہ نے "پہل کاری" چھین لی اور اپنی بیوی کے ساتھ تیز اونٹنی پر بیٹھ کر خود ہی فرار ہو گیا۔

مرتدین کی شکست

طلیحہ اور عینہ دونوں بہادر آدمی تھے اور جنگ کے نبض شناس بھی تھے۔ طلیحہ نے بعد میں اسلام کی خدمت بھی کی اور عینہ بھی اسلام لے آیا۔ اس میدانِ جنگ سے ان کے بھاگنے کو بزدلی پر محمول نہ کیا جائے۔ حالات ان کے قابو سے باہر ہو گئے تھے۔ ان کا باطل فلسفہ اور طریق کار جواب دے گیا تھا۔ چنانچہ بزدلی کی جنگ ایک دن کا کچھ حصہ ہی جاری رہ سکی کہ مرتدین نے تتر بتر ہونا شروع کر دیا۔ اور کچھ میدانِ جنگ میں کھیت رہے۔ اسی طرح سب قبائل افراتفری میں بھاگ گئے۔ ان کے نزدیک نہ کوئی جنگ کا مقصد تھا اور نہ شکست کے

بعد کوئی تجویز تھی کہ اگلا مرحلہ کیا ہوگا۔ بھان متی کے کنبہ کا اتحاد کسی بنیاد پر نہ تھا۔ مسلمانوں کے ساتھ حسد اور منفی بنیادوں پر یہ اتحاد قائم تھا۔ چنانچہ حق کی ایک ہی وار نے باطل کو پاش پاش کر دیا۔

جنگ کے نتائج

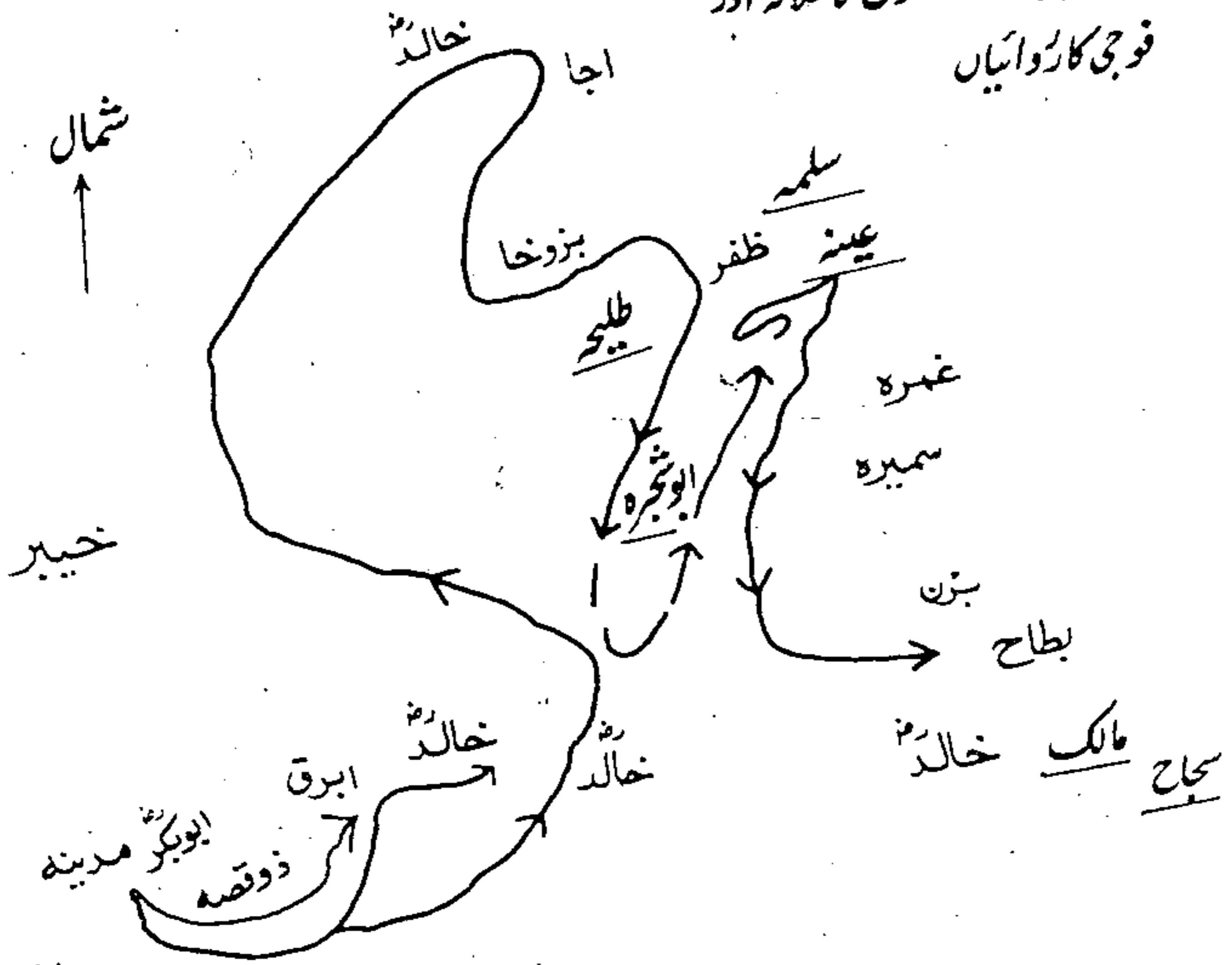
یہ جنگ تو بزوغا کے میدان میں ختم ہو گئی لیکن حضور پاک سے سیکھے ہوئے طریقہ اور خلیفہ اول کی حکمتِ عملی کے تحت فتح کو آگے بڑھانا تھا۔ اس لئے مسلمانوں نے برصغیر میں مرتدین کا تعاقب کیا۔ طلیحہ تو بھاگ کر نفع میں بنو کلب کے پاس جا کر پھڑپھڑ گیا۔ اور جب سنا کہ اس کا سارا قبیلہ اسلام لے آیا ہے تو وہ بھی دوبارہ اسلام میں داخل ہو گیا اور کچھ عرصہ بعد مدینہ شریف سے گزر کر مکہ مکرمہ میں جا کر عمرہ بھی ادا کیا۔ خلیفہ اول نے اس کی طرف کوئی دھیان نہ دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے پر ان کی بیعت کے لئے حاضر ہوا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں جو کچھ تھا وہ کہہ دیا کہ "لے طلیحہ تمہارے ہاتھ سے دو عظیم صحابہ حضرت عکاشہؓ اور حضرت ثابتؓ شہید ہوئے۔ اس لئے میں تمہیں دل سے پسند نہیں کرتا۔" طلیحہ نے عرض کی۔ اے امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ کو ایسے ہی منظور تھا کہ ان کو شہادت کا رتبہ مجھ جیسے گنہگاروں کے ہاتھوں سے ملنا تھا۔ اس گفتگو کو اس زمانے کے ایک مبصر نے مورخین کے حوالے سے لفاظی کو جو رنگ دیا ہے اور درمیان میں خود اپنی رائے بھی دی ہے وہ سب اصنافِ معلوم ہوتے ہیں۔ طلیحہ رضی اللہ عنہ بہادر آدمی تھا۔ مہارند کی جنگ میں شہید ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے سب گناہ معاف فرما دیئے ہوں گے جس دن وہ اسلام کی آغوش میں دوبارہ داخل ہوا ہوگا۔ اور متعدد جنگوں میں ایک مانے ہوئے مجاہد کی طرح کام کرتا رہا۔

حضرت خالدؓ نے البتہ عینہ کا تعاقب کیا جسے سمیرہ کے نزدیک عمرہ کے مقام پر چالیا۔ عینہ نے مقابلہ کیا۔ لیکن آخر گرفتار ہوا۔ حضرت خالدؓ نے عینہ کو ایک اور مرتد قرۃ بن سمیرہ کے ساتھ خلیفہ وقت کی خدمت میں مدینہ شریف بھیج دیا۔ خلیفہ نے ان کو اس شرط پر معاف

نقشہ دوم - مرتدین کا ارتداد

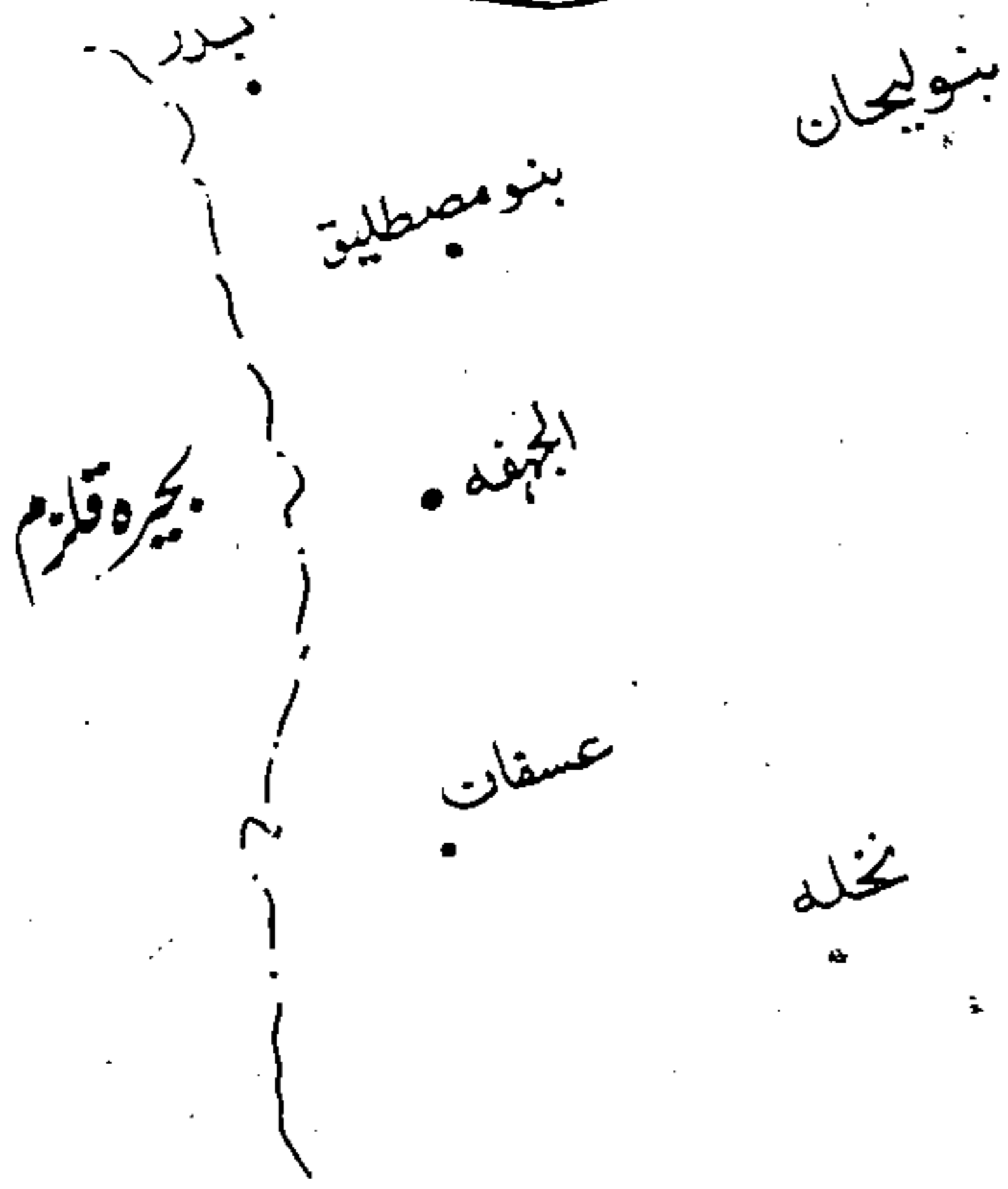
مدینہ شریف کے گرد و نواح کا علاقہ اور

فوجی کارروائیاں



وضاحت

- ۱۔ باغی سرداروں کے نام کے نیچے لکیر
- ۲۔ جناب ابو بکرؓ کی ذاتی کارروائی مدینہ سے ابرق تک
- ۳۔ جناب خالدؓ کی کارروائی مدینہ سے بطاح تک



سکیل - ۱/۳

کر دیا کہ وہ دونوں اسلام میں واپس آنے پر تیار ہو جائیں۔ دونوں نے اسلام میں واپس آنے کا اعلان کر دیا اور اس کے بعد اپنے قبیلہ میں خاموشی اور گوشہ نشینی سے دن گزارے۔ عینہ کا اسلام البتہ اپنی مرضی کا تھا۔ اور ماہِ رمضان میں دن کی بجائے رات کو روزہ رکھتا تھا۔ آدمی بہادر تھا لیکن بہت آزاد منش طبیعت کا تھا۔ اس لئے کسی ایک بات پر قائم نہ رہتا تھا۔ اور ایسے لوگ بھی زمانے میں اسلام کے لئے کوئی خاطر خواہ کام نہیں کر سکتے۔ اسلام میں اللہ اور رسولؐ کے احکام کی مکمل اطاعت کی ضرورت ہوتی ہے۔ عینہ کی ایک بیٹی البتہ حضرت عثمانؓ کی زوجیت میں آ گئی۔

حضرت خالد کی ظفر کی طرف پیش قدمی

یہاں پر مورخین میں اختلاف ہے کہ عمرہ کے بعد حضرت خالدؓ واپس نقرہ گئے یا بزوحا یا ظفر کے مقام کی طرف جا کر ام سلمیٰ کی سرکوبی کی۔ نقتے اور فاصلہ کے لحاظ سے تو یہ بہتر نظر آتا ہے کہ عمرہ سے بڑھ کر پہلے ام سلمیٰ کے خلاف کارروائی ختم کر کے پھر نقرہ میں جا کر ابو شجرہ کا مزاج درست کرتے اسلئے نقرہ میں ابو شجرہ کے خلاف کارروائی کا ذکر بعد میں ہوگا۔ ام سلمیٰ جس کو ام زمل بھی کہتے ہیں، عینہ بن حصن کی قریبی رشتہ دار تھی اور ام قرفہ کی بیٹی تھی۔ یہ وہی لڑکی تھی جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں مسلمانوں کے ہاتھ آئی تھی اور حضور پاکؐ نے یہ لڑکی حضرت عائشہؓ کو خدمت کے لئے دے دی تھی۔ بد قسمت لڑکی وہاں خوش نہ تھی اور حضرت عائشہؓ نے اس کو آزاد کر دیا تھا۔ اپنے قبیلہ میں جا کر اس نے بھی اپنی ماں کے نقتے قدم پر چلنا شروع کر دیا۔ اور خاص کر عینہ کی گرفتاری کے بعد اپنے قبیلہ اور نزدیک کے قبائل کو مسلمانوں کے خلاف خوب بھڑکایا اور ظفر کے مقام پر ایک لشکر اکٹھا کر لیا۔ اللہ کی تلوار نے پیش قدمی کر کے ایک ہی جھپٹ میں دشمن کا صفایا کر دیا۔ یہ قبائل بڑی بہادری سے لڑے۔ خاص کر جس اونٹ پر ام سلمیٰ

لے تفصیل کے لئے جلال مصطفیٰ کا صفحہ ۳۲۱ اور ۳۲۲ دیکھیے۔

سوار تھی، اس کے گرد لوگ اپنی جان پر کھیل گئے۔ لیکن مسلمانوں کا مقابلہ نہ کر سکے۔ کیونکہ حضرت خالدؓ نے چند زور آور مجاہدین کے ساتھ آگے بڑھ کر اُم سلمیٰ کے اونٹ کی کانچیں کاٹ دیں اور اس کا ہودہ دھڑام سے زمین پر گر گیا۔ تدبیرات کے اصولوں میں مرکز کو تباہ کرنے سے لڑائی کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ اُم سلمیٰ بھی اپنی ماں کی طرح اس جنگ میں ماری گئی اور فتنہ ختم ہو گیا۔ نقشہ دوم کو غور سے دیکھنے کے بعد معلوم ہو گا کہ ذوق صدہ سے خیبر تک، پھر اُجا پہاڑ، بزوغا، ظفر، سلمہ، نمرہ اور سمیرہ وغیرہ کے علاقوں میں بغاوت کو تہس نہس کر دیا گیا تھا۔ متعدد چھوٹے بڑے قبائل عطفان، فزارہ، اسد، طے، جدیلہ، عدم، قیس، عوث اور بنو سلیم کے کافی لوگ اسلام کے دائرے میں داخل ہو گئے تھے اور کچھ ایسے لوگوں کو سخت سزائیں بھی دی گئیں، جنہوں نے مسلمانوں پر مظالم ڈھائے تھے۔ عبرت کے لئے ایسا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ بہر حال بنو سلیم کے کچھ مرتد نقرہ کے گرد و نواح میں موجود تھے۔ جناب صدیق اکبرؓ پہلے خود میاں تک تشریف لائے تھے، لیکن قبائل خانہ بدوش تھے تتر بتر ہو گئے تھے۔ یہ اہم مقام تھا اور بطحا میں مالک بن نویرہ کی سرکوبی سے پہلے اس علاقہ سے باغیوں کا صفایا ضروری تھا۔

قبیلہ بنو سلیم کے سردار ابو شجرہ کی سرکوبی

خلیفہ اول نے جو مختلف لشکریوں کے ان میں حضرت طریق بن حاجز بھی بنو سلیم کے علاقوں میں بغاوت کو رفع کرنے میں لگے ہوئے تھے لیکن وہ زیادہ تر مدینہ شریف اور مکہ کے درمیان والے علاقہ میں مصروف تھے۔ اس لئے جناب خالدؓ کو یہ احکام دوبارہ ملے یا خود علاقے کا مکمل صفایا کرنے کے لئے انہوں نے ادھر کا دوبارہ رخ کیا۔ اس پہلو کو مؤرخین نے واضح نہیں کیا۔ بہر حال حضرت خالدؓ نقرہ کی طرف چل پڑے۔ وہاں بنو سلیم کا سردار عمر بن عبدالعزیٰ تھا، جو شاعر بھی تھا اور ابو شجرہ تخلص کرتا تھا۔ وہ اس غلط فہمی میں تھا کہ خالدؓ کا لشکر جلد کمزور ہو جائے گا اور وہ اس پر چھپ کر مدینہ شریف تک مسلمانوں پر دوبارہ حملہ کر دے گا۔ اس نے ایک نظم لکھی جس کے ایک شعر کا مفہوم یہ تھا:-

”مجھے معلوم ہے کہ میں اپنے نیزے سے خالدؓ کے دستہ کو سیراب کروں گا اور میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ مدینہ جا کر عمرؓ کی خبر لوں گا۔“

لیکن اللہ کی تلوارؓ خود اس کی خبر لینے کے لئے روانہ ہو گئی اور خالدؓ نے اچانک بنو سلیم کے بچے کچھے مرتدین پر یورش کر دی۔ بنو سلیم فتح مکہ اور جنگ حنین کے وقت خالدؓ کے ماتحت کام کر چکے تھے، جس کی تفصیل جلال مصطفیٰؓ میں موجود ہے۔ ان میں کتنے لوگ ایسے تھے، جو خالدؓ کے ماتحت کام کر چکے تھے اور کئی نئے تھے۔ اس سلسلہ میں مورخین خاموش ہیں۔ بہر حال یہ لوگ خالدؓ کی یورش کی تاب نہ لاسکے اور انہوں نے جلد ہتھیار ڈال دیئے۔ ابو شجرہ گرفتار ہوا اور لے مدینہ شریف بھیج دیا گیا۔ جہاں پر اس نے معافی مانگی جو اس کو مل گئی اور وہ دوبارہ اسلام میں داخل ہو گیا۔

مورخین کے اضافے

طبری سمیت متعدد مورخین اور خاص کر بلاذاری نے لکھا ہے کہ بعد میں ابو شجرہ پر برسے دن آئے اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں وہ صدقہ یا خیرات لینے کے لئے مدینہ شریف حاضر ہوا۔ جہاں حضرت عمرؓ نے چابکوں سے اس کی تواضع کی (نعوذ باللہ)۔ طبری تو صرف درہ اٹھانے تک بات کرتا ہے۔ لیکن بلاذاری ایک کے بعد دوسرا اور دروں کی بھرمار کی بات کرتا ہے۔ جس کو ہمارے موجودہ زمانے کے ایک مبصر نے مزے لے لے کر بیان کیا ہے۔ اول تو ابو شجرہ کو جب معافی ملی اُس وقت بھی حضرت عمرؓ وہاں موجود تھے اور وہ ابو شجرہ کو پہچانتے ہوں گے۔ اب اول بات یہ ہے کہ جو خیرات بانٹ رہا ہو تو کیا وہ چابک اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے؟ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ ایک خستہ حال پر چابک اٹھاتے اور خاص کر جب وہ مسلمان ہو گیا تھا۔ یہ لفاظی اور یہ اضافے اور الف بیلی کی کہانیاں اپنے تجزیہ کو دلچسپ بنانے کے لئے لکھی جاتی ہیں۔ لیکن لکھنے والوں کو یہ خیال نہیں رہتا کہ وہ کتنی بے ادبی کر رہے ہیں۔ بات ابو شجرہ کی خستہ حالی کی تھی کہ اونچے بول نے اس کو خستہ حال کر دیا۔ لیکن بیچ میں چابکوں کو لا کر جناب عمرؓ کی شان کو گھٹانے کی دانستہ یا غیر دانستہ سازش ہے جس سے قوم میں تفرقہ پیدا ہوتا ہے۔

حضرت طریفہ بن حاجرہ

اسی زمانہ میں حضرت طریفہ بن حاجرہ بھی اس علاقہ میں اپنی ذمہ داریاں نبیہ چکے تھے۔ اس علاقے میں ایک بہت بڑا مرتد بھی تھا، جو فجاہ کے نام سے مشہور تھا۔ اس کا اصلی نام عبدیلیل تھا۔ یہ مرد و جناب صدیق اکبر رضی کی خدمت میں حاضر ہوا اور کافی ہتھیار حاصل کئے۔ کہنے لگا اپنے علاقہ سے مرتدین کا قلع قمع کروں گا۔ لیکن واپس آ کر اپنے نائب بجنہ بن المشیا کے ساتھ مل کر جگہ جگہ مسلمانوں پر ظلم ڈھانے شروع کر دیئے۔ اس نے قبیلہ ہوازن، بنو سلیم اور بنو عامر کے مسلمانوں پر بھی حملے کر کے، ان پر ظلم ڈھائے اور غارتگری کی۔ وہ حضرت طریفہ کے دستوں کے درمیان سے نکل جاتا تھا۔ جناب صدیق اکبر رضی نے فتنہ کو ختم کرنے کے لئے عبداللہ بن قیس کو بھی جناب طریفہ کی مدد کے لئے بھیجا۔ مسلمانوں نے تمام علاقہ کو گھیرے میں لے کر ان کی تلاش شروع کی، اور ایک جھڑپ میں بجنہ تو ہلاک ہو گیا۔ لیکن فجاہ بھاگ گیا۔ اسی دوران شمال سے خالد بن ولید کا لشکر پہنچ گیا تھا اور فجاہ، محدود علاقہ میں گھر گیا۔ اور آخر مسلمانوں نے اس کو گرفتار کر لیا اور مدینہ بھیج دیا۔ وہاں پر خلیفہ اول نے اس مرد کو زندہ جلا دینے کا حکم دیا۔ کیونکہ اس نے دھوکہ دیا تھا، مسلمانوں پر ظلم ڈھائے تھے۔ مسلمانوں سے ہتھیار مانگ کر، مسلمانوں کے خلاف استعمال کئے۔ جناب صدیق اکبر رضی نے ایسے مرد کو دیکھا ہوگا تو آنکھوں میں خون آ گیا ہوگا اور اس کو زندہ جلا دیا۔ روایت ہے کہ خلیفہ اول نے بستر مرگ پر اس کا روئی پرافسوس کیا کہ فجاہ کو زندہ جلانے کی بجائے صرف قتل کر دیا ہوتا۔

تبصرہ

یہ روایت سر آنکھوں پر۔ خلیفہ نے شاید ایسا ضرور فرمایا ہوگا اور وہ اس وجہ سے ہو سکتا ہے کہ آگ میں اللہ تعالیٰ دوزخ میں گنہگاروں کو جلائے گا۔ دنیا میں قتل اور طریقوں سے بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ فجاہ جیسے مرد کو آگ میں جلنا چاہیے تھا کہ

لوگوں کو عبرت ہوتی۔ اس سے عبرت بھی حاصل ہوئی کہ اس کے بعد مدینہ سے لے کر مکہ تک اور شمال میں خیبر سے عجزہ تک اور نیچے ذوقصہ تک کسی کو سرکشی کی نہ سوجھی۔ اور ان تمام علاقوں میں امن ہو گیا۔

خالد بن ولید کا خلیفہ اول کو خط

ویسے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر مرحلہ پر جناب خالدؓ، خلیفہ وقت کو حالات سے آگاہ کرتے رہے ہوں گے۔ لیکن تمام فتنوں کے ختم ہو جانے کے بعد مورخین کے مطابق حضرت خالدؓ نے ایک مفصل خط لکھا۔ اس میں تمام تر کارروائی کا ذکر کیا گیا تھا۔ جن لوگوں کو سزائیں دیں یا کچھ کارروائی کی ان سب کا ذکر تھا۔ خلیفہ اول نے خالدؓ کی تمام کارروائیوں کو صحیح تسلیم فرمایا اور خالدؓ نے جو کامیا بیاں حاصل کیں، آپؓ نے خالدؓ کے لئے اللہ کے دربار میں انکی جزا کیلئے گزارش کی اور باقی لشکریوں کو دعائیں دیں اور فرمایا کہ ”میری ہدایات کے بعد رواں دواں رہو۔“ دین اسلام ایک متحرک فلسفہ ہے۔ اور اگلے باب میں ہم خالدؓ کی کارروائیوں کو بطحا یا بطاح کے معاملات سے شروع کریں گے۔ یہاں پر اس باب کے واقعات کے نتائج کا خلاصہ پیش کرنا ضروری ہے جو حسب ذیل ہے :-

نتائج و اسباق

۱۔ اسلام میں جنگ کا ایک واضح مقصد ہوتا ہے کہ جنگ اللہ کی خوشنودی کے لئے اللہ کے دشمنوں سے لڑی جاتی ہے۔ دیکھ لیں کہ سب کارروائی اسی مقصد کے تحت ہوئی اور ہر وقت اس مقصد کو سامنے رکھا گیا۔

- ۲۔ اسلام کسی جبر و قہر کی اجازت نہیں دیتا۔ لیکن دشمن کو سر پر بھی نہیں چڑھانا۔
- ۳۔ جو کام صلح صفائی سے ہو سکے، وہاں پر لڑائی سے گریز کیا جائے۔
- ۴۔ حملہ اتنا زور دار ہو کہ دشمن کے چھکے چھوٹ جائیں۔
- ۵۔ ہر وقت چوکنار رہا جائے۔

۶۔ حکمتِ عملی کا تعین اوپر والے کمانڈر یا مرکز کو کرنا چاہیے۔ تدبیرات کا کام محاذِ جنگ کے کمانڈر کے ہاتھ میں ہو اور اس میں دخل اندازی نہ کی جائے۔

۷۔ مسلمان علاقہ یا زمین کی بجائے لوگوں کے دلوں کو فتح کرتے ہیں اور وہ جہاں جاتے ہیں اچھے اور وفادار لوگوں کو اپنے ساتھ شامل کر لیتے ہیں۔ یہ اس لئے ہے کہ مسلمانوں کے پاس ایک فلسفہٴ حیات ہے۔ اس پر وہ خود عمل کرتے ہیں۔ یہی فلسفہ وہ دوسروں کو پیش کرتے ہیں۔ اور فاتح کہلانا بھی پسند نہیں کرتے۔ وہ تو اللہ کے غلام ہیں۔ اور اللہ کے احکام کو جاری و ساری کر رہے ہوتے ہیں۔

۸۔ صحابہ کرامؓ کا ذکر کرتے وقت ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں جن سے ان کی بے ادبی نہ ہو۔ اور ایسی لفاظی سے بھی گریز کیا جائے جس سے قوم میں تفرقہ پھیلے یا کسی کے عقیدہ کو ٹھیس پہنچے۔

۹۔ تاریخ کے بامقصد مطالعہ کا مقصد نہ کبھی چھٹا اچھا لانا ہے نہ ذہنی عیاشی، نہ غیروں کے پیمانوں کا استعمال، نہ آثارِ چڑھاؤ کہ قارئین سے داد لی جائے بلکہ بامقصد مطالعہ کا مدعا یہ ہونا چاہیے کہ اس سے سبق سیکھیں۔

۱۰۔ اسلام کی تاریخ اور صحابہ کرامؓ کی زندگیاں ایک معطر باغ کی طرح پاک ہیں۔ اس خوشبو سے فائدہ اٹھایا جائے۔

تیسرا باب

مرتدین کا قلع قمع

حضرت خالد بن ولیدؓ اپنی کارروائی کے دوسرے مرحلہ کے لئے رواں دواں تھے۔ اکثر مورخین کے لحاظ سے انہوں نے یہ کوچ ظفر یا سلمی پہاڑی کے نزدیک سے کیا۔ جہاں وہ ام سلمیٰ کی سرکوبی کر چکے تھے اور نقرہ میں ابو سجرہ کے خلاف کارروائی ام سلمیٰ کی سرکوبی سے پہلے کر چکے تھے۔ نقشہ دوم میں تمام مقامات دیئے گئے ہیں اور قاریین تجز یہ خود کر لیں۔ ہم اس بحث میں اس لئے مہینیں پڑتے کہ بات چند میل کے فاصلہ اور صحیح راستے کی ہے۔ لیکن جنگ میں بعض دفعہ لمبے اور دوہرے چکر لگانے پڑتے ہیں۔ اس لئے ہمارا مقصد اس سے حل ہو جانا ہے ہے کہ خالدؓ، مالک بن نویرہ کی سرکوبی کے لئے روانہ ہو گئے۔ ہاں البتہ مورخین نے اس سلسلہ میں انصارِ مدینہ کے بارے میں جو کہانی لکھی ہے کہ انہوں نے حضرت خالدؓ کے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا کہ خلیفہ وقت نے ان کو صرف پہلے مرحلہ یعنی بزوخا کے علاقوں کے مرتدین سے پاک کرنے کے احکام دیئے تھے۔ پھر حضرت خالدؓ ان کو چھوڑ کر اپنے مشن پر چل پڑے۔ انصار کو بعد میں خیال آیا کہ اگر حضرت خالدؓ کامیاب ہو گئے تو ان کو جو شہرت حاصل ہوگی اس کی وجہ سے انصار کو ندامت اٹھانا پڑے گی۔ اور اگر خالدؓ کے لشکر پر کوئی مصیبت آگئی، تو یہ ذلت ساری مسلمان قوم کے لئے ہوگی۔ اس لئے خالدؓ کے لشکر کی روانگی کے بعد وہ بھی چل پڑے۔ اور جلد ہی اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے۔

غلط کہانیاں

یہ سب غلط کہانی ہے اور کسی زرخیز "دماغ کی اختراع ہے۔ کچھ مخالفین ہر موقع پر ایسے تفرقہ ڈالنے میں لگے رہتے ہیں۔ ممکن یہ ہو سکتا ہے کہ لطلحا کے لئے کوچ کرتے وقت آپس میں

کچھ بحث ہوگئی ہو۔ مسلمانوں کا ظاہر و باطن ایک تھا۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ کوئی لڑائی کا تمھکا ماندہ مجاہد یا بچوں کی حیدائی کی وجہ سے کوئی صاحب اگلے مرحلہ کے بارے میں کوئی سوال کر بیٹھا ہو۔ اور کچھ بحث ہوگئی ہو۔ لیکن ایک گھنٹے کا اختلاف اور پھر انصار کو ندامت یا خالدؓ کا ان کو چھوڑ کر چل پڑنا سب غلط کہانیاں ہیں۔ جس فوج کے ضبط کا یہ حال ہو، جیسا اس کہانی میں بیان کیا گیا ہے، وہ اس طرح فتوحات حاصل نہیں کر سکتی جس طرح خالدؓ کی فوج فتوحات حاصل کر رہی تھی۔ حضرت خالدؓ، خلیفہ وقت سے خط و کتابت میں مصروف تھے۔ اور یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ انہوں نے خلیفہ وقت کو کئی خطوط لکھے۔ گو مورخین نے ایک بڑے خط کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد خلیفہ نے خالدؓ کی کارروائی کو تسلیم کیا اور اگلے مرحلہ پر روانہ ہونے کا حکم دیا۔ خلیفہ وقت جس نے ساری حکمت عملی بنائی اور یہاں تک گئے کہ طلحہ کے خلاف کارروائی سے پہلے بنو طے اور جدید قبائل کو ساتھ ملانے کی کوشش بھی کرنا۔ تو کیا خلیفہ وقت کی اجازت کے بغیر خالدؓ چل پڑے؟ (نعوذ باللہ) تو پھر کیا خلیفہ وقت لشکر کے ہر سپاہی کو الگ الگ ہدایات دیتے؟ یہاں تو فوج اتنا نزدیک تھا کہ خالدؓ کو گھڑی گھڑی کی ہدایات مل رہی تھیں اور وہ سب کچھ خلیفہ وقت کے احکام کے تحت کر رہے تھے۔

اس لئے انصاف کی بات تو یہ ہے کہ اس قسم کی کہانیاں ہماری تاریخ سے خارج ہو جانی چاہئیں۔ صحابہ کرامؓ تو آگاہ تھے اور دینِ فطرت کی وسعتوں کو سمجھتے تھے لیکن بیچ میں کئی سادہ لوگ تھے، جو سادگی سے کوئی بات کر جاتے تھے جو بڑی وقتی ہوتی تھی۔ ایسے سادہ لوگوں میں حضرت شویلؓ بھی تھے جن کا ذکر آگے چل کر فتح حیرہ کے موقع پر آئے گا۔ اس لئے ہم پر واجب ہے کہ ایمان افروز تجزیوں کے بعد ایسی باتوں کو تاریخ سے خارج کرنے کی مہم چلائیں۔ اس سلسلہ میں ایک نکتہ بیان کرنا ضروری ہے۔ پرلنے تاریخ دانوں نے جو کچھ سنا لکھ دیا۔ واقعات کو بیان کرنے والے لوگوں میں بعد میں کئی ایسے بھی ہوئے ہیں جو مکمل طور پر اسلام کی وسعتوں کو نہ سمجھتے تھے۔ وہ اسلام کو بھی صرف ایک عام طرزِ زندگی یا فلسفہ یا معاشرت یا طرزِ تمدن سمجھتے تھے اور اس حد تک بات صحیح ہے کہ اسلام

سب کچھ ہے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ اسلام دینِ فطرت ہے اور مکمل فلسفہٴ حیات۔ اس کا نہ تو غیروں کے فلسفہ کے ساتھ موازنہ کیا جاسکتا ہے اور نہ یہ غیروں کی عینک سے پڑھا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس کو غیروں کے پیمانے سے ناپ سکتے ہیں۔ اس لئے جہاں کہیں ہم اس چکر میں پڑ گئے کہ غیروں کے ہاں ایسا ہوتا تھا یا ہوتا ہے۔ اور اسلام میں بھی ایسا ہوا ہوگا یا ہو سکتا ہے تو یہ درست نہ ہوگا۔

حضرت خالد کی پیش قدمی

حضرت خالدؓ دوسرے مرحلہ کے لئے پیش قدمی شروع کر چکے تھے۔ مقابلہ مالک بن نویرہ کے ساتھ تھا۔ جو قبیلہ بنو تیمم سے تعلق رکھتا تھا۔ جلالِ مصطفیٰؐ میں اس قبیلہ کی حضورؐ پاک کی خدمت میں حاضری کا ذکر ہے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو علم الکلام اور لغاطی کے ماہر سمجھتے تھے لیکن اللہ کے کلام کے سامنے ان کے سر جھک گئے اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ حضورؐ پاک نے مالک بن نویرہ ہی کو ان پر عامل مقرر فرمایا۔ اور مالک پہلے وفاداری سے کام کرتا رہا لیکن جیسے ہی اس نے حضورؐ پاک کی وفات کی خیر سنی تو زکوٰۃ کی جتنی رقم اکٹھی کی تھی وہ واپس اپنے خزانہ میں ڈال دی اور کہنے لگا بہتر ہے یہ رقم اپنے قبیلہ کے کام میں لائی جائے، اور اسلام سے پھر گیا۔ لیکن اس کے قبیلہ کے کئی آدمی اسلام پر قائم رہے۔ خاص کر حضرت قعقاعؓ بن عمرو اور آپ کے بھائی حضرت عاصمؓ جیسے لوگ جن کے بارے آگے چل کر قارئین ایمان افزہ واقعات پڑھیں گے۔

مالک بن نویرہ اور اس کی بیوی

بنیادی طور پر مالک اچھا آدمی تھا اور خوبصورت نوجوان تھا۔ اس کی بیوی لیلیٰ کو بھی اللہ تعالیٰ نے اچھی شکل و صورت بخشی تھی۔ لیکن درخین اور ہمارے اس زمانے کے ایک

مبصر نے یلی کی خوبصورتی کے لئے لفاظی کے جوٹانے بانے باندھے ہیں اور سب معاملات کو رومانی کیفیت دے دی ہے تو اس کا ایک خاص غلط روی والا مدعا ہے۔ کہ آگے چل کر جناب خالدؓ اور جناب عمرؓ کے اختلافات کو ہوا دینے کے لئے اس خوبصورتی کو ایک بنیاد بنایا جائے پہلے مورخین، صرف خوبصورتی کا ذکر کرتے ہیں، کئی سو سال بعد اصفہانی صاحب آنکھوں کی تعریف کرتے کرتے یلی کی ٹانگوں کی خوبصورتی کو بھی بیچ میں لے آتے ہیں۔ اور اس حاشیہ آرائی کو اس قدر بڑھایا کہ ایسی ٹانگیں اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آئی تھیں۔ عرب میں ٹانگیں ڈھکی ہوتی ہیں اور صرف اہل یورپ میں ٹانگوں کی خوبصورتی کی بات ہوتی ہے۔ اس لئے اصفہانی کے اس اضافے کو تاریخ سے خارج کر دیا جانا چاہیے تھا۔ ہاں شاید پرانی ایرانی تہذیب تمدن میں ٹانگوں کی خوبصورتی کا ذکر ہو۔ اسلام کے بعد تو وہاں بھی ٹانگوں کو ڈھاپنا "ستر عورت" ہوتا ہے۔

مالک بن نویرہ اور سجاح

مالک بن نویرہ کے مرتد ہونے کے بعد وہاں پر کچھ اور حالات ظہور پذیر ہوئے اور یہ حضور پاک کی وفات سے لے کر خالدؓ کی بطحا کی طرف پیش قدمی تک کے زمانے میں ہوئے۔ ان کا بیان اس لئے ضروری ہے کہ معاملات پوری طرح سمجھ میں آجائیں۔ بنو تمیم از خود کسی چھوٹے چھوٹے قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے۔ مالک کا تعلق بنی حنظلہ سے تھا۔ اور بنی حنظلہ خود آگے بنی یربوع کی ایک شاخ تھے۔ بنی یربوع کے حارث بن سوید کی ایک لڑکی سجاح بھی اسی زمانے میں ابھری، جو ماں کی طرف سے بنو تغلب کے ساتھ منسلک تھی۔ تمام قبیلوں کے خاندانی تعلقات کے بیانات سے قارئین مہول بھلیوں میں پڑ جائیں گے۔ اور یہ لکھنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ سجاح کا خاندانی تعلق بڑے بڑے قبائل کے ساتھ تھا اور وہ خود عراق کی سرحد کے نزدیک بنی تغلب میں رہتی تھی۔ یہ لوگ بنیادی طور پر عیسائی تھے۔ لیکن

۱۔ بنو تغلب کا آگے بھی ذکر آئے گا۔

عقائد کے کچھ زیادہ پکے بھی نہ تھے۔

سجاح کا نبوت کا دعویٰ

اُس زمانے میں جگہ جگہ جھوٹے نبی پیدا ہو رہے تھے۔ طلیحہ اور سلیمہ کذاب تو کافی مشہور بھی ہو چکے تھے۔ سجاح نے سوچا کہ مردوں نے سب کچھ حاصل کر لیا ہے، کیوں نہ کوئی عورت بھی اس سلسلہ میں آگے بڑھے۔ وہ شاعرہ تھی، علم الکلام کی ماہر تھی اور پیشگوئیاں بھی کر لیتی تھی۔ اس زمانے میں حضور پاک کی کامیابی نے نقالوں کے لئے دروازے کھول دیئے تھے۔ ہر قبیلہ نے کچھ اس طرح سوچنا شروع کر دیا کہ ان کا کوئی آدمی نبی ہوگا، تو ان کو بھی وہی وسعت نصیب ہو جائے گی جو قریش مکہ کو نصیب ہو گئی تھی۔ چنانچہ سجاح نے جیسے ہی نبوت کا اعلان کیا، لوگ دھڑا دھڑا اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اور اس نے ایک لشکر کے ساتھ بنو تمیم کے علاقے کی طرف پیش قدمی کی۔

سب سے پہلے تو اس نے مالک بن نویرہ کے ساتھ خاندانی تعلقات کو استعمال کرتے ہوئے ایک معاہدہ کیا اور پھر دونوں نے مل کر بنو تمیم کے کسی چھوٹے قبیلوں کو کافی نقصان پہنچایا۔ یعنی وہاں جا کر لوٹ مار شروع کر دی۔ یہ کوئی مذہبی جنگ نہ تھی۔ بلکہ صرف کسی ضرورت کے تحت یا طاقت کے بل بوتے پر سب کا رروائی ہوتی رہی۔ ہم اس کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتے، سوائے اس کے کہ ہم اس سے یہ نتیجہ اخذ کریں کہ اس سے مالک بن نویرہ کو اور طاقت نصیب ہوئی۔

سجاح کی پیامہ کی طرف پیش قدمی

لیکن حالات نے پلٹا کھایا اور کسی ایک جنگ میں سجاح کو شکست ہو گئی۔ تو اس کے لشکر والوں کو فکر ہوئی اور پوچھنے لگے کہ اب کیا ہوگا؟ تو سجاح کے زرخیز دماغ نے ایک نیا نعرہ دیا کہ ”پیامہ چلو۔ پیامہ چلو۔“ اس نعرہ میں بڑی کشش تھی اور لوگ جوق در جوق سجاح کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ سلیمہ کذاب جس نے پیامہ میں نبوت کا اعلان کیا ہوا تھا، اس کے مکمل

حالات تو تفصیل کے ساتھ ذرا آگے آئیں گے۔ یہاں پر صرف اتنی وضاحت ضروری ہے کہ مسلمہ کو مسلمانوں سے خطرہ تھا اور شاید اس وقت عکرمہ بن ابوجہل اس طرف پیش قدمی کر چکے تھے یا کرنے والے تھے، اس لئے مسلمہ اس وقت سجاح کے ساتھ کوئی لڑائی نہیں مول لینا چاہتا تھا۔ مورخین نے سجاح کی پیامہ کی طرف پیش قدمی کی تاریخ نہیں لکھی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مسلمہ اس وقت عکرمہ کے ساتھ جھڑپ میں کامیاب ہو چکا ہو اور شرجیل بن حسنہ کی پیش قدمی کا منتظر ہو۔ یہ سب ذکر آگے آئیں گے۔ طبری نے اس سلسلہ میں کچھ اشارہ بھی کیا ہے۔ بہر حال روایت ہے کہ مسلمہ چالیس آدمی لے کر سجاح کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کھٹے پیش کئے۔ اور ”آدھی زمین“ سجاح کے لوگوں کو دے کر سمجھوتہ کر لیا۔ مسلمہ اس سے پہلے اس ”آدھی زمین“ کا کھٹے مسلمانوں کو بھی پیش کر چکا تھا، جس کی تفصیل بعد میں آئیگی۔

مسلمہ اور سجاح کی شادی

مسلمہ بڑا مکار تھا وہ کسی نہ کسی طرح سجاح پر ڈورے ڈالنے میں کامیاب ہو گیا۔ طبری نے اس سلسلہ میں جو دوسری روایت بغیر کسی راوی کے نام کے لکھی ہے، اس کہانی کو بڑا رومانی رنگ دے دیا گیا ہے۔ کہ کس طرح سجاح پیامہ پہنچی اور کس طرح مسلمہ نے ایک انگ خیمہ لگا کر اس کے اندر عود اور لوبان کی دھونی دی وغیرہ۔ اس روایت یا کہانی کی تفصیل بیان کرنا، یہاں مقصود نہیں۔ بہر حال مسلمہ اور سجاح کی شادی ہو گئی۔ لیکن وہ اس کے پاس نہ ٹھہری اس لئے شادی بھی شاید ”وقت تھی“۔ قارئین! ہم پر بھی الزام لگا سکتے ہیں کہ اس واقعہ کی طرف اشارہ بھی کیوں کیا۔ لیکن ہم یہ سب کچھ تاریخ کے با مقصد مطالعہ کے تحت کر رہے ہیں کہ جھوٹے بیبوں کا یہ کردار ہوتا ہے اور یہ خاتمہ۔ کہ سجاح نے شہرت حاصل کی تھی، وہ ختم ہو گئی اور وہ بنی تغلب کے پاس واپس چلی گئی۔ روایت ہے کہ سجاح نے بعد میں اسلام قبول کر لیا اور جناب امیر معاویہ کے عہد میں کوفہ میں آکر آباد ہو گئی، جہاں پر باقی زندگی ایک راسخ العقیدہ مسلمان کی طرح گزاری۔

دوم اس سے یہ نتیجہ بھی نکالنا مقصود ہے کہ سجاح کی اس آخری کارروائی سے مالک بن

نوبرہ کو جو قوت حاصل ہوئی تھی، وہ کافی حد تک کم ہو گئی۔ اور سلیمہ کی قوت نہ صرف برقرار رہی بلکہ بڑھ گئی۔ چونکہ خالدؓ نے آگے چل کر ان دونوں کا قلع قمع کرنا تھا۔ اس لئے دونوں کی طاقت اور حالات کا بجز یہ آپ کے سامنے آ گیا۔

مالک بن نویرہ کا خاتمہ

مالک اب کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ اس کی طاقت ختم ہو چکی تھی۔ اور وہ اس قابل نہ تھا کہ حضرت خالدؓ کا مقابلہ کر سکے۔ مورخین نے مالک کے خاتمے کو مختلف روایتوں سے پیش کرنے کے حالات کو عجیب و غریب شکل دے دی ہے۔ ان تمام روایات کا موازنہ کر کے حقیقت تلاش کرنا مشکل ہو جاتی ہے۔ بہر حال چند واضح پہلو اس طرح ہیں۔ مالک ایک خاندانی قسم کا شہزادہ تھا اور کافی حد تک با اصول اور با عزت آدمی تھا اور اپنے قبیلہ کے فائدہ کو مد نظر رکھتے ہوئے زکوٰۃ دینے سے انکار کر بیٹھا۔ اور سوچا کہ حالات کے مطابق وہ ٹھیک کر رہا تھا۔ اس نے سجاج کے ساتھ اتحاد بھی مجبور ہو کر اور ضرورت کے تحت کیا تھا کہ شاید اس کے بغیر چارہ نہ تھا۔ یہ دونوں اندازے غلط ثابت ہوئے۔ جلد ہی حالات نے پلٹا کھایا اور جب حضرت خالدؓ نے پیش قدمی کی تو مالک کو اپنی شکست نظر آئی۔

مالک کا قتل

مالک معاملات کی تہ تک نہ پہنچ سکا۔ یا زندگی میں اتنے پلٹے کھا چکا تھا کہ اب مکمل پلٹا کھا کر غیر مشروط طور پر اسلام میں داخل ہونے کی ہمت نہیں رہی تھی۔ ہاں لڑائی سے ضرور گریز کیا۔ اپنے قبیلہ کو حکم دیا کہ اپنے گھروں میں اپنے کام پر لگے رہیں اور زکوٰۃ کی رقم پیش کرنے کے لئے اپنے قاصد حضرت خالدؓ کے لشکر کی طرف بھیج دیئے۔ یہ رقم بھی تھوڑی تھی۔ اور حضرت خالدؓ نے نہ صرف پوری رقم واپس لینے پر اصرار کیا بلکہ جب تک مالک توبہ کر کے اسلام میں واپس نہیں آ جاتا اس کو معافی نہیں مل سکتی۔

چنانچہ حضرت خالدؓ نے جن لوگوں کو مالک کی تلاش کے لئے بھیجا وہ اسے گرفتار کر کے

لے آئے۔ یہ بھی روایت ہے کہ مسلمان جگہ جگہ پھیل گئے۔ اور حکم کے مطابق اذان دیتے تھے۔ جہاں پر سے جواباً اذان کی آواز آتی ان لوگوں کو چھوڑ دیتے۔ جہاں سے آواز نہ آتی ان کو گرفتار کر لیتے اور مالک کے گھر سے اذان کی آواز نہ آئی اس لئے اس کو گرفتار کر لیا گیا۔ جو کچھ بھی ہوا، مالک کو حضرت خالدؓ کے سامنے پیش کیا گیا اور جب وہ ان سے بات کرتا تو حضورؐ پاک کے لئے "تمہارے صاحب" کے الفاظ استعمال کرتا تھا۔ خالدؓ نے کہا کہ اپنے صاحب کیوں نہیں کہتے۔ کیا وہ تمہارے صاحب نہیں ہیں؟ مالک خاموش ہو گیا اور حضرت خالدؓ کو غصہ آ گیا۔ صرار بن ازور کو اس کے قتل کا حکم دیا گیا جو حکم پورا کر دیا گیا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت خالدؓ نے مالک کو قید کر دیا اور ارادہ مالک کو مدینہ بھیجنے کا تھا یا ابھی اور پرسش کرنا تھی۔ امین و عیزہ اور قیدی بھی تھے اور مالک سمیت یہ سب حضرت صرار بن ازور کی نگرانی میں تھے۔ رات کو کچھ بارش ہوئی اور سردی زیادہ ہو گئی۔ جناب خالدؓ نے اپنے خیمے سے آواز دی اور پوچھا کہ کیا قیدیوں کو گرم مہنیں کیا؟ بہر حال عربی کے جو الفاظ استعمال ہوئے، بنی کنانہ کی تلمیح کے مطابق اس کے چھپے ہوئے معنی یہ تھے کہ قیدیوں کو خاتمہ کر دو۔ چنانچہ حضرت صرارؓ نے مالک، امین اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا۔

ابوقنادہ انصاریؓ کا اختلاف

مشہور صحابی ابوقنادہؓ بھی لشکر میں تھے۔ وہ سخت اصول پسند تھے۔ فتح مکہ کے وقت بھی انہوں نے حضرت خالدؓ کی کارروائی پر کچھ اعتراض کر کے حضورؐ پاک کے پاس شکایت کی تھی، لیکن حضورؐ پاک نے خالدؓ کو قصور وار نہ ٹھہرایا اور بات ختم ہو گئی تھی۔ اور مسلمانوں کا یہی طریقہ تھا کہ بات چیت جب ختم ہو جاتی تھی تو سب کچھ بھول جاتے تھے۔ اب وہی ابوقنادہؓ، خالدؓ کے لشکر میں وفاداری کے ساتھ کام کر رہے تھے۔ لیکن اس قتل پر جب اختلاف ہوا، تو آپ نے حضرت خالدؓ سے بڑے سخت سوال کئے۔ جناب خالدؓ نے، جناب ابوقنادہؓ کو ڈانٹ پلا دی تو ابوقنادہؓ ناراض ہو کر لشکر چھوڑ کر مدینہ شریف چلے گئے اور

جناب ابوبکر صدیق کے سامنے خالد بن ولید کی سخت شکایت کی۔ خلیفہ اول نے حضرت ابوقنادہؓ کو حکم دیا کہ ابوقنادہؓ واپس جائیں اور اپنے سالار لشکر سے بغیر اجازت اپنی جگہ چھوڑنے کی معافی مانگیں۔ ابوقنادہؓ واپس آگئے اور خالدؓ نے ابوقنادہؓ کو معاف کر دیا۔

تبصرہ

صحابہ کرامؓ کا ظاہر و باطن ایک تھا۔ ان کی رنجشیں بھی وقتی ہوتی تھیں اور ابوقنادہؓ والی بات تو ادھر ہی ختم ہو گئی۔ لیکن اب ذرا اس روایت کی طرف آئیں جو اس باب کے شروع میں زیر بحث آچکی ہے کہ انصارِ مدینہ نے خالدؓ کے ساتھ چلتے سے ہی انکار کر دیا تھا اور ایک گھنٹہ تک تذبذب میں رہنے کے بعد پیش قدمی کی، اور خالدؓ ان کو وہی چھوڑ کر چل پڑے۔ اسلام میں سخت ضبط کا حکم ہے اور حضور پاک کا حکم ہے کہ جب دوہوں تو ایک کو امیر بنا لو۔ اس لئے جہاں کہیں کوئی روایت آئے کہ وہاں اطاعتِ امیر میں کوتاہی ہوئی، تو اگر اس کی سزا یا معافی نہیں ملی تو روایت غلط سمجھو۔ اور جناب ابوبکرؓ کا ابوقنادہؓ کے سلسلہ میں فیصلہ کو یاد رکھو۔ ظاہر ہے کہ انصار کے تذبذب والی کہانی غلط ہے۔ دوم مالک بن نویرہ کے قتل کی دونوں روایات کو پرکھیں۔ جناب خالدؓ پر کوئی حرف نہیں آتا۔ پہلی صورت میں جو آدمی حضور پاک کو اپنا نہیں سمجھتا وہ مرتد ہے۔ اس کی گردن اڑانا عین اسلامی فعل تھا۔ اور دوسری روایت میں مالک غلط فہمی کی وجہ سے قتل ہوا۔

مالک بن نویرہ کا خون بہا

خالدؓ اور ابوقنادہؓ میں اختلاف کی بات البتہ ضرور پھیل گئی۔ اور مالک کے بھائی مہتمم نے اس سے فائدہ اٹھایا اور وہ مدینہ شریف پہنچ گیا اور وہاں جا کر ثبوت پیش کیا کہ مالک دل سے مسلمان ہو گیا تھا یا مسلمان تھا۔ شرمیلا آدمی تھا بار بار بیٹے کھانے کی وجہ سے اپنے اسلام کا کوئی کھلم کھلا اعلان نہ کیا یا نہ کر سکا، لیکن اسلامی لشکر کی مخالفت نہ کی۔ مہتمم نے اپنے اسلام کا ثبوت پیش کیا اور بھائی کے قتل کا خون بہا مانگا۔ جناب ابوبکر صدیقؓ نے

باز پرس کے لئے حضرت خالد کو بلا بھیجا۔ خالدؓ نے صفائی پیش کی جس کو خلیفہ وقت نے منظور فرمایا۔ مالک کے بارے میں معاملات کچھ مشکوک تھے اس لئے خلیفہ وقت نے مالک کے تو مسلم خاندان کو خون بہا ادا کرنے حکم دے دیا کہ ان کی دلجوئی بھی مقصود تھی۔ لیکن اس کا اثر یہ ہوا کہ ہر جگہ مشہور ہو گیا کہ مالک، حضرت خالدؓ کی اجتہادی غلطی کی وجہ سے قتل ہوا۔

مورخین کی رنگ آمیزی

یہاں تک بات صحیح تھی۔ پرانے زمانے میں تو اس بات کو زیادہ نہ اچھا لایا گیا۔ صرف طبری نے حضرت عمرؓ اور حضرت خالدؓ کے درمیان تلخ کلامی کا ذکر کیا۔ کہ حضرت عمرؓ نے جناب خالدؓ کے لئے "اللہ کے دشمن" کے الفاظ استعمال کئے اور خالدؓ نے حضرت عمرؓ کے لئے "ام شملہ کے بیٹے" یعنی ہاتھ والی ماں کے بیٹے کے الفاظ استعمال کئے۔ ہم دوسری کتاب میں واضح کریں گے کہ جناب خالدؓ نے اپنی وفات کے وقت اپنی جائیداد کی تقسیم کے لئے حضرت عمرؓ کو وارث منتخب کیا۔ کہ حضرت عمرؓ کی والدہ ان کے سگے چچا کی بیٹی تھی۔ تو وہ اس کے لئے ایسے لفظ کیسے استعمال کرتے۔ ہم کہہ آئے ہیں کہ عرب کے پرانے رواج کے مطابق بھی چچی کو ماں کہتے تھے۔ کہ جنگ حنین میں ابوسفیانؓ بن حارث نے جب حضور پاکؐ کی رکاب پکڑ لی۔ اور حضور پاکؐ نے پوچھا کہ کون ہے۔ تو حضور پاکؐ کے اس چچا کے بیٹے کے الفاظ تھے۔ "میں آپ کی ماں کا بیٹا" علاوہ حضرت عمرؓ بھی "اللہ کی تلوار" کے لئے اللہ کے دشمن کے الفاظ کبھی نہ استعمال کرتے۔ یہ مورخین کی رنگ آمیزیاں ہیں۔

ویسے جنگوں میں کیا ہوتا ہے۔ اس کا ذکر قرآن پاک میں سورۃ نمل میں بلکہ سیاسی زبان میں یہ لکھا ہے کہ لشکر ملکوں کو تباہ کر دیتے ہیں۔ جن لوگوں نے جنگیں دیکھی ہیں۔ ان کو معلوم ہے کہ جنگوں میں عورتوں کی عزت بچانا بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے دین فطرت نے شادی یا ازدواجی رشتہ میں منسلک ہونے کی راہ کھولی۔ ہم اس لئے یہ بات نہیں سمجھ سکتے کہ حضرت عمرؓ کو حضرت خالدؓ کی لیلیٰ کے ساتھ شادی پر کوئی اعتراض ہو۔

خلیفہ اول کی حکمتِ عملی کی ایک اور جھلک

اب سلیمہ کذاب کی باری تھی۔ قاریین ذرا ذوقِ قصہ واپس جائیں اور نقشہ سوم اور چہارم پر بھی ایک نظر ڈالیں۔ خلیفہ اول نے جو گیارہ لشکر منظم کئے تھے، ان سب کی ذمہ داریاں نقشوں کی مدد سے سمجھیں۔ بہر حال، الجال ہمارا واسطہ میامہ سے ہے اور دوسرا لشکر جو حضرت عکرمہ بن ابوجہل کا تھا اس کو حکم ملا کہ میامہ کے علاقہ میں جا کر سلیمہ پر نظر رکھیں۔ لیکن اپنے آپ کو کسی جنگ یا لڑائی میں نہ الجھا دینا۔ تیسرا لشکر شرجیل بن حسنہ کا تھا جو عکرمہ رضی اللہ عنہ کے ریزرو تھے۔ اب ذرا حکمتِ عملی پر نظر دوڑائیں۔ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو گیارہ لشکر مقرر فرمائے، ان میں جناب خالد رضی اللہ عنہ کے لشکر کو چھوڑ کر باقی کام یا دشمن پر نظر رکھنا تھا یا معمولی قسم کے دشمن کے ساتھ واسطہ تھا۔ خالد رضی اللہ عنہ نے مدینہ سے نکل کر ذوقِ قصہ ہوتے ہوئے، ابرق سے ایک طرف ہو کر طے اور جدیدہ کے علاقوں سے ہوتے ہوئے بزوخا، سمیرہ، غمرہ، ظفر، سلمیٰ اور ابرق وغیرہ سے دشمنوں کو ادھیڑتے اور اکھیڑتے بطحائیک آ کر دشمنوں کو تہس نہس کرنا تھا۔ تو ظاہر ہوا کہ خلیفہ اول کی حکمتِ عملی کی کشش کا مرکز جناب خالد کا لشکر ہی تھا۔ ادھر ادھر جو لشکر بھیجے، ان میں سے کچھ کسی اور بڑی حکمتِ عملی کا حصہ تھے اور کچھ نے مرتدین کو ان کے علاقوں میں الجھائے رکھنا تھا کہ کہیں سب مرتدین اکٹھے ہو کر یا ملاپ کر کے خالد کے خلاف ایک محاذ نہ بنا سکیں۔ آپ خلیفہ اول کی حکمتِ عملی کو سمجھیں کہ ہر لشکر کی نفی اس کی ذمہ داری کے مطابق تھی۔ اور اندازہ لگائیں جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فوجی بصیرت کا، کہ ہر کام انہوں نے کس طرح ناپ و تول کے ساتھ کیا۔ ہم جو تدبیرات میں دوسروں کی نقالی میں صرف فائر بندی کے انتظار تک سوچتے ہیں اور یہی کچھ بڑے بڑے اداروں میں پڑھتے ہیں وہ ان عظیم رہنماؤں کی حربی مہارت اور بصیرت ہیں کیسے غوطہ لگا سکتے ہیں کہ ہم نے انہوں کے نقش قدم پر چلنا جو چھوڑ دیا ہے۔

چنانچہ قافلہ حق میں سے سب سے پہلے جناب عکرمہ بن ابوجہل نے سلیمہ کے ساتھ مکرئی گویا خلیفہ اول نے اس کی اجازت نہ دی تھی، کہ وہ حالات کو بہتر طور پر سمجھتے تھے۔ شاید حضرت خالد کی فتوحات کا اثر اس کے ہم عمر بھتیجا عکرمہ بن عمرو بن ہشام بن مغیرہ پر بھی ہوا۔ خالد رضی اللہ عنہ کے

ولید اور ہشام بھائی تھے۔ اور عکرمہؓ کا باپ عمرو بن ہشام جو زمانہ جاہلیت کا ابوالحکم یعنی دانائی کا باپ تھا اور آجکل اس کو ہم جہالت کا باپ یعنی ابو جہل کہتے ہیں۔ وہ جناب خالدؓ کا چچرا بھائی تھا۔ اور حضرت عمرؓ بن خطاب کی والدہ ماجدہ عکرمہؓ کی پھوپھی اور ابو جہل کی بہن تھی۔ بہر حال خلیفۃ الرسولؐ، عکرمہؓ سے سخت ناراض ہوئے اور ان کو ڈانٹ دی، کہ اس حالت میں مدینہ نہ آنا۔ شرجیل بن حسنہ کو ان کی جگہ بھیجا، اور حضرت عکرمہؓ کو حضرت حذیفہؓ اور عرفجہؓ کے پاس اومان اور مہرہ کے علاقوں میں بھیج دیا اور حکم دیا کہ اس کے بعد حضور موت میں جناب مہاجر بن امیہ کے ساتھ مل جائیں۔ ان لشکروں کی ذمہ داری نقشہ چہارم پر موجود ہے اور عکرمہؓ نے ادھر بڑی بہادری دکھائی جس کا ذکر اگلے باب میں آئے گا۔ فی الحال ہمارا مقصود یمامہ ہے اور جناب شرجیلؓ بن حسنہ کو لمبی چوڑی ہدایات دے کر خلیفہ نے یمامہ بھیجا، کہ وہ وہاں پر خالدؓ کا انتظار کریں اور یمامہ کی فتح کے بعد شام کی سرحدوں کی طرف بنو قضاعہ کے علاقوں میں جا کر حضرت عمرو بن عاصؓ سے مل جائیں وغیرہ۔ اس حکمت عملی کا ذکر دوسری کتاب میں ہے۔ لیکن شرجیلؓ نے بھی وہی غلطی کی جو عکرمہؓ کر چکے تھے۔ وہ بھی خالدؓ کے پہنچنے سے پہلے یمامہ کے ساتھ الجھ پڑے اور شکست کھائی۔ چنانچہ جب حضرت خالدؓ وہاں پہنچے تو ان سے ناراض ہوئے۔

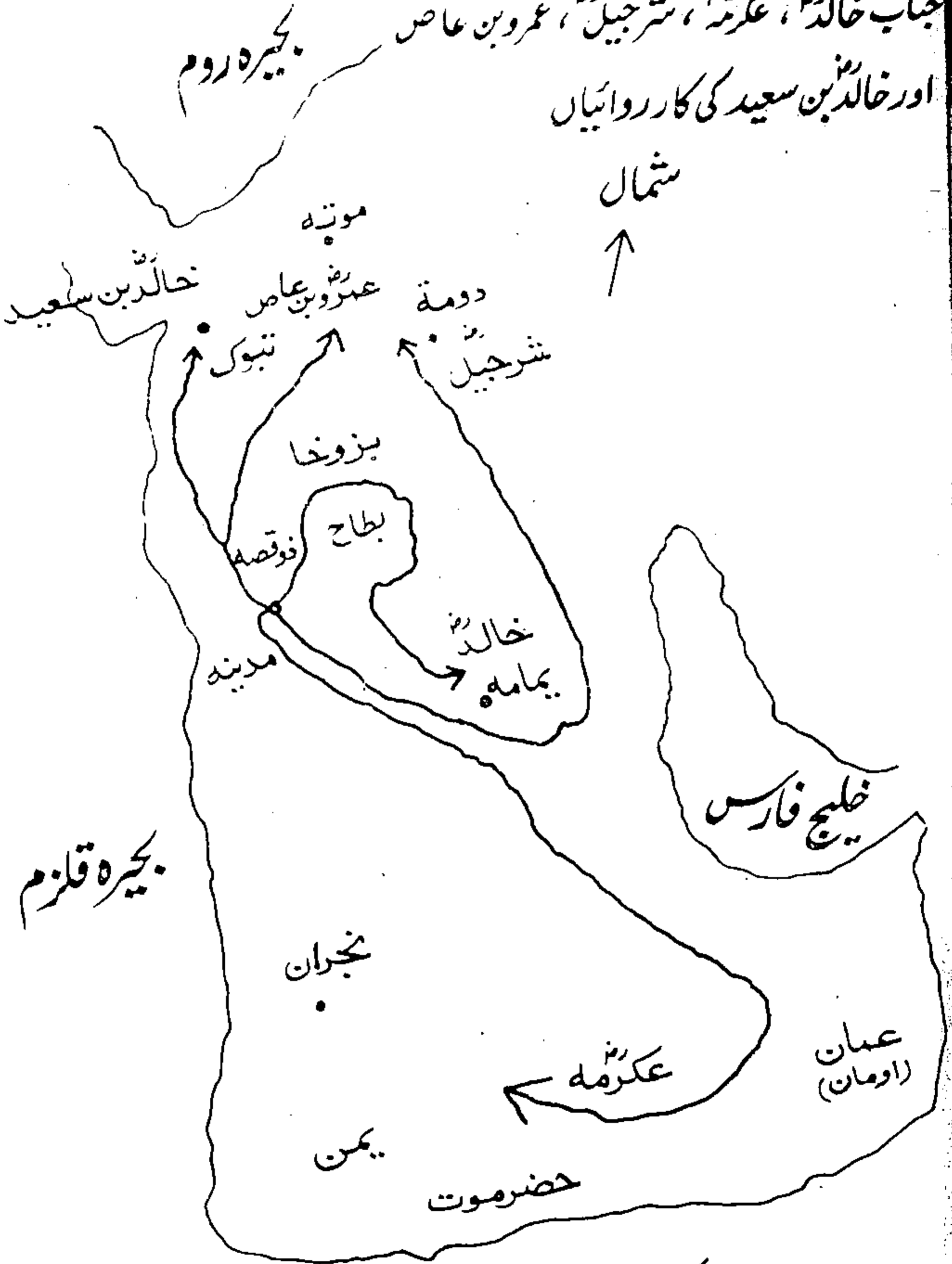
مسلمینہ کی جھوٹی نبوت

مسلم بن حبیب کا تعلق بنو حنیفہ سے تھا۔ دس ہجری میں بنو حنیفہ کا ایک وفد مدینہ آیا جس کا مختصر ذکر جلال مصطفیٰؐ میں کیا گیا ہے۔ مسلم اس وفد میں شامل تھا۔ وفد میں دو اور آدمی بھی شامل تھے جو تاریخ میں باقی رہ گئے۔ ان میں سے ایک نہار الرجال تھا جس نے مسلم کے عروج میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ دوسرا مجاعہ بن مرارہ تھا جس کے ہاتھ اور مشیت ایزدی کی وجہ سے بنو حنیفہ ایک بہت بڑی بربادی سے بچ گئے۔ کہ اس کا داؤ کا کام

نقشہ سوم . مرتدین کا ارتداد

صفحہ ۱۵۱

جناب خالدؓ، عکرمہؓ، شرجیلؓ، عمرو بن عاصؓ
اور خالد بن سعیدؓ کی کارروائیاں



شمال



موتہ

دومتہ

شرجیل

بصرہ

بطاح

فوقصہ

مدینہ

خالدؓ

بکرمہ

خلیج فارس

بحیرہ قلزم

نجران

یمن

حضر موت

عکرمہ

عمان
(اومان)

بحیرہ عرب میل ۱۵۰ ۱۵۰ ۳۰۰ ۳۵۰

آیا۔ بہر حال بنو حنیفہ کا یہ وفد جب مدینہ شریف حاضر ہوا، تو حضورؐ پاک نے ان کو تحائف بھی دیئے۔ یہ لوگ کہنے لگے کہ ان کا ایک ساتھی باہر اونٹوں کی رکھوالی کر رہا ہے۔ حضورؐ پاک نے اس کے لئے بھی ایک تحفہ دیا اور فرمایا۔ ”وہ تو ایسا نہیں کہ تم سے پیچھے رہ جائے اور تمہارے سامان کی حفاظت پر لگا رہے۔“ یہ مسلمہ تھا اور حضورؐ پاک کو نظر آ رہا تھا کہ گو غلط صورت ہوگی لیکن دن، وہ اپنی قوم کے اوپر آجائے گا۔ یعنی وہ پیچھے رہنے والا نہیں، آگے آئے گا۔ مسلمہ نے ان الفاظ کو اپنے حق میں خوب استعمال کیا۔

سہارا الرجال نے اس سلسلہ میں مسلمہ کی بہت مدد کی۔ طبری کے مطابق وہ مہاجرین میں سے تھا۔ یعنی یہ معلوم نہیں کہ وہ قبیلہ قریش میں سے تھا یا بنو حنیفہ یا کسی اور قبیلہ سے۔ لیکن ہجرت کر کے مدینہ ٹھہرا رہا اور اسلام سے اچھی طرح واقف تھا اور بنو حنیفہ کو اسلام کی طرف رغبت کیا اور پھر ان کے ساتھ وفد میں شامل ہو کر حضورؐ پاک کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضورؐ پاک نے اس کو بنو حنیفہ کے لئے مبلغ اور معلم بنا کر بھیج دیا۔ اس شخص کا بنو حنیفہ پر بڑا اثر تھا اور اسی نے شہزاد کی بنیاد رکھی اور یہ جھوٹ بانڈھا کہ (نعوذ باللہ) اس نے خود حضورؐ پاک سے سنا کہ مسلمہ کو نبوت میں ان کے ساتھ شریک کر دیا گیا ہے۔

کذاب کی جھوٹی نبوت کے اثرات

مسلمہ کی جھوٹی نبوت کا بنو حنیفہ پر عجیب و غریب اثر ہوا۔ بنو حنیفہ دنیاوی چکر میں تھے۔ ان کو جب حضورؐ پاک کی نبوت کی وجہ سے قریش اور انصار مدینہ کی شان نظر آئی تو انہوں نے صرف دنیاوی پہلو کو دیکھا۔ وہ دینِ فطرت کے فلسفہ حیات کو نہ سمجھ پائے تھے۔ انہوں نے جب مسلمہ سے سنا کہ وہ ”آدھی دنیا“ کے مالک ہو گئے ہیں تو بہت خوش ہوئے۔ اور مسلمہ نے اس قسم کا ایک خط بھی حضورؐ پاک کو لکھا۔ حضورؐ پاک نے جواب میں مسلمہ کو کذاب کے نام سے پکارا اور یہی اس کا تاریخی نام ہے۔ ویسے مسلمہ اپنے ادب پر جن آیات کے اترنے کی بات کرتا تھا وہ بالکل بیہودہ اور لغو ہوتی تھیں۔ مثلاً کبھی کبھی کی قسم اور کبھی مینڈک کی قسم۔ شاید مینڈک کی کوز کام والی بات بھی وہیں سے شروع ہوئی ہو۔ کئی باتیں طبری

غلیظ قسم کی ہوتی تھیں۔ اور کئی معمولی باتوں کو عجوبہ بنا کر پیش کیا جاتا تھا کہ بکری سیاہ اور دودھ سفید، اللہ کی قدرت ہے۔ اور دودھ میں پانی مت ملاؤ۔ وغیرہ۔ پھر حضور پاک کی نقل کرنے کی کوشش کرتا تھا جس کے چند الٹ اثرات تو اسی زمانے میں ظاہر ہو گئے اور کچھ بعد میں۔ کسی کنوئیں میں پانی کم تھا، زیادتی کی دعا کی تو مزید کم ہو گیا۔ فصلوں اور کھیتوں کی زرخیزی کی دعا کی تو وہ زمینیں بنجر ہو گئیں۔ جن بچوں کی پیدائش پر ان کے لئے دعا کی اور جہاں ہاتھ لگایا، وہ عمر بھر کا روگ بن گیا۔

اس سلسلہ میں پوری کہانیاں بیان کرنے سے مضمون بہت وسیع ہو جائے گا۔ حضور پاک آخری نبی ہیں۔ نبوت کا سلسلہ ان پر ختم ہے۔ جھوٹے نبیوں کو ایسی زلت نصیب ہونا ضروری ہے تاکہ انہیں اور باقی لوگوں کو عبرت حاصل ہو۔ پہلے زمانے میں اللہ تعالیٰ نے خدائی دعویٰ کرنے والوں کو بھی کچھ عرصہ برداشت کیا۔ پھر نمرود کے لئے حضرت ابراہیمؑ پیدا کئے اور فرعون کے لئے حضرت موسیٰؑ! جھوٹا نبی بھی خدا پر بہتان باندھتا ہے۔ اور اس جھوٹے نبی کو ختم کرنے کے لئے کوئی نبی تو نہیں آسکتا۔ اللہ تعالیٰ ان کو ذلیل کرتا ہے اور غلامانِ محمدؐ کو شرف دیتا ہے کہ اس مردود کو ختم کریں۔ اسود، طلحہ یا باقی جھوٹے نبی کچھ زیادہ اثرات پیدا نہ کر سکے۔ لیکن جن لوگوں نے ان کو ختم کیا ان کی بڑی شان ہے۔ یہ نکتہ یاد رکھیں کہ جھوٹے نبی کو ختم کرنا اور اس پر لعنت بھیجنا اور اس کو کذاب کے نام سے پکارنا یہ سب دینِ اسلام کی بڑی خدمتیں ہیں کسی جھوٹے نبی کو ماننے والا مسلمان نہیں ہو سکتا اور ایسے جھوٹے جنہوں نے جہاد کو کبھی معطل کر دیا تو ایسوں کے بارے میں علامہ اقبال فرماتے ہیں :-

وہ نبوت ہے مسلمان کے لئے برگِ حشیش

جس نبوت میں نہیں قوت و شوکت کا پیام

ولیسے تو سلیمہ کے قبیلہ کے کسی لوگ جانتے تھے کہ وہ جھوٹا ہے۔ لیکن قبائلِ حسد کی وجہ سے

دنیاوی چکر میں پڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک طلحہ نے تو اس کے منہ پر کہہ دیا تھا کہ تم جھوٹے

ہو اور محمدؐ برحق نبی ہیں۔ لیکن اپنے قبیلہ کا جھوٹا نبی، قریش کے سچے نبی سے بہتر ہوتا ہے۔ یہی

وجہ ہے کہ یہ بد قسمت انسان اپنے اس حسد کی وجہ سے جنگِ یمامہ میں سلیمہ کذاب کے ساتھ

ہی جہنم واصل ہوا۔ مسلمہ میانہ قد کا تھا اور بدنی طور پر مضبوط آدمی تھا۔ اُس کی ناک چلپی تھی اور یہی اس کی پہچان تھی۔ ویسے حضور پاک نے فرمایا تھا کہ ایک شیطان ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے۔ اور جب شیطان اس کے پاس آتا تھا تو مسلمہ کی عجیب حالت ہو جاتی تھی۔ مُنہ سے جھاگ بہنے لگتی تھی۔

جنگِ یمامہ - طرفین کی تیاریاں

پرانے نقتوں میں بھی یمامہ کو ایک شہر کے طور پر دکھایا گیا ہے۔ جہاں مسلمہ کا ہیڈ کوارٹر تھا یہ سارا علاقہ موجودہ ریاض کے نزدیک ہے۔ اور مسلمہ کا قبیلہ بنو حنیفہ اسی علاقے میں آباد تھا بطاح یا بطحا سے یمامہ کو جو راستہ آتا ہے وہ وادی حنیفہ میں عقربہ کے نزدیک سے داخل ہوتا ہے اور وہ جگہ وہاں سے تقریباً پچیس میل دور ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بنو حنیفہ جنگ و جدل کے معاملات کو خوب سمجھتے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اسلامی لشکر وادی کے اندر داخل ہو کر ان کے آباد علاقے اور زرخیز زمینوں سے فائدہ اٹھائے۔ چنانچہ مسلمہ ایک لشکرِ جرار کے ساتھ، جس کی تعداد چالیس ہزار کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے۔ اپنے ہیڈ کوارٹر کو چھوڑ کر عقربہ پہنچ چکا تھا۔ وہاں پوزیشن میں ہونے کا ایک فائدہ یہ تھا کہ اگر حضرت خالدؓ راستے سے ہٹ کر آگے بڑھتے تو مسلمہ ان کے بائیں بازو پر وار کر کے ان کو اپنی مرضی کی جگہ اور وقت پر لڑائی لڑنے کے لئے مجبور کر سکتا تھا۔ حضرت خالدؓ کو اس چیز کی خبر مل چکی تھی۔ انہوں نے وادی والے راستے سے ہٹ کر جبلہ شہر کی مخالف سمت میں ایک اونچی زمین پر پوزیشن اختیار کر لی۔ یہاں سے عقربہ کا میدان ممکن طور پر نظر آتا تھا

اسلامی لشکر

حضرت خالدؓ کے لشکر کی تعداد تقریباً تیرہ ہزار بتائی جاتی ہے اور یہ بھی اندازہ ہے کہ

۱۔ جنگ کے اس طریقہ کار کو عملی طور پر سمجھنے کے لئے جلال مصطفیٰؐ کے دوسرے باب میں حضور پاک کی تجویز اور کارروائی کو غور سے پڑھیں۔ خاص کر صفحہ ۸۷ اور جنگ کے اسباق پر نظر ڈالیں۔

حضرت خالدؓ نے چار ہزار کے لشکر کے ساتھ کارروائی شروع کی اور طلحہ کے ساتھ مقابلے کے وقت تعداد چھ ہزار تک پہنچ چکی تھی۔ یہ تعداد آگے بڑھتی گئی اور مدینہ شریف سے مکہ کے ساتھ بطحا کی کارروائی تک یہ تعداد کوئی دس ہزار کے قریب تھی۔ جناب مشرجیلؓ کا لشکر شامل کر کے کل تعداد تیرہ یا چودہ ہزار کے لگ بھگ ہو جاتی ہے۔ یہی دینِ فطرت کی اہم بات ہے کہ بامقصد جنگ میں فتح کا اختتامی مقام اس طرح ترقی کرتا جاتا ہے اور اہل حق کی تعداد بڑھتی رہتی ہے۔ جناب خالدؓ کے لشکر میں صحابہؓ بدر سے جناب سلیطؓ بھی تھے جو آگے جا کر جسر کی جنگ میں شہید ہوئے۔ خلیفہ اول صحابہؓ بدر اور عمر رسیدہ صحابہ کرامؓ کو مدینہ شریف میں رکھا کرتے تھے کہ اول ان کو آرام ملے کہ انہوں نے مشکل وقت گزارا تھا۔ اور دوم نوجوانوں کو مواقع مہیا کئے جائیں کہ انہوں نے دنیا فتح کرنا تھی۔ حضرت عمرؓ نے تبدیلی کر دی کہ ان بزرگوں کو محاذ پر مشیر کے طور پر مامور کر دیا کہ نوجوانوں کو نزدیک سے صلاح میسر ہو سکے۔

حضرت خالدؓ کے لشکر میں خلیفہ اول کے بیٹے عبدالرحمنؓ اور حضرت عمرؓ کے بیٹے عبداللہؓ شامل تھے اور ان کے چچا زید بن خطاب بھی تھے۔ صاحب اُحد اور حضور پاکؐ سے تلوار حاصل کرنے والے جناب ابودوحانہؓ بھی تھے۔ جنگ اُحد میں حصہ لینے والی مشہور صحابہ ام عمارہؓ بھی تھیں اور جنگ اُحد کے عظیم شہید اسد اللہ جناب حمزہؓ پر نیزہ پھینکنے والا وحشیؓ بھی آج لشکر اسلام میں شامل تھا اور لطف کی بات یہ ہے کہ جنگ اُحد میں کفار کے سالار جناب ابوسفیانؓ کے بیٹے اور ام المؤمنین ام حبیبہؓ کے بھائی جناب امیر معاویہؓ بھی اسلامی لشکر میں شامل تھے۔ ویسے متعدد حفاظ اور صحابہؓ لشکر اسلام میں اللہ اور رسولؐ کے نام پر اپنی جان عزیز جان آفریں کو پیش کرنے پر تیار تھے۔ اصحاب بدر سے جناب ابو حذیفہؓ اور سالمؓ بھی تھے۔

تبصرہ

ذرا ان حالات کا اپنے زمانہ سے موازنہ کریں۔ کچھ صاحبان ہیں جن کے لحاظ سے فوج

لے تفصیل کے لئے جلال مصطفیٰ صفر ۸۹ سے استفادہ کریں۔

ایک پیشہ ہے اور صرف کچھ "تنخواہ دار سپاہی" ہی قربانی کے لئے پیش کئے جاسکتے ہیں۔ وہ بے چارے تو بے گناہ ہیں اور دشمن بڑا ظالم ہے جو ان کو بھی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ مرزا غالب والی بات بھی ان کو پسند نہیں کہ ان کے آباء شائد فن سپاہ گری کی شد بد رکھتے تھے۔ کچھ لوگ قلمی جہاد کرتے ہیں اور کچھ زبانی کلامی جہاد میں مصروف ہیں۔ کچھ لوگ صرف داد دینے اور تالیاں بجانے تک جانے کو تیار ہیں اور جو پیشہ غیروں کے زمانے میں بھی معزز سمجھا جاتا تھا، اس پیشہ کو اختیار کرنے کو لوگ تیار نہیں۔ یہاں تک کہ جہاد کو کچھ علماء نے جدوجہد کے معنی پہنادیئے۔ اور چودہ سو سال سے ہمارے پاس جو جہاد کا ایک کاری ہتھیار موجود تھا، اسے کسی نے فقہ کے تابع کر دیا اور کسی نے "کوشش" کے معنی پہنکا کر جہاد کو نہتہا کر دیا۔

مسلمہ کی فوج

جیسے پہلے ذکر کیا جا چکا ہے مسلمہ کی فوج کوئی چالیس ہزار ہوگی۔ البتہ جنگ سے پہلے مسلمہ کا ایک جرنیل مجاہد بن مرارہ اپنے چالیس جوانوں کے ساتھ حضرت خالدؓ کے لشکریوں کے ہتھے چڑھ گیا۔ وہ کسی قبیلہ پر چھپا پہ مارنے گئے تھے اور بے خیری اور سوتے میں گرفتار ہوئے۔ جب وہ خالدؓ کے سامنے پیش ہوئے تو انہوں نے مسلمہ کے بھی پیغمبری میں حصہ داری کو اپنا ایمان سمجھا، تو خالدؓ نے مجاہد کو چھوڑ کر سب کے سر قلم کرادیئے۔ مجاہد شائد حالات کی نبض شناسی میں کچھ مدد دے سکے۔ مسلمہ کو نفری میں برتری حاصل تھی۔ لیکن مسلمانوں نے جنگ میں جو مہارت حاصل کر لی تھی اس وجہ سے مسلمہ مسلمانوں کے خلاف کسی جارحانہ کارروائی کے بارے کچھ سوچ بھی نہ سکتا تھا۔ چنانچہ مسلمہ نے اپنی فوج کی دفاعی صف بندی کی۔ میمنہ پر محکم بن طفیل اور میسرہ پر رجال اور درمیان میں کذاب خود تھا۔ عقربہ کا میدان ان کی کھلی طرف تھا، جس میں ایاز کا باغ تھا۔ فوج کی صف بندی جبیلہ شہر کے مشرق اور مغرب کی طرف تھی اور وہ مسلمانوں کے حملہ کے منتظر تھے۔ پہلے دو موقعوں کی طرح ان کو امید تھی کہ کامیاب دفاع کے بعد وہ جوابی حملہ کر کے اپنی کارروائی کو جارحانہ شکل میں تبدیل کر سکیں گے۔

اسلامی لشکر اور اللہ تعالیٰ کا ذکر

اتنا بڑا اسلامی لشکر اس سے پہلے کبھی کسی لڑائی میں شرکت نہ کر سکا تھا۔ مسلمانوں نے ساری رات عبادت اور دعاؤں میں گزار دی۔ حضور پاک کی وفات کے بعد یہ پہلی بہت بڑی لڑائی تھی۔ مسلمان اللہ کے ذکر میں بھی مصروف رہے اور انہوں نے اپنے لئے لڑائی کا نعرہ "یا محمد" تجویز کیا۔ یہ اس لئے ضروری تھا کہ جھوٹے نبی کے پیروکاروں کے مقابلے میں اپنے نبی کے برحق ہونے کی صدا سے طاقت حاصل کی جائے۔ ایسے نعروں سے طاقت حاصل کرنے کو وہ انسان بہتر سمجھ سکتا ہے۔ جس نے جنگ میں شرکت کر کے یہ تجربہ اپنایا ہو۔ حملہ کرنے وقت ایسے نعروں کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن دفاع میں بھی یہ نعرے ایک اور چھپٹ کے لئے تیار کر دیتے ہیں۔

اسلامی لشکر کی صف بندی

حضرت خالدؓ خود لشکر کے درمیان میں اسلام کے علم کے سایہ میں کھڑے تھے۔ میمنہ پر زید بن خطابؓ تھے اور میسرہ پر ابو حذیفہؓ اس دفعہ قبائل کو آپس میں شہ و شکر کرنے کے لئے یک جا کر دیا گیا تھا۔ اور ہر چھوٹے دستے کے امیر تلواریں اپنے ہاتھوں میں لئے دستوں کے آگے چکر لگا رہے تھے۔ قرآن پاک کی آیات بلند آواز سے پڑھ رہے تھے کہ حق آگیا اور باطل مٹ گیا۔ بے شک باطل مٹنے کی چیز ہے۔

قبضے میں یہ تلوار بھی آجائے تو مومن

یا خالدؓ جاننا رہے یا حیدرؓ گزار (اقبال)

اسلامی لشکر کا حملہ

شوال کا مہینہ تھا اور موسم سرما شروع ہو چکا تھا۔ موسم کے لحاظ سے اس زمانے میں سردی شوال

ذی قعد میں شروع ہوتی تھی۔ ایک صبح مسلمان اللہ اکبر کے نعروں سے مرتدین پر حملہ آور ہو گئے اور نعرہ تکبیر سے وادی حنیفہ کی فضا میں گونج اٹھیں۔ حضرت خالدؓ از خود لشکر کے درمیانی حصہ کی قیادت فرما رہے تھے اور بازوؤں پر جناب زیدؓ اور ابو حذیفہؓ تھے۔ مسلمانوں کا حملہ بھرپور اور بڑے زور شور کا تھا۔ لیکن مرتدین نے مصنوعی چٹان کی طرح مقابلہ کیا۔ مسلمان ان کی صفوں میں گھس گئے اور کئی مرتدین کو واصل جہنم کیا۔ لیکن تین گنا زیادہ تعداد والے دشمن پر اس حملے کے اثرات کچھ زیادہ نہ ہو سکے۔ سلیمہ اور اس کا قبیلہ بھی جنگ کے ماہر تھے اور مسلمانوں کو ہوازن اور ثقیف کے بعد پہلی دفعہ عرب کے ایک بہت بڑے جنگجو قبیلہ کے ساتھ واسطہ پڑا تھا۔ مسلمانوں کے حملہ کا زور ٹوٹ گیا۔ سلیمہ حالات کو بھانپ گیا۔ اور اس نے جوابی حملہ کر دیا۔ اور طاقت و نفری کی برتری کی وجہ سے بنو حنیفہ مسلمانوں کو بہت پیچھے دھکیلنے میں کامیاب ہو گئے۔ بے شک مسلمان جذبہ اور تدبیرات میں اپنا مقام نہ رکھتے تھے۔ لیکن بنو حنیفہ تعداد اور سلیمہ کے وعدوں کی امید پر سردھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھے۔

مسلمانوں کا دوسرا حملہ

مسلمان دستے کافی پیچھے ہٹ گئے اور بنو حنیفہ کو ڈر تھا کہ یہ کوئی چال نہ ہو۔ اس لئے انہوں نے مسلمانوں پر زیادہ دباؤ نہ ڈالا۔ اللہ تعالیٰ نے بڑا اچھا موقع دیا اور اس دوران مسلمانوں نے قبائل پھر الگ الگ کر دیا۔ اس تبدیلی نے مسلمانوں کو تازہ دم کر دیا۔ اسلام نے دلوں کو جوڑ دیا تھا۔ لیکن خون کے رشتہ اور قرابت داری کا بھی مقام ہے۔ جب عقیدہ ایک ہو، وحدت اللہ کے نام پر ہو تو پھر قرابت داری سونے پر سہاگہ ہوتی ہے۔ ویسے بھی ایک دوسرے کو جاننے کا فائدہ ہوتا ہے۔ جیسے ایک سیکشن یا پلٹون کے جوان ایک دوسرے کے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ تو مسلمانوں نے اس حملہ کے ساتھ اللہ اکبر اور یا محمدؐ کے پرجوش نعروں لگائے۔ حضرت خالدؓ نے اپنے گرد کچھ جنگجو اکٹھے کئے اور ان کا ریلہ "بنا کروہ درمیان میں دشمن کی صفوں میں

لے جنگ خندق بھی ایسے ہی موسم میں ہوئی۔ جلال مصطفیٰ ایتسرا باب سے استفادہ کریں۔

گھس گئے۔ واپس بازو سے حضرت زید نے آگے بڑھ کر رجال کا خاتمہ کر دیا۔ اور مسلمانوں کے حالات تبدیل ہوتے ہوئے نظر آئے۔ کفار پیچھے ہٹ رہے تھے اور جناب خالدؓ نے مبارزت طلبی شروع کر دی۔ بنو حنیفہ کے کئی جوان آگے بڑھے۔ لیکن پک جھپکنے میں باری باری واصل جہنم ہوئے۔ سلیمہ خود جنگ میں کوئی حصہ نہ لے رہا تھا۔ حضرت خالدؓ چاہتے تھے کہ کس طرح سلیمہ کے نزدیک پہنچ کر مبارزت طلبی سے یا حملہ کر کے اس کا خاتمہ کر دیں کہ اس طرح سے دشمن کی طاقت کا مرکز ختم ہو جاتا۔

حضرت خالدؓ آگے بڑھتے بڑھتے سلیمہ کے کافی قریب پہنچ گئے۔ لیکن سلیمہ مبارزت کے لئے آگے نہ آ رہا تھا۔ حضرت خالدؓ نے بات چیت کے بہانے سے سلیمہ کو آگے بلایا۔ لیکن سلیمہ کا شیطان اس کے کام آیا اور سلیمہ منہ پھیر کر بھاگ گیا۔ سلیمہ بچ تو گیا لیکن بنو حنیفہ نے جب دیکھا کہ ان کا جھوٹا پیغمبر اللہ کی تلوار کے سامنے نہ ٹھہر سکا تو ان کے حوصلے پست ہو گئے۔ جہاں وہ لڑ رہے تھے وہاں خون کی ندیاں بہ چکی تھیں۔ اور جنگ کے بعد وہاں دشمن کی سات ہزار لاشیں گنی گئی تھیں۔ ان حالات میں سلیمہ کے مہینہ والے کمانڈر محکم بن طفیل نے تمام لشکر کو حکم دیا کہ وہ ایاز کے باغ میں پناہ لیں اور وہ خود ان کے لئے ریئر گارڈ کا کام کرنے لگا۔ محکم اس لڑائی میں خود کھیت رہا اور دشمن کے کافی لوگ واصل جہنم ہوئے یا تتر بتر ہو گئے۔ لیکن تیسرا حصہ باغ میں پہنچ گیا۔ وہ باغ قلعہ نما تھا، اس کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ محکم کا سر، خلیفہ اول کے بیٹے عبدالرحمنؓ کو قلم کرنے کا شرف حاصل ہوا۔

ایاز کا باغ

دوپہر کا وقت تھا اور مسلمان یہ نہیں چاہتے تھے کہ لڑائی اس دن ختم نہ ہو کہ کفار رات کے اندھیرے میں باغ کی دیواروں کو توڑ کر نکل سکتے تھے۔ اور پھر کسی جگہ ملک کے ساتھ اکٹھے ہو جاتے اور سلیمہ والا قصبہ ختم نہ ہوتا۔ مسلمانوں کے پاس محاصرہ یا قلعہ بند علاقے کو توڑنے کا کوئی سامان موجود نہ تھا۔ مشہور محدث اور حضور پاکؐ کے خدمت گار جناب انسؓ بن مالک کے بڑے بھائی براہنؓ بن مالک کو عجیب سوجھی کہنے لگے کہ ان کو اٹھا کر باغ کے اندر پھینک دو۔ پہلے تو لوگ نہ مانے لیکن آخر جب ان کی بات مانی

گئی تو وہ دشمن کے سروں پر ایک "آفتِ ناگہانی" کی طرح اس طرح گرے کہ دشمن ڈر گئے اور جناب
برائے دوڑ کر قلعہ کے دروازے کھول دیئے اسلامی لشکر کے مجاہد باہر منتظر تھے۔ وہ پانی کے ریلے کی
طرح اندر داخل ہو گئے۔

مسلمان باغ میں تو داخل ہو گئے۔ لیکن ظاہر ہے وہ تنگ محاذ یا جگہ پر لڑ رہے تھے اور پھیلاؤ اختیار
کرنے کے لئے ان کو عظیم قربانیاں دینا پڑیں۔ حرکت کی زیادہ گنجائش نہ تھی۔ مسلمانوں کی تمام نر تدمیرات
اور ہر حرکت کے ارد گرد گھومتا تھا اور یہ حرکت وہ تلواروں اور نیزوں کی مدد سے کر رہے تھے اور دشمن
کو نہ تیغ کر کے آگے بڑھتے جلتے تھے۔

مسلمہ کا خاتمہ

مرتدین کو مسلمہ کی ذات پر بڑی امیدیں تھیں۔ اس نے ان کو بڑے سبز باغوں کی امیدیں دلار کھی تھیں
اس لئے وہ دوڑ دوڑ کر اس کے ارد گرد آتے اور پوچھتے۔ مسلمہ اور زیادہ سختی سے لڑنے کا حکم دیتا تھا۔
وہ جانتا تھا کہ شکست میں اس کی موت ہے تو اس لئے لڑنے میں ہی کچھ امید تھی کہ شاید شکست سے
بچ جاویں۔ مسلمان طاقت کی کشش کے اس مرکز کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ اور ہر مسلمان کی خواہش تھی کہ وہ
اس مردود کو اصل جہنم کرے۔ لیکن وحشیؓ، حضرت ابو دجانہؓ اور جناب ام عمارہؓ تینوں مسلمہ
کے کافی نزدیک پہنچ گئے۔ ام عمارہؓ، مسلمہ پر وار کرنے ہی والی تھیں کہ ایک مرتد نے وار کر کے
آپ کا بازو کاٹ دیا اور آپ کے لڑکے ادھر منوجہ ہو گئے پہلے اس مردود کا خاتمہ کیا۔ پھر کسی طرح وحشیؓ
کو موقع مل گیا اس نے ناک کر مسلمہ پر نیزہ پھینک دیا۔ جو اس کے پیٹ میں گھس گیا۔ مسلمہ ادھر منوجہ ہوا
تو جناب ابو دجانہؓ نے آگے بڑھ کر اس کا سر کاٹ دیا۔ اور جیسے ہی یہ اعلان فرما رہے تھے تو ایک مرتد نے
بے خبری میں جناب ابو دجانہؓ کو بھی شہید کر دیا۔ مسلمہ کے سر کاٹ جانے سے مرتدین دل چھوڑ گئے۔ لیکن
باغ سے باہر راستہ نہ تھا پس کشتوں کے پشتے لگ گئے اور جنگ بڑی مشکل سے شام کو جا کر ختمی۔

مرتدین کی شکست

اللہ کی شان ہے وہی وحشیؓ جس نے کفر کی حالت میں اسلام کے عظیم مجاہد جنگوں کے دولہا،

اللہ کے شیر حضور پاک کے چچا اور رضاعی بھائی، امارہؓ کے والد خاندان ہاشم کے درخشندہ ستارے، اسلام کے اول علمبردار اور علم حاصل کرنے والے کو شہید کیا تھا اب اسلام کی آغوش میں آنے کے بعد کذابوں کے باپ اور پہلے بڑے کذاب کو اسی نیزہ سے واصل جہنم کیا۔ وحشیؓ نے بعد میں شام و فلسطین کی جنگوں میں شرکت کی تھی۔ اور لوگوں کو دونوں واقعے سنایا کرتا تھا۔ ایک طرف حضرت حمزہؓ کی زوالی شان اور دوسری طرف سلیمہ کی شیطنت عجب تضاد تھا اُم عمارہؓ نے مسلمان صحابیات کے ناموں کو چار چاند لگا دیئے اور ان کی کارروائی میں ہماری عورتوں کے لئے سبق ہے کہ عورت کو اسلام نے جو مقام دیا ہے وہ فطرت کے تقاضوں کے مطابق ہے۔ میدان جنگ میں مجاہدہ بن کر بھی وہ چار دیواری اور چادر میں موجود رہ سکتی ہے۔ وہ لوری دے کر عظیم مجاہد پیدا کرتی ہے۔ اس کا اسلام میں اعلیٰ اور ارفع مقام ہے۔

مرتدین کو شکست فاش ہوئی۔ ویسے جنگ میں طرفین کا بھاری جانی نقصان ہوا۔ اور بنو حنیفہ کے تقریباً سب مشہور سردار مارے گئے۔ مجاہد کو ساتھ لے کر حضرت خالدؓ نے میدان جنگ کا چکر لگا یا جولاٹھوں سے بھرا پڑا تھا مجاہد لوگوں کو پہچان کر حضرت خالدؓ کو بتا رہا خیال ہے کہ جنگ کے پہلے مرحلہ میں کوئی سات ہزار کے قریب مرتدین اور اتنے ہی یا اس سے کچھ زیادہ مرتدین، دوسرے مرحلہ میں یعنی باغ کے اندر مارے گئے۔ جنگ میں شاید ہی کوئی مسلمان مجاہد ہو گا جو زخمی نہ ہو اور لیکن شہداء کی تعداد کوئی بارہ سو کے قریب تھی۔ ان میں متعدد صحابہ کرامؓ اور تین سو حفاظ قرآن شامل تھے۔ روایت ہے کہ اتنے حفاظ کی شہادت کی خبر سن کر جناب ابوبکر صدیقؓ نے قرآن پاک کو جمع کر کے تحریری شکل دی۔ ویسے اس زمانے میں بے حساب صحابہؓ قرآن پاک کو سینہ میں محفوظ کئے ہوئے تھے اور حصوں میں تو تقریباً سب کو اذہر تھا۔

مسلمان شہداء اور لشکر کی حالت

حضرت ابو دجانہؓ کے علاوہ بازوؤں کے دونوں مسلمان امیر جناب زیدؓ اور جناب ابو خلیفہؓ بھی شہید ہوئے اور عظیم صحابی جناب ثابتؓ بھی۔ ویسے مسلمان مجاہد تنگ کر چور ہو چکے تھے۔ شام کے بعد جس نے جدھر سر رکھا ادھر ہی سو گیا۔ حضرت خالدؓ لشکر کی حالت کو بھانپ چکے تھے۔

اور بنو حنیفہ کا مجاہد بھی بھانپ چکا تھا۔ اس لئے مجاہد نے داؤ کھیلا۔ کہنے لگا یہ فتح آپ لوگوں کو مہنگی پڑی ہے۔ کہ پیامہ کا بڑا لشکر ابھی قلعہ میں موجود ہے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ جیران ہوئے اور اپنے لشکر کی حالت کو مد نظر رکھتے ہوئے کچھ نرم شرط پر صلح کے لئے تیار ہو گئے۔ کہ تمام ہتھیار مسلمانوں کے حوالے کر دیئے جائیں اور جنگ کا تاوان بھی لیکن صرف آدمی آبادی کو آزادی ہوگی۔ مجاہد نے وعدہ کیا کہ وہ یہ شرطیں لے کر قلعہ میں جائے گا اور نیچے کھچے سرداروں سے مل کر کوئی فیصلہ کرے گا۔ مجاہد نے قلعہ کے اندر جا کر تمام عورتوں کو مردانہ لباس پہنا کر قلعہ کی دیواروں پر بٹھا دیا اور واپس آ کر شرطیں اور نرم کرنے کے لئے کہا۔ جناب خالد نے اتنے آدمی قلعہ کی دیواروں پر دیکھے تو انہوں نے شرائط نرم کر دیں اور قلعہ کے سب لوگوں کو آزاد کر دیا اور سمجھوتہ ہو گیا۔

جناب خالد کو مجاہد کے داؤ کا پتہ چلا تو غصہ ضرور آیا لیکن مسلمان وعدہ کا پابند ہوتا ہے۔ انہی دنوں خلیفہ اول کا خط آیا جنہوں نے لکھا تھا کہ بنو حنیفہ میں جو لوگ اسلام میں داخل نہ ہوں ان کو معاف نہ کرنا لیکن خالد رضی اللہ عنہ قلعہ کے اندر والے لوگوں کو امان دے چکے تھے۔ خلیفہ اول کو پورے واقعہ سے آگاہ کیا تو انہوں نے بھی فرمایا کہ وعدہ ضرور پورا کیا جائے۔ بہر حال یہ امان قلعہ کے اندر کے لوگوں کے لئے تھی نہ کہ ساری دادی یا علاقہ کے لئے۔ قفقاز ختم ہونے کے بعد مجاہدوں نے دور دور تک بنو حنیفہ کے لوگوں پر چھاپے مار کر پورے علاقہ کو سر کر لیا۔

حضرت خالد کی شادی

جنگ پیامہ سے چند دن بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے مجاہد کی ایک لڑکی کے ساتھ شادی کر لی۔ اس بات پر بھی مورخین نے کچھ رنگ آمیزی کی ہے کہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جناب خالد رضی اللہ عنہ سے باز پرس کی اور ان کو لکھا کہ تمہارے شہداء کا خون ابھی خشک نہیں ہوا۔ اور تمہیں شادی کو سوچھی۔ ہمارا ایک مبصر اس پر مزید تبصرہ کرتا ہے کہ جناب خالد رضی اللہ عنہ کو جب یہ خط ملا تو اس نے کہا کہ یہ سب اعیمر ربیعہ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شرارت ہے۔ تاریخ ابن اسحاق میں جناب خالد رضی اللہ عنہ کے ایسے الفاظ بالکل موجود نہیں۔ البتہ خط کا ذکر ہے۔ لیکن اس کے بھی راوی کا ذکر نہیں۔ اول تو پیامہ میں چودہ ہزار آدمی مارے گئے۔ اور کئی جوان عورتوں کے لئے خاوند بھی نہ ملتے تھے۔ چنانچہ جناب خالد رضی اللہ عنہ نے اچھے نسب کی

لڑکیاں مدینہ شریف بھیجیں جن میں ایک خولہ بھی تھیں جو ایک سردار جعفر بن قیس کی بیٹی تھیں۔
 انہی دنوں جناب فاطمہؓ کی وفات ہوئی تھی اور جناب ابوبکرؓ نے فرمایا کہ ہمارے ہاں سردار
 حضور پاکؐ کا خاندان یعنی بنو ہاشم ہیں۔ تو یہ لڑکی خولہ جناب علیؓ کی زوجیت میں جائے گی حضرت علیؓ
 نے منظور فرمایا۔ لیکن جناب خولہؓ نے کہا کہ شرط یہ ہے کہ بیٹا میرے خاندان کے نام پر ہوگا۔ جو حضرت علیؓ
 نے منظور کیا۔ تب ہی آپؐ کے بیٹے کا نام محمد بن حنیفہ ہے۔ جن کی اولاد محمود غزنویؒ کے لشکر کے
 ساتھ مجادیہ پر حملہ آور ہوئی اور محمود غزنویؒ نے انہیں کوہستان نمک میں آباد کر دیا۔ اور موجودہ
 علوی یا اعوان قبائل انہی کی اولاد سے ہیں۔ اب جناب ابوبکرؓ، جناب خالدؓ کی شادی پر کیسے
 اعتراض کرتے اور حضرت عمرؓ ان کو بھلا کیوں بہکاتے۔ خود حضور پاکؐ نے جنگ خیبر کے بعد شادی
 کی تھی۔

جنگ یمامہ کے نتائج و اسباق

۱۔ جناب خلیفہ اول نے جنگ کے بعد جناب خالدؓ کو حکم دیا کہ اس علاقے کے انتظام کو بہتر کریں۔
 مجاہدین کو چھٹیاں دیں اور جناب شرجیل بن حسنہ کے لشکر کو اپنے اگلے مشن پر روانہ کر دیں۔ جو بنو قضاعہ
 اور حضرت عمرو بن عاصؓ کے علاقہ میں ہے۔ اس طرف جناب صدیق اکبرؓ تک شام و فلسطین میں اسلام
 کا پرچم بلند کرنے کی حکمت عملی بنا رہے تھے۔

۲۔ سرزمین عرب میں مرتدین کے قلع و قمع کے لئے خلیفہ اول نے جس حکمت عملی کا اعلان کیا، اس
 کے تحت مسلمہ کا خاتمہ ہی سب سے بڑا اور اہم کام تھا جو خوش اسلوبی اور ایک باقاعدہ تدبیر کے
 ساتھ نبھایا گیا۔ اب جناب خالدؓ لکھ حکم کے منتظر تھے۔

۳۔ کلاسوٹز اور باقی مغربی مفکرین اور ماہرین کی جنگ کی کتابیں پڑھ لیں ان میں صاف لکھا ہوا ہے
 کہ حملہ یا جارحانہ کارروائی جیسے آگے بڑھتی ہے اس کی شدت میں کمی آجاتی ہے اور فتح کا افتتاحی مقام
 آجاتا ہے جہاں کوئی امن کا معاہدہ ہو جاتا ہے یا شکست سے ایک اور جنگ پیدا ہوتی ہے جو سخت تبدیل
 کر دیتی ہے وغیرہ لیکن دین فطرت میں جارحانہ کارروائی یا حملہ جیسے آگے بڑھتا جاتا ہے اس میں طاقت
 پیدا ہوتی جاتی ہے۔ اور جب تک مسلمانوں نے با مقصد جنگ کو مد نظر رکھا دنیا کی کوئی طاقت ان کو نہ

روک سکی۔ وجہ یہ تھی کہ وہ خود دینِ فطرت کے فلسفہ حیات پر عمل کرتے تھے اور یہی فلسفہ آگے پیش کرتے تھے۔ مدینہ سے پیام تک کے حالات اس کے ثبوت میں جاتے ہیں۔

۴۔ مسلمانوں نے برتر نفی والے دشمن کے خلاف یہ کامیا بیاں اس لئے بھی حاصل کر لیں کہ حضور پاک ﷺ سے سیکھے ہوئے طریقے کے مطابق حکمت عملی وضع کی اور اپنی تدبیرات کو اس حکمت عملی کے تابع کیا جو متحرک طرزِ جنگ تھی۔ تمام تر تجاویز کو اس کے مطابق ڈھالا اور کامیا بیاں حاصل کیں۔

۵۔ سارا عرب، مسلمانوں کا دشمن ہو چکا تھا۔ شمال میں رومی اور غسانی قبائل دشمن تھے لیکن ایسی حکمت عملی کا تعین کیا گیا کہ دشمنوں کو اکٹھا ہی نہ ہونے دیا۔ ہر سمت میں ضرورت کے مطابق لشکر بھیج کر دشمنوں کو الجھائے رکھا یا ان پر نظر رکھی اور اس طرح مرتدین کی بڑی طاقتوں کے قلع قمع میں آسانی ہوئی۔

۶۔ جھوٹی نبوت کا جو فیشن ہو گیا تھا۔ وہ مسیہ کے عبرت ناک انجام اور بنو حنیفہ کی سزا کی قسم کی قربانی کے بعد ختم ہو گیا۔ اس کے بعد وہاں پر کسی جھوٹے نبی کے بارے میں کم ہی سننے میں آیا۔

۷۔ اسلامی فلسفہ حیات اپنانے سے قبیلہ قریش اور انصارِ مدینہ کو ایسی شان حاصل ہو گئی۔ جس سے پورے عرب میں ان کے نام کا طوطی بولنے لگا۔ طبری میں ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ عمرو بن عاص بغاوت کے شروع کے زمانوں میں کسی سفر سے واپس آئے۔ وہ بڑے سنجیدہ تھے اور حالات کو بھانپنے کا ملکہ رکھتے تھے۔ جناب فاروقِ اعظم نے سوچا کہ ان سے مل کر باہر کے حالات کا پتہ کریں۔ جب آپ حضرت ابن عاص کے پاس پہنچے تو عظیم صحابہ کا ایک حلقہ آپ کے گرد موجود تھا۔ جس میں جناب عثمانؓ، جناب علیؓ، جناب طلحہؓ، جناب زبیرؓ، جناب عبدالرحمنؓ اور جناب سعدؓ تقریباً سب عشرہ مبشرہ والے اصحاب بیٹھے تھے۔ اور واقعات پر تبصرہ کر رہے تھے۔ حضرت عمرؓ کو دیکھ کر کچھ خاموش ہو گئے۔ جناب فاروقِ اعظمؓ سمجھ گئے کہ کچھ فکر مندی کی باتیں ہو رہی ہیں۔ آپ فرمانے لگے: اسلام کی

علا جلال مصطفیٰ کی ہر جنگ میں اس پہلو کو نتائج کے اثرات سے واضح کیا گیا ہے اور شروع سے پیش لفظ میں صفحہ ۲۵ اور جنگِ بدر میں صفحہ ۶۳ میں یہ جھلک دی گئی ہے۔ ویسے ساری کتاب میں جگہ

سباق ملتے ہیں۔

وجہ سے قریش اور انصار کو جو اعلیٰ مقام حاصل ہوا ہے وہ انشاء اللہ ابد تک قائم رہے گا۔ چنانچہ جنگِ پیام
اس پیش گوئی کی بنیاد ثابت ہوئی ہے اور یہ سلسلہ جاری و ساری رہے گا۔

۸۔ اسلام وحدت کا علمبردار ہے اور قبائل صرف پہچان کے لئے ہیں۔ جنگِ پیام میں قبائلی لشکر
ٹوڑ دینے سے کچھ نقصان ضرور اٹھانا پڑا۔ اول یہ شروع اسلام کی بات تھی اور اس وقت مکمل طور پر لوگ
ایک دوسرے کو جانتے نہ تھے۔ بہر حال یہ ضروری ہے کہ لڑائی میں اپنے دائیں اور بائیں والوں کو جانا چاہیے۔
اہلِ بوم پرپنے ہمارے لفظ ربط سے لفظِ جنت بنا لیا۔ اور جنگ میں جنتوں کا وجود اہم ہو گیا۔ پیشہ ور
فوج میں ایک پلٹن کو سوائے کسی خاص مجبوری کے اکٹھا لڑنا چاہیے اور رسالہ میں سکو اڈرن سے نیچے
حصے بخرے نہ کئے جائیں۔ ستمبر ۶۵ء میں لاہور کے محاذ پر پی آر بی پر پونٹوں کو جس طرح توڑ کر بھان متی کا کنبہ
بنا دیا گیا اور خاص کر زاتم کی پلٹن کے جس طرح پر نیچے اڑا دیئے گئے تو میدانِ جنگ میں عظیم قربانی دینا پڑی۔

۹۔ اسلام کا کارواں ازل سے ابد تک رواں دواں ہے۔ اسلام نے کائنات (UNIVERSE)
کا تصور چودہ سو سال پہلے دیا۔ اور انسان کو از خود ایک چھوٹی کائنات کے طور پر پیش کیا۔ انسان کو اس
میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اگر انسان اس دنیا اور ظاہر کو ہی سب کچھ سمجھ لے تو پھر انسان اس دنیا کا ایک
عام "حیوان" ہے۔ ایسا فلسفہ غیر اسلامی نظریہ ہے۔

۱۰۔ ہمارے اس مطالعہ کا مقصد یہ ہے کہ پوری قوم کو اللہ کی فوج بتائیں۔ اور عزت و غیرت کی زندگی اختیار کریں
پوری قوم کو فنِ سپاہ گری سے روشناس کرائیں۔ اسلامی فلسفہٴ حیات کو اپنائیں اور مراہطِ مستقیم کو ایسے تلاش کریں
کہ قوم میں وحدت پیدا ہو۔ تاریخ میں جو چیز ہمارے ان مقاصد کے حاصل کرنے میں روڑے اٹکتی ہے۔ وہ
خراب مثالیں ہیں وہ ہمارے بزرگوں کی تاریخ نہیں ہو سکتی۔ ان کو تاریخ سے نکال دینا چاہیے۔

۱۱۔ اسلام کے لحاظ سے ادب قرآن پاک اور حضور پاکؐ کے اقوال ہیں۔ جو لفاظی یا قصہ گوئی صرف
ذہنی عیاشی مہیا کرے۔ یا تفرقہ پیدا کرے وہ ہماری روایات نہیں ہیں۔

۱۲۔ ام عمارہؓ کی مثال میں ہماری عورتوں کے لئے اسباق ہیں۔

چوتھا باب

مرتدین کی بخلاف حکمت عملی کے تباہ کن اور اثرات

قادسین کو پھر ذرا ذوقِ قصد واپس جانا ہو گا جہاں خلیفہ اول نے گیارہ لشکروں کو شکل و صورت دی تھی۔ لشکرِ اول کے مکمل واقعات ہم پڑھ چکے ہیں۔ لشکرِ دوم جناب عکرمہ بن ابو جہل کا تھا جس کا سرسری ذکر ہم پچھلے ابواب میں کر چکے ہیں کہ انہوں نے مسیلمہ سے شکست کھائی اور خلیفہ اول نے ان کو اومان کی طرف روانہ کر دیا۔ ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ کچھ کامیابی کے بعد مدینہ شریف لوٹنا۔ اور پہلے کی طرح غلطی نہ کرنا۔ اومان وغیرہ کے علاقہ جات میں حضرت خدیفہ اور حضرت عرفیہ پہلے ہی کام کر رہے تھے۔ گیارہ لشکروں میں ان کے ساتویں اور آٹھویں لشکر کے طور پر ذکر ہو چکا ہے۔ اومان کے علاقہ کی کارروائی تک تو امارت حضرت خدیفہ کے پاس ہی تھی۔ لیکن ساتھ ہی جناب صدیق اکبر نے لکھ دیا تھا کہ اومان سے فارغ ہونے کے بعد جناب عکرمہ امیر ہوں گے۔ چنانچہ شروع میں یہ تینوں سالار لشکر اومان کے نزدیک رجم کے مقام پر اکٹھے ہوئے۔ اس علاقے کے مسلمان عامل حضرت جعفر اور حضرت عباد بھی اپنی قیام گاہوں سے نکل کر اسلامی لشکروں میں شامل ہو گئے۔

دبا کی جنگ

جناب خدیفہ رضی اللہ عنہ کافی عرصہ سے اس علاقہ میں پہنچ چکے تھے۔ لیکن ان کے پاس جو لشکر تھا اس کی نفی کم تھی۔ اس لئے انہوں نے دشمن کے ساتھ الجھنا مناسب نہ سمجھا۔ یہاں زیادہ تر قبیلہ ازد آباد تھا۔ اسلام میں آنے کے بعد ان کے قبیلہ کے حضرت حرد نے اور قبائل کو بھی اسلام کی طرف

ع۔ جلال مصطفیٰ کے صفحہ ۸۹-۲۸۸ پر ذکر ہو چکا ہے کہ یہ لوگ کیسے اسلام لے آئے۔

رائع کیا۔ اومان کے وسیع علاقہ میں کئی قبائل آباد ہیں اور اس وجہ سے ہر آنے والے مورخ نے بھی مختلف راویوں کے بیانات کے حوالوں سے واقعات کو آپس میں گڈ مڈ کر دیا۔ بہر حال نقشہ چہارم کے مطالعہ سے اس علاقہ کے واقعات بہتر طور پر سمجھ آجاتے ہیں۔ اومان، یمامہ سے بھی نزدیک ہے۔ حضرت عکرمہ کی یمامہ میں ناکامی کے بعد، نزدیک ترین علاقہ اومان ہی تھا جہاں پر ان کو بہتر طور سے استقبال کیا جاتا۔ اس وجہ سے ان کو اومان جلنے کا حکم ملا۔ ازد قبائل کو مرتد کرنے والا لقیط بن مالک تھا۔ اس نے ثبوت کا دعوے کیا یا نہیں اس کا پکا ثبوت نہیں ملتا۔ لیکن وہ اومان کا بادشاہ ضرور بن بیٹھا۔ اور دبا کو اپنا صدر مقام بنایا۔

مسلمان لشکریوں نے علاقہ کے مسلمان لوگوں کو ساتھ ملا کر دبا کی طرف پیش قدمی کی۔ لقیط نے صف بندی اس طرح کی کہ تمام قبیلوں اور خاندانوں کے بال بچوں کو لشکر کے پیچھے صف بند کر دیا۔ مقصد یہ تھا کہ میدان جنگ سے زبھاگیں اور اپنے خاندانوں کی عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لئے آخری دم تک لڑیں۔ بڑے گھمان کارن پڑا۔ دونوں لشکروں کی تعداد کے بارے میں مورخین میں اختلاف ہے۔ لیکن حضرت عکرمہ جو مسلمہ کے ساتھ کچھ ٹکرے سکے ان کے لشکر کی تعداد چار ہزار سے کم نہ ہوگی اور اپنے دو لشکروں اور وفادار قبائل کی مدد سے کل نفری چودہ ہزار ہزار ہونگی۔ راوی اس بات پر متفق ہیں کہ دس ہزار مرتدین کھیت رہے تو دشمن کی تعداد بھی میں ہزار سے کم نہ ہوگی۔ گو مورخین نے جنگ کے حالات تفصیل سے نہیں بتائے اور بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ صفائی یعنی (MOPPING-UP) ہو رہی تھی۔ لیکن اسلام آسانی سے نہیں پھیلا۔ دبا کی جنگ کے بارے میں مورخین اتنا ضرور کہنے ہیں کہ جنگ اتنی شدید اور خونریز تھی کہ ایک دفعہ مسلمانوں کے قدم بھی اکھڑ گئے اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے، دو وفادار قبیلے بنی عبد القیس اور بنی ناجیہ بروقت مدد کے لئے پہنچ گئے اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی لقیط مارا گیا اور مسلمانوں

علا جنگ حسین میں ماہد بن عوف نے بھی عورتوں اور بچوں کو ساتھ رکھا۔ بوڑھے دریدہ کا اس سلسلہ میں تبصرہ جلال مصطفیٰ کے صفحہ ۲۳ پر ہے جس میں صرف تلوار کام دینی ہے شکست میں عورتوں کے ساتھ ہونے سے ذلت ہوتی ہے لیکن مسلمان عورتوں نے جنگ میں شرکت کر کے دریدہ کی بات کو غلط کر دیا۔

کو بے شمار مالِ غنیمت لاکھ آیا۔

حضرت عکرمہؓ کی کمانڈ

اس فتح کے بعد اگلے اقدام کا فیصلہ حضرت عکرمہؓ کو کرنا تھا۔ لہذا انہوں نے حضرت خدیفہؓ کو اومان کے عامل کے عہدہ پر رہنے دیا کہ خلیفہؓ اول نے ان کو وہ علاقہ سونپا تھا۔ اور حضرت عرفجہؓ کو مالِ غنیمت کے ساتھ مدینہ شریف بھیج دیا۔ مالِ غنیمت اتنا زیادہ تھا کہ ساتھ ایک مضبوط فوجی دستہ بھی بھیجا پڑا۔ اور فائدہ اتنا زیادہ تھا کہ اس دستہ کا کمانڈر کوئی چیدہ شخصیت ہوتی۔ نقشہ چہارم پر دیکھیں کہ یہ بھی ایک مہم نظر آئے گی اور جہاں سے مسلمان دستہ ان نوٹھی غلاموں اور مالِ غنیمت کے ساتھ گزرا وہاں پر مسلمانوں کا رعب بیٹھتا گیا۔ ایک طرح سے یہ بھی ایک حربی مظاہرہ ثابت ہوا۔

خلیفہؓ اول کی حکمتِ عملی کی ایک اور جھلک

عسکری معاملات کی سوجھ بوجھ رکھنے والے لوگ جب جناب ابو بکر صدیقؓ کی ساری فوجی حکمتِ عملی پر نظر دوڑاتے ہیں تو دنیا میں ایسی حکمتِ عملی کی کوئی مثال نظر نہیں آتی۔ علاوہ جناب خالدؓ کا لشکر متعدد وسائل حاصل کر کے آگے بڑھ کر عراق و ایران کا رخ کرنے والا تھا۔ دوسرا جناب عمروؓ بن عاص اور خالدؓ بن سعید کے لشکر ایک مرکزی حیثیت حاصل کر رہے تھے۔ اور شام و فلسطین کی مہم کے لئے تیاری کی جا رہی تھی۔ اور جناب عرفجہؓ جو مالِ غنیمت لے کر مدینہ شریف گئے۔ وہاں دونوں محاذوں کے لئے ہتھیار، کمک اور جنگی سامان تیار ہو رہا تھا۔ تیسرا دبا کی کامیابی کے بعد جناب عکرمہؓ کا رخ اب مغرب میں مہرہ کی طرف تھا کہ باقی علاقوں میں مرتدین کا قلع قمع کیا جائے۔

جناب عکرمہؓ کی مہرہ کی طرف پیش قدمی

دبا کی جنگ رمضان گیارہ بھری میں ہوئی اور اب مہرہ کی باری تھی۔ مہرہ کا علاقہ جناب عرفجہؓ کی ذمہ داری تھی اور گیارہ میں سے ان کا آٹھواں لشکر تھا۔ جناب عرفجہؓ بھی جناب خدیفہؓ کی

طرح اس علاقے میں اپنی کم نفی کی وجہ سے کچھ زیادہ کام نہ کر سکے اور پھر تینوں لشکر اکٹھے ہو گئے۔ اب جناب عرفیہ مدینہ چلے گئے تو جناب عکرمہؓ نے یہ ذمہ داری خود سنبھال لی۔ آپ نے متعدد وفادار قبائل کو اپنے ساتھ ملایا اور کچھ دستے جناب خلیفہؓ کے پاس چھوڑ کر آپ ایک لشکر جبار لے کر مہرہ کی طرف چل پڑے اور ماہ شوال گیارہ ہجری میں وہاں پہنچے۔ اس علاقہ میں دو گروہ تھے اور ان دو گروہوں میں سے کم تعداد والے گروہ شخریت کو جناب عکرمہؓ نے اسلام کی دعوت دی۔ دوسرے گروہ سے قبائلی حسد اور اپنی کمی کی وجہ سے شخریت کا گروہ مسلمانوں کے ساتھ مل گیا اور توبہ کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔

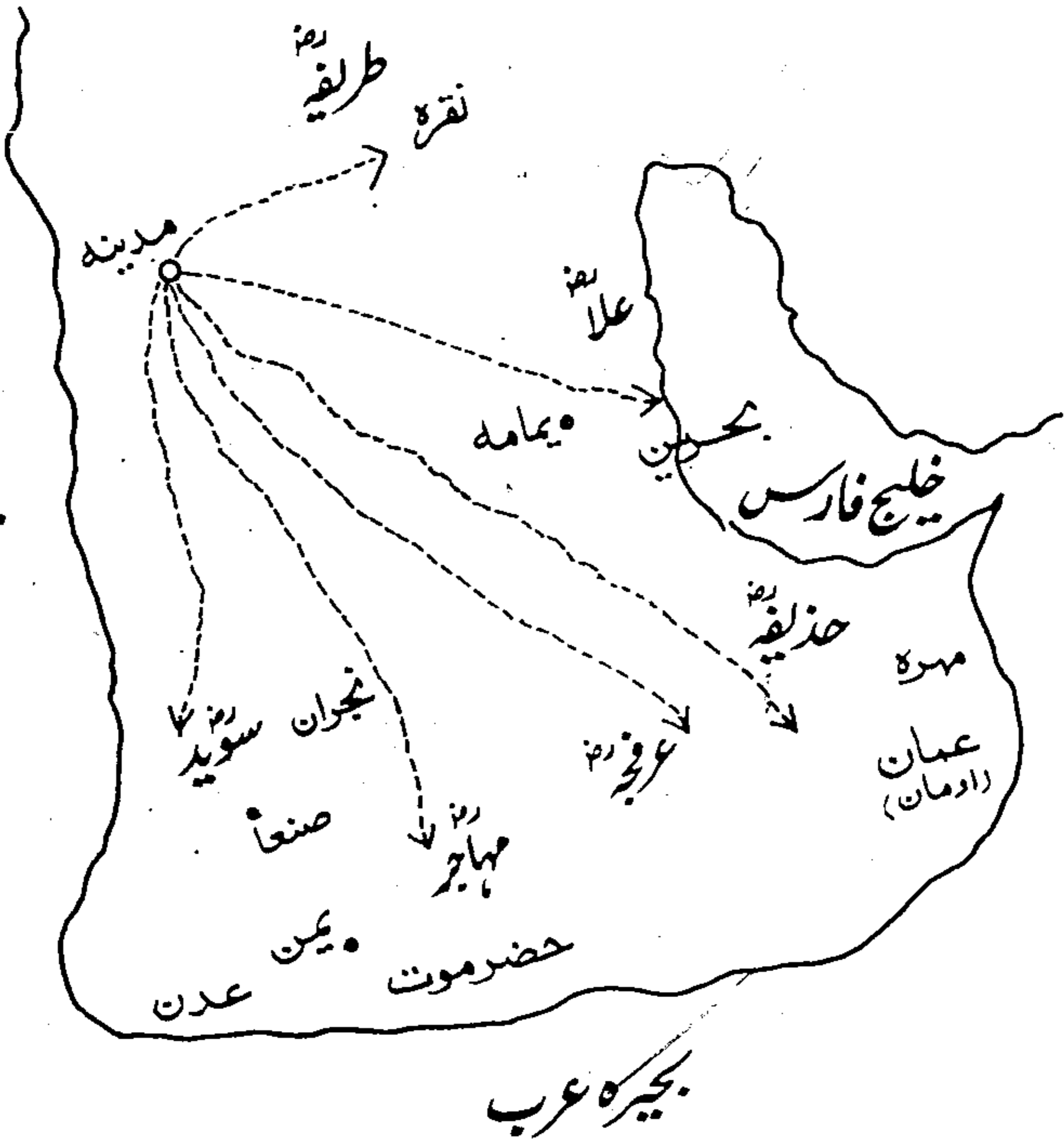
یہ ایک حکمت عملی تھی کہ اس کے بعد دوسرا گروہ مصحح بھی شاید اپنی کمزوری اور حالات سے متاثر ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہو جائے۔ مسلمان خونریزی نہیں چاہتے۔ وہ ایک مقصد کے لئے جنگ کرتے ہیں اور اگر جنگ کے بغیر مقصد حل ہو جائے تو خوشی کی بات ہوتی ہے۔ بہر حال اس سلسلہ میں حکمت عملی آدھی کامیاب رہی۔ مصحح نے اپنی طاقت کے گھمنہ کی وجہ سے نجد کے مقام پر مسلمانوں کے ساتھ جنگ کی مورخین صرف اتنا بتاتے ہیں کہ یہ جنگ دبا کی جنگ سے بھی زیادہ خونریز تھی۔ مالِ غنیمت اتنا حاصل ہوا جس کا حساب نہیں کیا جاسکتا تھا۔ تیز رفتار اونٹنیاں جن کی تعداد دو ہزار بتائی جاتی ہے حاصل ہوئیں۔ اور اس جنگ میں مرتدین کا سردار اور متعدد لوگ مارے گئے۔

نجد کی لڑائی کے نتائج

یہ جنگ اتنی فیصلہ کن تھی کہ اس جنگ کے بعد جناب عکرمہؓ کا لشکر ریاضتہ، الدوخذہ، شامل جزائر، مڑ، لیبان، جیروت، ظہور الشجر، صبرات، میغب اور ذرۃ الحجیم کے شہروں اور علاقوں تک پھیل گیا۔ لوگوں سے توبہ کرائی اور وہ اسلام کی آغوش میں داخل ہو گئے۔ اس کے بعد کامیابی کی خوشخبری اور مالِ غنیمت کے ساتھ قاصدوں کو مدینہ بھیجا اور خود ابین کے مقام پر مجاہدین کو آرام دینے کے لئے ٹھہر گئے۔ خلیفہ اول بڑے خوش ہوئے جناب عکرمہؓ نے جو غلطی کی تھی اس کا ازالہ کر دیا۔ چنانچہ جناب ابو بکرؓ نے حکم دیا کہ جناب عکرمہؓ اپنے لشکر کو لے کر حضرت مہاجر بن امیہ اور حضرت علیؓ۔ جناب مہاجر بن امیہ ام المومنین ام سلمہؓ کے بھائی تھے۔

نقشہ چہارم . مرتدین کا ارتداد

جناب طرفہ، علا، حدیفہ، عرفجہ، مہاجر اور سوید کی جنگی کارروائیاں
شمال



میل ۱۵۰ ۱۵۰ ۳۰۰ ۴۵۰

زیادین لیبید کے ساتھ حضرت موت کے علاقوں میں جائیں اور وہاں پر باغیوں اور مرتدین کی سرکوبی کریں

حضرت موت اور یمن کے مرتدین

عرب سرزمین کے مختلف نقشوں کا مطالعہ اور خاص کر نقشہ چہارم کا مطالعہ ظاہر کرے گا کہ یہ ایک بڑا وسیع علاقہ ہے اور جن شہروں کا ہم ذکر چکے ہیں یا آگے کریں گے ان کے بارے کچھ نہیں کہہ سکتے کہ یہ اب وہاں موجود بھی ہیں یا نہیں اس کے علاوہ اس زلزلے کا یمن آج کل کا یمن نہ تھا۔ ویسے آج بھی دو یمن ہیں اور کچھ علاقے سعودی عرب کی حکومت کے پاس ہیں۔ اس زمانے میں یمن کے علاقے کی حدود کا کوئی صحیح تعین نہ تھا اصل بات قبائل کی ہوتی تھی کہ کس قبیلہ کی حکومت کہاں تک تھی۔ اور اس کا فیصلہ بھی مشکل تھا۔ معاملات جس کی لاٹھی اس کی بھینس والے تھے۔ بہر حال حضور پاکؐ کے زمانے میں یمن کے مختلف علاقوں اور قبائل سے کئی وفد حضور پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور حضور پاکؐ نے بھی ادھر کئی مہات بھیجیں۔ اس سلسلہ میں جلال مصطفیٰؐ کے آٹھویں باب میں سہدان کا وفد، ملوک کنذہ کا وفد، کنذہ کا وفد، ملوک حمیر کا وفد، اور وائل بن حجر وغیرہ کے وفدوں کا جو ذکر ہے ان تمام وفود کا تعلق کسی نہ کسی طرح یمن، حضرت موت اور نواحی علاقوں سے تھا۔ اسی طرح جلال مصطفیٰؐ کے ضمیرہ میں جن مہات کا ذکر ہے وہ بھی یمن کے علاقہ میں بھیجی گئی تھیں۔

اس کتاب کے دوسرے باب کے شروع میں اسود عسنی کی چھوٹی نبوت اور یمن کے مختصر حالات کا ذکر بھی ہو چکا ہے۔ اور چند ماہ جب مسلمان باقی مہات میں مشغول رہے، یمن کے مختلف علاقوں میں بھی جھڑپیں ہوتی رہیں۔ یہ جھگڑے کچھ قبائلی بھی تھے کہ آپس میں رقابت اور حسد کی وجہ سے جنگ و جدل کا معاملہ چلتا رہا لیکن ہم ان چھوٹی جھڑپوں کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ ہم صرف ان فوری واقعات کو پس گے۔ جہاں پر اسلامی لشکر نے صفائی یا (MOPPING UP) والی کارروائی کی۔ اور حالات کو ٹھیک کیا۔ ورنہ کچھ عرصہ حالات اس طرح کے بھی رہے کہ جب دو قبیلوں کا آپس میں جھگڑا ہوا تو ایک مسلمانوں کا ساتھی بن جانا اور دوسرا اس لئے مزید ہو جانا کہ اس کا حریف قبیلہ مسلمانوں کا ساتھی تھا۔

اس طرح سے کئی لوگوں اور قبائل نے کئی پینترے بدلے اور زاید کا مشہور پہلوان عمر بن معدیکرب بھی ایک دفعہ ایسے ہی چکر میں مرتد ہو گیا لیکن بعد میں توبہ کی اور آگے جنگوں میں اب اس کو اسلامی لشکر میں کاروائی کے نمایاں دکھانے دیکھیں گے۔ ہماری اپنی کہانی کو تسلسل دینے کے لئے ہم جناب عکرمہؓ مہاجر بن امیہ اور زیاد بن لبید کے باہمی ربط و تعاون کی طرف واپس مڑتے ہیں۔

زیاد بن لبیدؓ

حضور پاکؐ کے زلمنے سے حضرت زیاد بن لبیدؓ حضرت موت کے عامل تھے ان کے نزدیک سکاک اور سکون کے علاقوں کے عامل جناب عکاشہ بن محسنؓ تھے حضور پاکؐ نے اپنے وصال سے کچھ عرصہ پہلے مہاجر بن امیہؓ کو اسی علاقہ میں کنزہ قبائل کے علاقوں کے لئے عامل مقرر فرمایا۔ لیکن مہاجر بن امیہؓ بیمار ہو گئے اور وہاں نہ جاسکے اور ان کا کام بھی جناب زیاد بن لبید ہی کرتے رہے۔ اس کے بعد جب حضور پاکؐ کا وصال ہو گیا تو جگہ جگہ بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی۔ یمن اور حضرت موت کے بھی کافی لوگ مرتد ہو گئے۔ لیکن جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اومان میں حضرت جعفرؓ اور حضرت عبادؓ کچھ منافات پر قابض تھے۔ اسی طرح اس علاقہ میں حضرت زیاد بن لبید اور حضرت عکاشہ بن محسن قابض تھے۔ زکوٰۃ کے جھگڑے وہاں پر بھی تھے اور ایک شذرہ اونٹنی کے سلسلہ میں اختلاف نے کئی جھڑپوں کی صورت اختیار کر لی تھی۔ لیکن حالات پھر بھی قابو میں تھے اور حضرت عکاشہؓ تو واپس مدینہ چلے گئے اور وہاں پر جناب خالدؓ کے لشکر میں شامل ہو گئے اور بعد میں شہید بھی ہو گئے جو آپ بڑو خاکی جنگ میں پڑھ چکے ہیں

مہاجر بن امیہؓ اور حضرت عکرمہؓ

مہاجر بن امیہؓ مدینہ ہی میں تھے اور چونکہ حضور پاکؐ آپ کو عامل مقرر فرما گئے تھے تو جناب صدیق

۱۔ آپ جنگ نہاوند میں شہید ہوئے۔

۲۔ آپ کا ذکر دوسرے باب میں ہے۔

اکبر نے ان کی وہ امارت قائم رکھی اور ساتھ حکم دیا کہ تبدیل شدہ حالات میں وہ اپنی امارت پر ایک لشکر کے ساتھ جایش اور گیارہ میں سے دو سو لشکر جناب مہاجر کا تھا۔ جناب مہاجر کو مجاہد ملنے میں دیر ہو گئی اور انہوں نے کافی دیر کے بعد کوچ کیا اور پہلے جا کر صنعا میں قیام کیا۔ وہاں حالات کا مطالعہ کیا اور پھر خلیفہ وقت کو آگاہ کیا کہ بغاوت بہت زیادہ پھیل چکی تھی۔ جناب زیاد بن لیث ایک محدود علاقہ پر قبضہ رکھے ہوئے تھے۔ انہی دنوں جناب عکرمہ، اومان اور حہرہ میں کام سے فراغت پا چکے تھے تو ان کو خلیفہ اول نے حکم دیا کہ وہ بین اور حضرموت کی طرف پیش قدمی کریں اور تینوں لشکر مل کر ان علاقوں سے مرتدین کا خاتمہ کریں۔ بلکہ ان علاقوں کے رابطہ کو طائف کے ساتھ بھی بحال کریں کہ ذرائع آمد و رفت پر بھی کچھ باغی قبائل چھاپے مار رہے تھے۔

اس علاقہ میں مسلمانوں کی طاقت اب کافی بڑھ چکی تھی اس لئے عربی مظاہروں اور لشکروں کے کوچ بھی کافی اثر پیدا کر سکتے تھے۔ اس سلسلے میں کئی چھوٹی چھوٹی جھڑپیں بھی ہوئیں۔ حضرت زیاد کی ایک جھڑپ اہل ریاض کے ساتھ ہوئی اور جناب زیاد کامیاب ہوئے اور انہوں نے مرتدین پر ایک شب خون بھی مارا اس کے بعد جناب عکرمہ اور جناب مہاجر کا باہمی ملاپ ہوا اور دونوں نے مل کر پہلے کندہ کے قبائل پر فوج کشی کی اور ان کو مطیع کیا۔ البتہ بڑی جنگ بحیرہ کے مقام پر ہوئی جس میں تینوں اسلامی لشکر شامل تھے۔ مرتدین اشعث بن قیس کی کمانڈ میں تھے جو عجیب و غریب انسان تھا۔ بڑا چالاک اور ہوشیار تھا اور اُس پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اشعث کو شکست ہوئی اور وہ دوبارہ اسلام لے آیا۔ اشعث بن قیس حضرت علیؑ کے زمانے تک زندہ رہا۔ اور جنگوں میں حصہ لیتا رہا۔

بحرین کی مہم

قارئین کو یاد ہو گا کہ گیارہ لشکروں میں نواں لشکر جناب علاء بن الحضرمی کا تھا۔ اور خلیفہ اول نے آپ کو بحرین کے لئے مامور فرمایا تھا۔ آپ دراصل حضور پاکؐ کے زمانے سے بحرین کے عامل چلے آتے تھے۔ اور حضور پاکؐ کی وفات کے وقت آپ مدینہ میں تھے۔ آپ بحرین تک نہ جاسکتے تھے جب تک یمامہ میں سلیمہ کذاب کا خاتمہ نہ ہوتا تو آپ نے وہی راستہ اختیار کرنا تھا۔ چنانچہ جنگ یمامہ کے بعد گیارہ ہجری ذی قعد کے مہینے میں آپ وہاں پہنچے اپنے لشکر کے علاوہ بحرین کے وفادار مسلمانوں کو بھی آپ اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہو گئے اور آپ نے مرتدین کے

خلاف کارروائی شروع کر دی مرتدین نے دفاعی جنگ کو اپنا بار اور اپنے سامنے خندقیں کھود لیں۔ مسلمانوں نے کافی حملے کئے لیکن مرتدین کا کمانڈر حطم کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کے حملوں کو پسپا کرتا رہا۔ بلکہ مرتدین کوئی دفعہ اپنے مورچوں سے نکل کر مسلمانوں پر حملہ آور بھی ہونے مورخین نے اس رطائی کو بھر کی مورچہ بند رطائی کا نام دیا ہے جو تقریباً ایک ماہ تک جاری رہی۔ آخر ایک رات کو دشمن کے لشکر میں کچھ بوکھلاہٹ اور شور و غوغا سننے میں آیا۔ مسلمانوں نے محزری کی توپتہ چلا کر تمام لشکر شراب میں دھت ہے۔ کچھ کے پاؤں لڑکھڑا رہے تھے کہ انہوں نے زیادہ شراب پی لی تھی۔ یہ موقع مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے دیا۔ انہوں نے رات کے وقت ہی حملہ کر دیا۔ آگے دیکھا تو سترے بھی سوئے ہوئے تھے۔ چنانچہ مرتدین کا جرم مولیٰ کی طرح کٹ گئے اور انہوں نے شکست فاش کھائی۔

دشمن کا تعاقب

دوسرے روز صبح جناب علانے دشمن کا تعاقب کیا اور دشمن نے ایک ساحلی علاقہ پر مقابلہ کرنے کی کوشش بھی کی۔ لیکن اب اللہ کے فضل سے ہر جگہ پر مرتدین کا خاتمہ ہو چکا تھا اور یہ چند مرتدین بھی یا تو اصل جہنم ہوئے یا تتر بتر ہو گئے اور اس طرح سے تمام سرزمین عرب کفر اور شر سے پاک ہو گئی۔ ان تمام کارروائیوں پر کوئی نو ماہ کا عرصہ صرف ہوا۔ جناب علان بن المحزری کے ساتھ اس کتاب کے آخری ابواب میں ہماری پھر ملاقات ہوگی جہاں پر آپ نے ایران کے عرب فارس کو سمندر کے راستے فتح کرنے کی کوشش کی۔ وہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی لیکن اس کوشش کی وجہ سے اسلام کا رخ ادھر ہو گیا۔

حضرت سوید بن مقرنؓ

اب صرف گیارہواں لشکر باقی رہ گیا ہے۔ اس لشکر کو کسی کام پر لگانے کی ضرورت نہ پڑی۔ ویسے جناب سوید اور ان کے عظیم بھائیوں سے اکثر ہماری ملاقات ہوتی رہے گی۔

مرتدین کجخلاف کارروائی کے نتائج کا خلاصہ

نقشہ اول سے نقشہ چہارم تک کا مطالعہ دوبارہ کریں۔ نقشہ اول میں مرتدین کے مقامات کی نشاندہی کی گئی ہے۔ سارا عرب باغی نظر آتا ہے۔ نقشہ دوم میں مدینہ کے نزدیک کی کارروائی کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اور نقشہ سوم اور چہارم پوری حکمت عملی کے تحت کارروائیوں کا خاکہ ہیں۔ ان نقشوں کی مدد سے فوجی حکمت عملی اور لشکروں کے کمانڈروں کی تدبیرات آسانی سے سمجھ آ سکتی ہیں اور بہتر ہے کہ ہم ان مثالوں سے فوجی سبق سیکھیں۔ دیول اور منٹگمری کی کہانیاں پڑھنے سے یافلر اور ریڈل ہارٹ کے فلسفوں سے وہ کچھ حاصل نہیں ہو سکتا جو دین فطرت کے جنگی ماہرین کی جنگوں کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔ کلاسوٹز جیسا ماہر اور غیر جانبدار مبصر بھی فتح کے اختتامی مقام اور عوام کی جنگ میں شرکت والے مضامین پر آکر رک جاتا ہے اور اس کو آگے ساحل نظر نہیں آتا اس کے باوجود ہم اس کے فلسفہ جنگ سے مرعوب اور متاثر ہیں۔ غیروں کی اندھا دھند تقلید سے بچ کر رہنے کا صرف ایک طریقہ ہے کہ ہم اپنے سپہ سالاروں کی جنگوں سے اسباق سیکھیں اور غیروں کی نقالی اپنے مقاصد کو سامنے رکھ کر کریں۔

ان چار ابواب میں اس حکمت عملی کی جھلکیاں ہیں جو خلیفہ اول نے مضبوط مرکز اور قومی وحدت کے تحت اختیار کیں اور اندرونی خلفشار کو دور کر کے مسلمانوں کو ایک دفعہ پھر ایک بند میں بانڈ کر اس طرح اکٹھا کر دیا کہ شب ایک دوسرے کے ساتھ شیر و شکر ہو گئے۔ اور تفرقہ مٹ گئے۔ اس میں تلوار ضرور استعمال کرنی پڑی کہ اس جہان کو دوام نہیں اور بقول علامہ اقبال، اہل فرنگ اگر جنگ کے ذریعہ سے اس عیش جہاں کو دوام دے رہے ہیں تو ان کی یہ تمنا خام ہے۔ اسلام میں جنگ کا مقصد یک رنگی پیدا کرنا ہوتا ہے اور اللہ کے احکام کو جاری و ساری کیا جاتا ہے۔

ہاں البتہ ایسا کرنے کے کیلئے ہمت کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

یوں ہاتھ نہیں آتا وہ گوہر یک دانہ

یک رنگی و آزادی اے ہمت مردانہ۔

(اقبال)

گیارہ لشکروں کی کارروائی کا اجمالی خاکہ

دوسرے باب میں جن گیارہ لشکروں کی تنظیم کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کی کارروائیوں کا اجمالی خاکہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ جناب خالد بن ولید کا لشکر :- اول بنو طے اور جدیدہ کو اسلام میں واپس لے آئے۔ پھر طلیحہ کا قلع فتح کیا۔ بعد میں ابو شجرہ، ام سلمیٰ اور مالک بن نویرہ کو زیر کر کے مسلمہ کے فتنہ کو ختم کیا۔ اگلے دس بارہ ابواب میں ان کے ساتھ اکثر ملاقات رہے گی۔

۲۔ جناب عکرمہ بن ابو جہل نے، یمامہ کے علاقہ میں مسلمہ پر نظر رکھنے کی بجائے ٹکری اور نقصان اٹھایا وہاں سے خلیفہ اول کے حکم پر اومان میں حضرت حذیفہؓ اور حضرت عرفجہؓ کی مدد کو گئے اور وہاں سے مین اور حضرت موت میں زیاد بن لبید اور جناب مہاجر بن امیہ کے ساتھ مل کر ان علاقوں سے مرتدین کا خاتمہ کیا۔

۳۔ جناب شرجیل بن حسنہ :- حضرت عکرمہؓ کے ریزرو اور پھر ان کی جگہ لینا اور وہی غلطی دہرانا۔ حضرت خالدؓ کی سرزنش اور بعد میں جنگ یمامہ میں شرکت۔ اس کے بعد جناب عمرو بن عاص سے مل کر بنو قضاہ کی سرکوبی اور دو مئہ الجندل اور بتوک نک حربی مظاہرے۔ آئندہ فتوحات شام کی بنیاد بننے میں کام کرنا۔

۴۔ جناب عمرو بن عاص :- اپنی لی ہوئی ذمہ داری پوری کی اور شرجیلؓ کی آمد کے بعد حربی مظاہروں میں تیزی کی۔

۵۔ جناب خالد بن سعید :- شام و فلسطین کی سرحدوں پر کامیاب حربی مظاہرے کئے۔

آپ کی کارروائیوں کی تفصیل جلد دوم میں آئے گی۔ آپ سپہ سالاری پر زیادہ عرصہ قائم نہ رہ سکے۔ آپ کا ذکر جلال مصطفیٰؐ میں بھی ہے کہ حضور پاکؐ نے آپ کو مہمان داری کے ذائقے سے

۶۔ جناب طریفہ بن حاجز مکہ و مدینہ کے درمیانی علاقوں میں مرتدین کا قلع فتح کیا۔ فجاہ اور ابو شجرہ کے فتنوں کو ختم کرنے میں حصہ ادا کیا۔ جناب خالدؓ کے ساتھ رابطہ اور اس کے بعد ان کے لشکر کے مجاہدین کو دوسرے لشکروں میں بانٹ دیا گیا۔

۷۔ جناب حذیفہ بن محسن :- اومان کی کارروائی میں جناب عکرمہؓ کے ساتھ مل کر کام کیا اور پھر اومان کی امارت سنبھال لی۔ بعد میں آپ ایران کی فتوحات کے وقت بھی اسلامی لشکروں میں شریک ہوئے۔

۸۔ جناب عرفجہ بن ہرثمہ۔ اومان کی کارروائی میں جناب عکرمہؓ اور جناب حذیفہؓ کے ساتھ دبا کی جنگ تک کام کیا۔ پھر مدینہ چلے گئے اور آپ کی ذمہ داری جناب عکرمہؓ نے سنبھال لی جنگ حبر کے بعد آپ پھر عراق کے محاذ پر چلے گئے۔

۹۔ جناب علاء بن الحفصی۔ بخون کو مرتدین سے پاک کیا۔ اس کتاب کے آخری ابواب میں ان کے ساتھ پھر ملاقات ہوگی۔

۱۰۔ جناب مہاجر بن امیہ۔ پہلے صنعا میں قیام اور پھر جناب عکرمہؓ کے ساتھ مل کر حضرت فوت اور یمن میں مرتدین کا قلع قمع کیا اور پھر دہان کی امارت سنبھال لی۔

۱۱۔ جناب موید بن مقرن۔ ریزرو میں رہے۔

اختتامی تبصرہ

ہم ان چار ابواب کا ایک الگ حصہ اور ”مرتدین کا قلع قمع“ کا نام دینا چاہتے تھے۔ لیکن سارے مضمون کو چار حصوں یا چار جلدوں میں پیش کیا جا رہا ہے تو آگے حصے بنانے سے اور حوالہ دینے میں معاملات کچھ گڑبڑ ہو جائیں گے۔ بہر حال ان چار ابواب کا مختصر اختتامی تبصرہ یہ ہے کہ خلیفہ نے اندرونی خلفتار کو ختم کیا اور اسلام کی مرکزیت کو قائم رکھا۔ ان کارروائیوں کے بعد اہل اسلام عرب کی سرزمین سے نکل کر عجم یعنی ”بین الاقوامی“ دنیا میں داخل ہونے کے لئے پرتول رہے تھے۔ یاد رہے کہ اسلام ملکوں کے نام پر کسی قومیت کو کچھ وقعت نہیں دیتا اور یہ الفاظ ہم غیروں سے مستعار لے کر بیان کر رہے تھے۔ ورنہ اسلام میں قومیت نظر پاتی ہے اور سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ اور ہر ملک، ملک ما است۔

جیسا کہ پیش لفظ میں ذکر کیا گیا ہے اس حصہ میں یہ حکمت عملی ہے کہ مسلمان ایران اور عراق کے علاقوں کی طرف بڑھیں۔ اور دوسرے حصہ میں شام و فلسطین کی طرف۔ اگلے باب جو فتوحات

عراق میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں ان کی بسم اللہ اسلام کے ایک عظیم فرزند سے کی جا رہی ہے مورخین نے ان کا ذکر بڑے پیار سے انداز میں کیا ہے لیکن ان کی شخصیت کی گہرائیوں میں اترنے کی کوشش کم کی گئی۔ ہے۔ انہوں نے اسلام کی جو خدمات انجام دیں وہ ضرور بیان کی گئی ہیں لیکن نہ تو ان کو دنیاوی عہدوں میں ان کی شخصیت کے مطابق اعزاز ملے اور نہ مورخین نے ان کو وہ اعزاز بخشا جس کے وہ حق دار تھے۔

یہی حالات اسلام کے اس عظیم فرزند کے قبیلہ بنو بکر کے ہیں جنہوں نے مسلمانانِ عرب کے انصار بن کر اسلام کو عجم یا ”بین الاقوامی“ دنیا میں پھیلانے میں وہی کردار ادا کیا جو انصارِ مدینہ نے مہاجرین کے ساتھ مل کر اسلام کو سرزمینِ عرب میں پھیلانے میں کیا۔ حالانکہ بنو بکر اوسطاً تعداد میں کم تھے اور ان کی خدمات کا انصارِ مدینہ کی خدمات کے ساتھ موازنہ نہیں کیا جاسکتا لیکن یہ کہا تو جاسکتا ہے کہ بنو بکر نے انصارِ مدینہ کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کی۔ اسلام کے یہ عظیم فرزند حضرت منشی بن حارث تھے جن کے لئے ہم اپنی کتاب کا پانچواں باب وقف کر رہے ہیں۔

خونِ دل و جگر سے ہے سرمایہٴ حیات

فطرت لہو ترنگ بے غافل نہ جگر ترنگ (اقبال)

پانچواں باب

حضرت مثنیٰ بن حارثؓ

حضرت مثنیٰ بن حارثؓ جن کو حارث شیبانی بھی کہتے ہیں کا تعلق قبیلہ بنو بکر سے تھا یہ قبیلہ سرزمین عرب کے شمال مشرق اور عراق کے جنوب میں آباد تھا۔ جلال مصطفیٰؐ میں بنو سعد بن بکر کے جس وفد کی مدینہ میں آمد کا ذکر ہے وہ آپؐ ہی کے قبیلہ کے بارے میں بے ظاہر ہے کہ آپؐ کا قبیلہ حضور پاکؐ کے زمانے میں مسلمان ہو چکا تھا مثنیٰؓ اس وفد میں شامل تھے یا نہیں اور کیا ان کو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں شمار کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ اس سلسلہ میں مورخین کوئی روشنی نہیں ڈال سکے اور یہ کہ آپؐ کو حضور پاکؐ کا ”دیدار عام“ نصیب ہوا یا نہیں لیکن آپؐ نے اپنی تلوار کو جس طرح اللہ اور رسولؐ کے نام پر استعمال کیا ایسا شرف دنیا میں چند خوش نصیبوں کو حاصل ہوتا ہے اور ایسے انسان دنیا میں کم ہی پیدا ہوتے ہیں۔ ابن سعد نے اپنی تاریخ میں البتہ ایک اور وفد شیبان کا بھی ذکر کیا ہے کہ جناب حرملہؓ کی قیادت میں ایک وفد آیا، جو لوگ عراق، عرب کی سرحد پر ایک طرف بنو تغلب اور دوسری طرف بنو تمیم کے درمیان آباد تھے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہی جناب مثنیٰؓ کا قبیلہ ہو لیکن جناب مثنیٰؓ کے نام کا کہیں ذکر نہیں۔

عظیم فرزند اسلام جلال الدین خوارزم نے جب کالا باغ کے نزدیک دریائے اہک کو پار کیا اور دریا کے مشرقی کنارے پر بیٹھ کر تھوڑی دیر کے لئے سستانے لگے۔ تو مغربی کنارے پر کھڑا چنگیز خان یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس کے سرداروں نے اجازت چاہی کہ جلال الدین کے تعاقب میں دستے بھیج کر اسے گرفتار کریں۔ چنگیز خان نے کہا ”نہیں! تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ ایسے فرزند کوئی کوئی ماں جنتی ہے۔ چلو واپس چلو۔ آگے بڑھ کر اور کچھ نہ حاصل کر سکو گے“ دین فطرت نے اس قسم کے عظیم فرزند ہر زمانے میں پیدا کئے۔ ہاں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عظمت کو البتہ بھانپ لینا سورج کو چراغ دکھانے والی بات ہے اور وہاں تو صرف عاجزی والی بات ہے۔ ہمیں اس سلسلہ میں جسارت سے بھی ڈر لگتا ہے کہ حق ادا نہ ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی دین ہے اور اس کی مکمل سوجھ بوجھ ناممکن ہے۔

ہاں البتہ جس نکتہ کی طرف ہم آرہے ہیں وہ یہ ہے کہ انصارِ مدینہ اور حضرت ثنیٰ رضی اللہ عنہما کی طرح ایسے اسلام کے فرزندوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے جو بڑے عظیم تھے لیکن نہ ان کو دنیا میں کوئی رتبہ ملا اور نہ ہی مورخین اور قوم نے ان کو یاد رکھا۔

تبصرہ

دور مت جائیے اسی زمانے میں پاکستان کی تحریک کے ہراول دستے میں چند سکاؤٹ تھے جن کی ایک ہی ادا نے انہیں غازی اور شہید بنا دیا۔ وہ ناموسِ رسولؐ پر قربان ہو گئے، علامہ اقبالؒ اور قائد اعظمؒ ان سب سے واقف تھے۔ یہ عظیم مجاہد اس خطہ میں دونوں عظیم جنگوں کے درمیان والے عرصہ میں اسلام کے نام کو چار چاند لگا گئے اور اس کے بعد ۱۹۴۰ء میں ہم نے پاکستان کا مطالبہ پیش کیا، جس کو اللہ تعالیٰ نے منظور فرمایا۔ لیکن ہم ان سکاؤٹوں کو بھول چکے ہیں اور کئی اور بھی ہوں گے جن کے بارے کسی کو خبر بھی نہ ہوگی کہ وہ اسلام کی کیا خدمت کر گئے اور وہ گناہ مجاہد ہوں گے۔ غیر قوموں کے ہاں تو گناہ سپاہیوں کی ایک یادگار بھی بنائی جاتی ہے لیکن اسلام میں اس کا تصور نہیں کہ مومن سب اللہ کے سپاہی ہیں اور ان کی جزا اللہ کے پاس ہے اور ہم جو کچھ کرتے ہیں وہ اللہ اور رسولؐ کے لئے کرتے ہیں اور نہ شہرت کیلئے۔ اگر کسی کی یادگار ہے تو بھی صحیح ہے اگر نہیں تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ قبر بھی ایک استعارہ ہے۔ ورنہ مومن زندہ ہوتا ہے اور اس دنیا کے دروازے کو کھول کر وہ برزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔

غازی اور شہید

جن مجاہدین یا بزرگوں کے مزاروں یا یادگاروں پر ہم حاضری دیتے ہیں وہ بھی اللہ اور رسولؐ

لے انصارِ مدینہ کے سلسلے میں جلال مصطفیٰؐ کے صفحہ ۲۴۹ سے ۲۵۲ تک استفادہ کریں۔ یہ اللہ کا راز ہے کیونکہ انکے لئے اکیلے حضور پاکؐ کافی ہیں جنہوں نے ان کے شہرِ یشرب کو مدینہ النبیؐ بنا دیا۔ انصار کی خدمات کو کوئی قلم بیان نہیں کر سکتی۔ لیکن اپنی تاریخ دیکھیں نہ ان کو حکومت ملی اور نہ کوئی بڑا عہدہ۔ ان کو جزا آخرت میں ملے گی۔

کے لئے دیتے ہیں اور فاتحہ پڑھنے کے بعد دعا یہ مانگتے ہیں کہ اے رب العالمین ہم جن مصائب کے نشان پر حاضر ہوئے ہیں۔ وہ تیری راہ میں بڑے نیک کام کر گئے۔ ہمیں بھی ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ ایسے بزرگوں کی تلاش ضروری ہے اور پاکستان کے جن سکاؤٹوں کو ہم بھول چکے ہیں۔ وہ غازی عبدالرشید شہید، غازی عظیم الدین شہید، غازی ملک میاں محمد شہید، غازی عبدالقیوم شہید، غازی مرید حسین شہید اور غازی دوست محمد شہید ہیں۔ یہ ناموں رسول پر قربان ہو گئے۔

جنگ کے نبض شناس

اور اسی طرح حضرت منیٰ رضی اللہ عنہا بن عمارت کو بھی بھولتے جاتے ہیں۔ وہ شیر جتنا دل گروہ رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو فولادی جسم عطا کیا تھا۔ میدان جنگ اور شکار گاہ میں کوئی فرق نہ سمجھتے تھے۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے جنگ کے حالات سمجھنے کی ایسی توفیق عطا فرمائی تھی کہ آپؐ لڑائیوں کے نتائج کا پہلے ہی اندازہ لگا لیتے تھے۔ ایک بار آپؐ مدینہ شریف میں جناب صدیق اکبرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جنگی حالات کا جو تجزیہ آپؐ نے پیش کیا وہ خلیفہ وقت کے اپنے تجزیہ کے عین مطابق تھا۔ خلیفہ وقت نے ان کے خیالات کو اپنی حکمت عملی کا حصہ بنایا اور لشکر کے امیروں کو لکھا کہ ان کی تدبیرات کو اپنائیں۔ اس کے باوجود نہ کبھی آپؐ کو سپہ سالاری ملی اور نہ ہی آپؐ نے کبھی اس کے لئے خواہش ظاہر کی یا شکایت کی۔ ہمیشہ کسی سپہ سالار کے ماتحت کام کیا۔ اور نہایت دیانتداری سے خدمات انجام دیں۔ ہاں صرف "وقتوں" نے سپہ سالاری کا تاج ان کے سر پر رکھا اور ایسے وقتوں میں اسلام کی وہ خدمت کی کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فطرت نے ان کو ناپ تول کر کے تیار رکھا تھا کہ آپ ان حالات کو سنبھالادیں۔

اسلام کے عظیم فرزند

انگے چند ابواب میں آپؐ اکثر ہمارے ساتھ رہیں گے۔ آپؐ اپنے قبیلہ کے سردار تھے۔ بھرپور جوانی میں تھے اور جوانی میں ہی شہادت نصیب ہوئی۔ تلوار زنی، داؤ، سلیقہ، جھڑپ چھاپہ، حفظ ماتقدم کی کارروائی، کمانڈ، حربی فن کا جو مظاہرہ آپؐ نے کیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نہایت

طاقتور تھے اور آپ کا ذہن کسی منجھے ہوئے مدبر کی طرح چوکنا تھا۔ جنگ جسر میں زخموں سے چور ہو گئے اور انہی زخموں کی وجہ سے بعد میں شہادت نصیب ہوئی۔ اُس جنگ میں انہوں نے مسلمان مجاہدین کو جس طرح دشمن کے چنگل سے چھڑایا وہ ہماری تاریخ کا ایک درخشاں باب ہے۔ پھر ان زخموں کے ہوتے ہوئے دشمن کے ساتھ جنگوں سے گریز نہ کیا۔ آئندہ کے مسلم سپہ سالار جناب سعد بن ابی وقاص کے لئے جو ہدایات اپنے بستر شہادت پر اپنے بھائی معنی کو دیں وہ آگے آئیں گی۔ جن کو پڑھ کر رقت طاری ہو جاتی ہے۔ ہم اسلام کے اس عظیم فرزند کو سلام کرتے ہیں جس کی لہد سے یہ صدا آرہی ہے۔

زیارت گاہ اہل عزم و ہمت ہے لحد میری

کہ خاکِ راہ کو بنایا رانہ الوندی

(اقبال)

چھٹا باب

ایران اور عراق کے جغرافیائی اور تاریخی عوامل

تہمید

جن ملکوں کی طرف اب فرزند ان اسلام یلغار کرنے والے تھے وہ ہمارے ہمسائے ملک بھی ہیں اور جانے پہچانے ہیں کہ ہمارے خطے میں اسلام اسی راستے سے آیا اور ہماری تاریخ ان ملکوں اور خطوں کے ساتھ نہ صرف روحانی طور پر وابستہ ہے بلکہ عملی طور پر بھی ہم اکثر شکر و شکر ہوتے رہے۔ ہماری ثقافت، ادب اور ہماری زبان پر بھی ان ملکوں کے عظیم راہنماؤں کے اثرات ہیں۔ عربی زبان اور عراق کے راہنماؤں سے تو ہم نے ہمیشہ روحانی غذا حاصل کی لیکن فارسی زبان کو بھی ہم نے سرائیکھوں پر لگایا کہ اکثر اس زبان نے بھی ہمیں اسلام کی صحیح لوری دی۔ عراق سے جناب پیر دستگیر، امام غزالی، امام ماتریدی، فخر الدین رازی، فضیل بن عیاض، جنید بغدادی، بایزید بسطامی، شبلی، منصور، اور متعدد علماء و فقہاء جن میں فقہ کے علماء امام اعظم، امام حنبل، اور امام ابو یوسف شامل ہیں۔ سب ہمارے لئے ایسے ہیں کہ جیسے وہ ہمارے سروں کے تاج ہوں۔ ایران سے شیخ سعدی، جامی، حافظ شیرازی، اور مولانا رومی کے کلام کے اثرات بیسویں صدی کے شروع تک مسلمانوں کے گھر گھر میں موجود تھے جو لوگ ایران میں اسلام کے صراطِ مستقیم کی نشاندہی کرتے رہے۔ ان کو ہم نے اپنا رہنما ہی مانا۔ ہاں عمر خیام کی باغیوں یا فردوسی کے شاہناموں نے جب دوسری تہذیبوں اور تمدن یا ذہنی عیاشی کی باتیں کہیں تو کچھ غلط روایت بھی اس راستے سے ہمارے بیچ داخل ہو گئیں۔ اسلام کے اصول سیدھے ہیں۔ زبان ایک ہو تو بڑا اچھا۔ لیکن اگر ایسا نہ ہو تو مفہوم ایک ہو تو وحدت آہی جاتی ہے اور ہمارا ارشہ اللہ اور رسول کے واسطے سے ہے۔ لیکن یہ تالی ایک ہاتھ سے نہیں بچ سکتی۔ ہر خطہ کے مسلمان ایسا سوچیں تو تباہی و امست واحدہ کا تصور ابھر سکتا ہے۔ اگر ملکوں اور خطوں کی بنیاد کسی اور نظریہ یا باطل نظریہ پہ ہو تو پھر بقول علامہ اقبال "کیا خاک مسلمان ہوں گے؟"

جغرافیہ

جہاں تک ایران و عراق کے جغرافیہ کا تعلق ہے۔ اس میں کوئی خاص تبدیلی نہیں۔ زمینی طور پر یہ علاقے وہی ہیں جو پہلے تھے۔ ہاں دریائے دجلہ اور فرات اپنی راہگزر تبدیل کرتے رہتے ہیں اور ایران و عراق میں جنگلات کی کمی کی وجہ سے موسموں میں تبدیلی آگئی ہے۔ سیاسی تبدیلیاں چودہ سو سال تک ہوتی ہیں اور ہوتی رہیں گی۔ لیکن جس زمانے کی ہم بات کر رہے ہیں۔ اس زمانے میں عراق بھی ایرانی سلطنت کا ایک حصہ تھا۔ بلکہ ایرانی سلطنت میں تک بھی پھیلی رہی۔ عراق میں عرب قبائل تھے اور ایسا بخت نصر کے زمانے سے ہے۔ بخت نصر وہی تھا جس نے چھ سو سال قبل مسیح یہودیوں کو پہلی دفعہ نیست و نابود کیا تھا۔ بہر حال عرب قبائل کو عراق میں کوئی خاص اہمیت حاصل نہ تھی۔ ویسے یمن یا ریگستانی علاقوں سے کئی عرب قبائل عراق کی زرخیز وادیوں اور دریاؤں کے طاس میں جس کو سواد کہتے تھے وہاں جا کر آباد ہو جاتے تھے۔ بنو ٹم، بنو لخم، بنو تغلب وغیرہ کئی قبائل یمن سے ہجرت کر کے ان خطوں میں گئے۔

تاریخی پہلو

دجلہ اور فرات دنیا کے مشہور ترین دریا ہیں اور بابل کی حکومت کے زمانے میں بھی یہاں کسے تہذیب دنیا کی جانی پہچانی اور مانی ہوئی تہذیب تھی لیکن سلطان محمود غزنویؒ کی طرح ہمارا تاریخی مطالعہ بھی با مقصد ہے۔ محمودؒ اسلام کی تاریخ کو شعروں میں سننا چاہتے تھے۔ فردوسی نے ایک شاہنامہ لکھ ڈالا جس میں ایرانی تہذیب، ثقافت، خاندان، بادشاہت، کسری، پردیز، جمشید، شہنشاہ کجلاہوں اور خسروان ثریا جاہ، کی تعریفوں میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے۔ محمودؒ کو جب فردوسی نے یہ سب پڑھ کر سنایا تو محمودؒ کے روح کو ذرا بھر بھی تسکین حاصل نہ ہوئی۔ محمودؒ نے کہا وہ تو یہ چاہتا تھا کہ اے فردوسی تو سرکارِ دو عالم حضور پاک حضرت محمد مصطفیٰؐ کے نام سے تاریخ شروع کر کے آگے بڑھانا اور دنیا کے ملکوں سے قائد اسلام کو شاہین کی طرح گزارنا اور ایسے لوگوں کی تاریخ لکھنا جن کے ساتھ میرا اور میرے بزرگ ابوالحسن خرقانیؒ کا تعلق ہے۔ یہ تم نے کیا کیا کر جمشیدوں اور کسراؤں کی تاریخ لکھ دی۔

اب ہماری بد قسمتی کہ ہمارے دانشوروں نے ساری کہانی کو رنگ ہی اور سے دیا اور وہ الفاظ کی قیمت کے چکر میں پڑ گئے کہ محمودؒ نے فردوسی کو سونے کا ایک سکہ فی شعر کی بجائے چاندی کا ایک سکہ دینا کیا۔ اگر یہ بات بھی صحیح ہے کہ فردوسی اپنے لفظوں کی کم قیمت سن کر دل برداشتہ ہو کر چلا گیا اور اس غم میں مر گیا کہ اس کے الفاظ سستے پک رہے تھے تو اس کی بڑائی کا پول ادھر ہی کھل جاتا ہے ویسے محمودؒ نے تو فردوسی کو کہا بھی نہ تھا کہ وہ تاریخ لکھے۔ محمودؒ ویسے کسی ایسی جگہ خواہش ظاہر کی تھی۔

محمودؒ حضور پاکؐ کا غلام تھا۔ اس نے اسلامی فلسفہ حیات ایک جملے میں بیان کر دیا کہ وہ محمود بت فردش کی جگہ محمود بت شکن کے نام سے پکارا جانا پسند کرے گا جس کا مقصد حیات ہی یہ ہو کہ روز قیامت اللہ کے سامنے کیا جواب دے گا۔ اس کے سامنے سونے اور چاندی کی کوئی قیمت نہیں۔ اور اس عظیم مجاہد کے خلاف یہ اور کئی ایسے بہتان ہماری تاریخوں میں موجود ہیں جن کو پڑھ کر افسوس ہوتا ہے کہ ہم نے ان غلیظ بہتانوں کو سمندر میں کیوں نہیں ڈبو دیا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اسلام کی ساری عسکری تاریخ لکھنے کی سعادت بخشی تو محمودؒ کی عظمت کو کھل کر بیان کیا جائے گا کہ وہ اسلام کا عظیم فرزند تھا۔

غلط نقالی

بات معاملات کسے روح تک پہنچنے کی ہوتی ہے۔ تاریخ کے غلط مطالعے سے اور عیروں کی دنیاوی اور جھوٹی عظمت سے متاثر ہو کر، ہم خود غلط ڈگر پر چل پڑتے ہیں۔ جس طرح رضا شاہ پہلوی آریہ مہر اور پتہ نہیں کیا کیا بن گیا اور شاہ رخ یا "سیرس" کی بادشاہت کے اڑھائی ہزار سال منانے کے چکر میں پڑ گیا اور یہ بھول گیا کہ ایران اب مسلم ایران ہے اور اللہ کے حبیب کے غلام ہیں۔ "کراؤں" والی بات ختم ہے۔ یہ نکتہ سمجھنے سے تعلق رکھتا ہے کہ ہم بھی ٹیکسلا، ہٹریہ اور مہاجندارو کی تہذیبوں کے گن گانے لگتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ ہم مصطفویؐ ہیں۔ اول "بندے ماترم" کا ترجمہ کر کے "پاک سرزمین شاد باد" کے چکر میں پڑ کر کافی نقصانات کر چکے ہیں، ابھی تو "سایہ ذوالجلال" کی وجہ سے بچے ہوئے ہیں۔ ورنہ سارا پاکستان "شاد باد" ہو جاتا کہ سوہنی دھرتی کی پوجا جو شروع کر دی اور زمین و عوام کو اللہ کا

شریک بناتے لگ پڑتے ہیں۔

ماحصل

اس سب بیان سے ہم اس مقصد پر آتے ہیں کہ ایران کی پرانی تاریخ میں ہمارے لئے کچھ بھی نہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص نے جب ایک لائبریری کے متعلق حضرت عمرؓ کو لکھا کہ بڑی شاندار ہے تو آپ نے لکھا فن اور ہنر کی کوئی کتاب ہو تو رکھ لینا۔ باقی سب کو جلا دو اور ساتھ ہی لکھا "اے سعدؓ سنو! اگر ان کتابوں میں فلسفہ، نظریہ یا معاشرت وغیرہ کی کوئی اچھی باتیں ہیں تو ہمارے کام کی نہیں کہ ہر پہلو پر ہمارے پاس اللہ کے احکام اور حضور پاکؐ کی سنت موجود ہے یعنی ان سے بہتر احکام آچکے ہیں۔ اس لئے ان کی ہمیں ضرورت نہیں۔ اگر ان کتابوں میں ذہنی عیاشی والا ادب ہے یا غلط قسم کا فلسفہ ہو تو اس کی بھی ضرورت نہیں۔"

بعد کے کئی مورخین اور ادیب آگے بڑھے اور انہوں نے یہ تھیوری پیش کی کہ نہیں حضرت عمرؓ ایسا نہیں کر سکتے۔ وہ بڑے علم دوست تھے۔ ان بے چارے ادیبوں کے سامنے عرض ہے کہ جناب عمرؓ واقعی بڑے علم دوست تھے لیکن وہ صرف اللہ اور رسولؐ والے علم کے دوست تھے۔

باقی ساری گلڑیاں اکا اللہ والی گل

کچھ رولا پایا عالماں تو کچھ کتاباں پچھلے شاہ

اور حضرت عمرؓ کے حساب سے اللہ اور رسولؐ کے احکامات کے علاوہ باقی سب خرافات ہیں۔

علموں بس کریں او یار

تینوں اکا اللہ ہی درکار

پچھلے دنوں ماؤزے تنگ نے جب چین میں ایسی پرانی کتابوں کو جلا دیا تو پھر کچھ "دانشور" خاموش ہو گئے۔ یہ اللہ کو معلوم ہے کہ سوجھ بوجھ سے ایسا کیا کہ کس سرخ انقلاب کے چکر میں تھے۔

ایران کی پرانی تاریخ

اس وضاحت کے بعد ہم دارا اور سکندر کے جنگوں کے چکروں میں نہ پڑیں گے آیا پار تھی ایرانی

تھے یا تورانی اور خراسانی یا ساسانی کون تھے اور کہاں سے آئے وغیرہ کے چکروں میں بھی نہیں پڑنا چاہیے۔ ہم صرف وہاں تک جائیں گے جب حضور پاکؐ اس دنیا میں تشریف لائے تو نوشیرواں ایران کا بادشاہ تھا اور بڑا عادل بادشاہ تھا۔ حضور پاکؐ کی عمر نو سال تھی تو وہ مر گیا۔ بنیادی طور پر باطل فلسفہ کا پابند تھا۔ اس کے بعد تخت کے وارث نا اہل ثابت ہوئے۔ حضور پاکؐ مکہ ہی میں تھے اور آپ کی نبوت کو چند سال ہی گزرے تھے کہ اہل ایران اور اہل روم میں ایک جنگ ہوئی جس میں اہل روم کو شکست ہوئی۔ کفار مکہ خوش تھے کہ وہ اپنے آپ کو ایرانیوں کا حلیف سمجھتے تھے اور مسلمانوں کو اہل روم کے حلیف سمجھتے تھے کہ وہ عیسائی تھے۔ اس کا ذکر قرآن پاک کی سورہ روم میں موجود ہے۔ جہاں یہ ذکر بھی ہے کہ اہل روم جلد غالب آجائیں گے۔ مسلمانوں کو مدینہ میں ہجرت کئے ہوئے ایک سال ہی ہوا تھا کہ یہ پیش گوئی بھی پوری ہو گئی۔ سورہ روم مکتی ہے اور جب یہ سورہ اتری تو ابو جہل وغیرہ نے بڑا مذاق اڑایا کہ عرب سے نکل کر باہر کے معاملات کا فیصلہ بھی مکہ میں ہونا شروع ہو گیا ہے۔ اس اللہ کے دشمن کو کیا پتہ تھا کہ دین اسلام ساری دنیا کے لئے ہے اور جلد ساری دنیا پر چھا جائے گا۔ اہل ایران کی شکست کو صرف چار سال ہوئے تھے تو ہمارے آقاؐ نے جنگ احزاب میں خندق کی کھدائی کے وقت ہی مسلمانوں کو قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کی ملکیت کی خوشخبری سننا دی تھی۔

بہر حال ایران کی حکومت کمزور سے کمزور تر ہوتی چلی گئی اور چند سالوں میں کئی بادشاہ تبدیل ہوئے۔ ہمارے آقاؐ کے زمانے میں ایک عورت بھی تخت پر بیٹھی تو حضور پاکؐ نے فرمایا کہ جس قوم کو حکومت کے لئے کوئی مرد نظر نہ آئے اور وہ عورتوں کو حکومت سونپ دیں تو وہ قوم زوال پذیر ہوتی ہے۔ یہ بات جلد پوری ہوئی۔ تخت کے وارثوں میں قتل پہ قتل ہوتے گئے اور کئی وارث مارے گئے۔ آخری بادشاہ یزدجرد تھا۔ اس کی ماں کی شادی اس کے باپ کے ساتھ پوشیدگی میں ہوئی۔ اس کی پیدائش اور پرورش اس کے دادا سے چھپا کر کی گئی کہ اس کا دادا اپنے کسی بیٹے کو شادی کی اجازت نہ دیتا تھا گو خود تین ہزار عورتوں کا حرم رکھے ہوئے تھا۔ بہر حال ہمارا زیادہ واسطہ آخر

لے تفصیل کے لئے جلال مصطفیٰؐ کے صفحہ ۱۲۹-۱۳۰ سے استفادہ کریں۔

میں یزدجرد کے ساتھ ہی ہوگا۔

عراق کے سیاسی حالات

مغربی عراق کا دارالحکومت حیرہ تھا جو نقشہ پنجم اور ششم میں موجود ہے۔ یہ جگہ نجف الشرف اور کوفہ کے نزدیک تھی گو آج کل کھنڈرات کی شکل میں ہے۔ عراق کے لوگ کچھ نیم خود مختار تھے اور نیم بادشاہت تھی۔ ایران والوں نے کچھ عرصہ بنی طے کو عراق کی بادشاہت یا نوابی سونپ رکھی تھی۔ اور جب چاہتے کوئی اور باجگزار بادشاہ بنا لیتے۔ جس طرح انگریز ریاستوں کے راجے اور نواب بناتے رہتے تھے۔ موجودہ شہروں میں سے کئی شہر موجود نہ تھے۔ بصرہ اور کوفہ تو سننے میں بھی نہ آتے تھے۔ ان شہروں کو تو مسلمانوں نے حضرت عمرؓ کے زمانے میں چھاؤنیوں کے طور پر آباد کیا کہ فوجی لحاظ سے یہ مقامات اہم تھے۔ بغداد بھی ایک قصبہ تھا۔ اس کو خاندان عباسیہ نے جدید "بغداد" بنا دیا۔ صفین یا سٹیفن کا مقام بڑا اہم تھا اور اس کو مسلمان مدائن کہتے تھے۔ یہاں پر کئی شہر تھے۔ یہ ایرانی حکومت کا دار الخلافہ تھا۔

عرب قبائل اور خاص کر حضرت شنی رضی اللہ عنہ کے قبیلہ بنو بکر کے کچھ لوگ عراق میں بھی آباد تھے۔ جب اسلام نے ان قبائل کو تازہ روح اور نئی زندگی بخشی تو جناب شنی رضی اللہ عنہ جیسی عظیم شخصیت آئندہ کے حالات کو بھانپ گئی کہ ایران کے معاملات اب دیگر گوں ہونے والے ہیں۔ اس لئے انہوں نے مسلمانوں کو متحد کیا اور آگے بڑھ کر ایرانیوں پر چھاپے مارنے شروع کر دیئے۔ یہ چھاپے زیادہ تر ابلہ کی چھاؤنی کی طرف تھے جو نقشہ پنجم اور ششم میں ہے اور موجودہ بصرہ کے نزدیک ہے۔ کس زمانے میں خلیج فارس سے جہاز ابلہ تک آتے تھے۔ خاص کر ہندو سندھ یعنی موجودہ پاکستان اور بھارت کے جہاز جو ایرانیوں کے ساتھ تجارت کے لئے آتے تھے۔ وہ ابلہ کی بندرگاہ میں آکر رکتے تھے اور اس زمانے میں اس جگہ کو ہندو سندھ کی بندرگاہ بھی کہا جاتا تھا۔ یہ مقام آگے بھی ہماری کتاب میں اکثر زیر بحث آئے گا اور اس علاقہ کو ہم جنوبی محاذ کا نام دیں گے۔ یہاں ہی سے آگے بڑھ کر حضرت عمرؓ کے زمانے میں اسلام کی فتوحات صوبہ فارس سے ہوتی ہوئی زاہدان اور مکران تک پہنچیں۔

شہنشاہ حارث بڑے جہاندیدہ آدمی تھے۔ ایرانیوں کے ساتھ چند ایک جھڑپوں کے بعد ان کی دُور رس نگاہ تارگئی کہ حکومت زوال پذیر بھی ہو تو فوج میں زوال دیر سے آتا ہے۔ ہاں اگر کسی ملک کی حکومت فوج کی نالائقی سے زوال پذیر ہو تو پھر اور بات ہوتی ہے۔ یعنی یک نہ شد و شد۔ دونوں گئے گذرے ہوتے ہیں لیکن اگر حکومت صرف بندر بانٹ اور سیاسی اکھاڑہ بن جائے تو کسی عظیم ملک کی فوج جلد ختم نہیں ہوتی۔ مغل فوج میں محمد شاہ رنگیلے کے زمانے تک بھی کچھ جان موجود تھی۔ یہ نکتہ سمجھنے سے تعلق رکھتا ہے کہ فوج کسی ملک پر کیوں قابض ہو جاتی ہے کسی ملک میں جب سیاسی بندر بانٹ شروع ہو جاتی ہے تو وہاں اگر اہل فوج مضبوط ہوں تو وہ ملک کی باگ ڈور سنبھال لیتے ہیں۔

اللہ کی فوج

دین فطرت پوری قوم کو اللہ کی فوج کے مترادف قرار دیتا ہے۔ حکومت میں سیاست بازی اور بندر بانٹ ضرور آجاتی ہے اور اس پہلو کو کتاب سوم اور چہارم میں اور واضح کیا ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ پوری قوم اللہ کی فوج ہو۔ فن سپاہ گری سے واقف ہو۔ اور ربط و ضبط پر عمل پیرا ہو تو پھر سیاسی افراتفری کم ہوگی اور حکومت قائم رہے گی۔ دوسری صورت میں کوئی ایک پہلو کمزور ہو جائے گا تو وہ دوسرے کو بھی لے ڈوبے گا۔ اس لئے جو لوگ سولین اور فوجوں کو الگ الگ کرتے ہیں وہ قوم میں انتشار پیدا کرتے ہیں۔

ایرانی فوج

بہر حال ہمارے عظیم مجاہد جناب شہنشاہ کو جلد ہی ایران کی فوج کی حربی کارروائیوں کا اندازہ ہو گیا کہ وہ ابھی مکمل طور پر زوال کی طرف رخ نہ کئے ہوئے تھے ہمیں ہمارا اس زمانے کے ایک مبصر جو پرانی ایرانی فوجوں کا رزوا کیا بیان کرتے ہوئے زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں کہ ایرانی فوج دنیا میں اپنا مقام نہ رکھتی تھی۔ ہاں البتہ زیادہ متحرک نہ تھی مسلمانوں سے ایرانیوں کی شکست کی بڑی وجہ بھی یہی تھی کہ ایرانی متحرک نہ تھے۔ اور ہمارے لحاظ سے جو متحرک نہ ہو۔ اس کا کوئی مقام نہیں۔ یعنی متحرک طرز جنگ سے گریز کرنے والی فوج جلد ختم ہو جاتی ہے۔

ساتواں باب

فتوحات عراق کی بسم اللہ

(جنگِ سلاسل)

اس باب میں وہ واقعات بیان کئے جائیں گے جب اہل اسلام مشرق اور شمال مشرق سے ملک عرب کے علاقوں سے نکل کر دوسرے علاقوں میں داخل ہوتے ہیں گو عراق کی آبادی زیادہ تر عرب قبائل پر مشتمل تھی لیکن ایرانیوں کے باجگزار تھے اور عرب شہزادے ہر قبیلہ میں کچھ برائے نام پوزیشن کے مالک تھے۔ اصلی طاقت ایران کے مقرر کردہ گورنروں کے ہاتھ میں تھی اور ان میں سے اکثر فوجی جرنیل بھی تھے۔ اُس زمانے میں عرب سرحدوں کے ساتھ کاملہ وغیرہ اور ابلہ کے علاقوں کا فوجی گورنر ہمز تھا۔ اسی کے ساتھ مسلمانوں کی ٹکر ہوئی۔ جرنیل بھی تھا

ایرانیوں کے حالات

ایرانی، عربوں کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ وہ ان کو ایک جنگلی قوم یا وحشی لوگ سمجھتے تھے یمن تک ان کی حکومت قائم رہی تھی۔ جو انہوں نے اپنے سینیا کی فوج کو شکست دے کر حاصل کی تھی۔ لیکن صحرائے عرب یا حجاز اور نواحی علاقوں میں ان کو کوئی نزرخیزی یا دولت نظر نہ آئی تو انہوں نے اس طرف کی پروا نہ کی۔ حضور پاکؐ نے ایران کے بادشاہ کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور حضرت عبداللہؓ بن خذافہ کو قاصد کے طور پر خط لے کر بھیجا۔ کسریٰ ایران نے وہ خط پھاڑ دیا اور حضور پاکؐ نے فرمایا کہ اس کی سلطنت بھی اسی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی۔

کسریٰ کے تکبر اور غرور کی کوئی حد نہ تھی۔ اس نے یمن کے گورنر بدھان کو حکم دیا کہ اس عرب (یعنی حضور پاکؐ) کو گرفتار کر کے اس کے پاس بھیجا جائے۔ بدھان نے دو آدمی بھیجے کہ حالات کا مطالعہ

لے آپ ام المومنین جناب حفصہؓ کے پہلے خاند کے بھائی تھے۔

کریں۔ اس سلسلہ میں ابن اسحقؒ کے انگریزی ترجمہ وال کتاب میں حالات تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ جب یہ دو آدمی حضور پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور پاکؐ کی باتوں سے بڑے متاثر ہوئے اور حضور پاکؐ نے ان کو بتا دیا کہ ان کے بادشاہ کا بیٹا اپنے باپ کو قتل کر کے خود تخت پر بیٹھ گیا ہے۔ یہ آدمی جب گورنر کے پاس واپس پہنچے اور اپنے تاثرات بتائے تو گورنر نے کہا کہ ایسی بات تو پیغمبر ہی کرتے ہیں اور اسی دوران بادشاہ کے قتل کی خبر بھی مل گئی اور عین کا گورنر بھی مسلمان ہو گیا اور وہ فیروز جس نے اسود غسی کو قتل کیا ایرانی تھا۔ دوسرے اور چوتھے باب میں ذکر ہے کہ اسلام کس طرح عین کے چپے چپے میں پھیل گیا تو اس کے بعد ایران کا معاملہ عین میں خود بخود ختم ہو گیا بلکہ متعدد ایرانی بھی اسلام کی آغوش میں داخل ہو گئے۔

عراقی قبائل

حضرت ثنی بن حارث خلیفہ اول کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کو حالات سے آگاہ کیا اور ان سے اجازت چاہی کہ وہ آگے بڑھ کر عراق کے قبائل میں اسلام کا پیغام پہنچائیں جس کے لئے ان کو کچھ فوج ہمسایا کی جائے جناب صدیق اکبرؓ نے حضرت ثنی کو اس علاقے کا عامل مقرر کر دیا۔ ساتھ ہی قبیلہ عجل کے مدغور بن عدی کو اپنے علاقے کے لئے ایسی ہی تقرری کا حکم دیا۔ دو اور قبائل سلیمی اور حرط کے سرداروں کو اسی قسم کے کام کی اجازت بھی مل گئی۔

کمانڈ میں وحدت اور حکمت عملی

اب ضرورت اس بات کی تھی کہ ان تمام تر کارروائیوں میں وحدت اور مرکزیت پیدا کی جائے اور مختلف کمانڈروں کو کسی ایک کمانڈر کے ماتحت کر کے بھرپور اور متحدہ کارروائی کی جائے اور نلیفہ اول ذہنی طور پر اس کام کے لئے تیار تھے اور جناب خالد بن ولیدؓ میں اپنی کارروائی پوری کرنے کے بعد اگلے حکم کا انتظار کر رہے تھے۔ ادھر شمال کی جانب جناب عمرو بن عاص، جناب شریح بن حسہ اور جناب خالد بن سعید، شام و فلسطین

۱۔ یہ کتاب پاکستان فوج کے جنرل ہیڈ کوارٹرنے دوبارہ شائع کر ہیرا سبریری کو دی ہے۔

کی سرحدوں کی "دیکھ بھال" میں مصروف تھے اور خلیفہ وقت حالات کا مطالعہ فرما رہے تھے۔
 تاریخ کے با مقصد مطالعہ کے لئے یہ چیز سمجھنے سے تعلق رکھتی ہے کہ ایسے ہی تو دنیا فتح نہ ہو گئی اس
 کے لئے حکمت عملی اور طریق کار مقرر کئے گئے کہ پہلے اہل اسلام کس طرف کا رخ کریں اور کب؟ اور دوسرا مرحلہ
 کب اُذ کیسے شروع ہو؟ ظاہر ہے کہ اپنے وقت کے عظیم ترین حکمران اور حضور پانٹ کے بعد دنیا کے دوسرے نمبر کے
 سپہ سالار اعظم اور یارِ غار کی حکمت عملی کا کون مقابلہ کر سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں فتوحات زیادہ ہوئے کہ
 ان کو وقت بھی زیادہ مل گیا تھا جب ہم دونوں عظیم رہنماؤں کی کامیابیوں کا موازنہ کرتے ہیں تو حضرت عمرؓ کے زمانے کو
 بہتر حیثیت دے دیتے ہیں لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ ان تمام فتوحات کی بنیاد جناب صدیق اکبرؓ کے زمانے میں رکھی
 گئی بلکہ اگر عرصے کا حساب لگایا جائے تو اوسط کے لحاظ سے جتنی فتوحات جناب ابوبکرؓ کی اڑھائی سال کی خلافت میں
 ہوئیں اتنی نہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہوئیں اور نہ کسی اور مسلمان حاکم کے زمانے میں۔ پھر قوم میں جو وحدتِ فکر
 پیدا کیا اور اندوہ نیک خلف شاختم کر کے جس طرح مسلمان آپؓ کے زمانے میں وحدتِ عمل کی منزل پر رواں دواں ہوئے
 تو اس سلسلے میں جناب فاروق اعظمؓ اکثر فرمایا کرتے تھے: "بِخدا اللہ رحمت کرے جناب ابوبکرؓ پر۔ ان کے نقش
 قدم پر چلنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔"

تاریخ اور راوی

اب حالات کو آگے چلانے سے پہلے ایک وضاحت بہت ضروری ہے اب تک لڑائیاں سرزمینِ عرب
 پر ہونی رہیں اکثر جنگوں کے بعد دشمن بھی مسلمان ہو گئے اور یہ انعام لکھنے والوں نے در عین چھان بین کے بعد
 تاریخ کو بہتر طور پر لکھا۔ اس میں ایک آسانی بھی تھی کہ ادھر حکم دیا اور پھر جلدی سے اس حکم پر عمل یا کارروائی مکمل
 ہو گئی۔ اور نتائج بھی سامنے آ گئے لیکن اب معاملات وسعت اختیار کر گئے تھے ایک راوی نے، ریزہ کا ذکر کیا کہ وہاں
 سے اس قسم کے احکام جاری ہوئے۔ دوسرے نے اس جگہ کا ذکر کیا جہاں احکام پہنچے اور کارروائی و نتائج کا راوی،
 ایک تیسرا آدمی بھی ہو سکتا تھا، بہر حال ان وسعتوں کے باوجود مسلمانوں کی تاریخ جتنی صحیح طور پر موجود ہے اتنی
 کسی اور قوم کی نہیں۔ وہ سچے لوگ تھے، جس طرح چیزیں ان کو نظر آئیں انہوں نے بیان کر دیں اور مورخین نے
 سب کے بیانات لکھ ڈالے طرزِ بیان اور ناضلوں کی وجہ سے جو تھوڑا بہت فرق تھا اس کو البتہ ٹھیک نہ کیا گیا اور
 مختلف روایتیں لکھی گئیں پھر بعد کی صدیوں میں کچھ شریکوں نے اپنی طرف سے اضافے کر دیئے اور ان کو کتاب کا

حصہ بنا کر پیش کر دیا لیکن اگر گہرا مطالعہ کیا جائے تو حقیقت اور سچائی سامنے آجاتی ہے کہ بیان "عینی شاہد" کا ہے یا صرف "شاید" کا ہے

اس طرح "مبصر" "ناقد" "پڑچ نویس" "ادیب" "افسانہ نگار" "قصہ گو" غرضیکہ ہر لکھنے والے کے بیان سے اس کی اصیلت ظاہر ہو رہی ہوتی ہے۔

راویوں کے طرز بیان

مثال کے طور پر طبری میں ایک روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق نے جب بیمار کی طرف سے حضرت خالد کو عراق میں داخل ہونے کا حکم دیا تو اسی زمانے میں حضرت عیاض بن غنم کو بالائی علاقے سے دومت الجندل والے راستے عراق میں داخل ہونے کا حکم دیا دونوں کی منزل مقصود حیرہ تھی اور خلیفہ نے فرمایا جو حیرہ پہلے پہنچ جائے گا وہ عراق کا سپہ سالار ہوگا اس کتاب کے تیسریوں باب میں ہم حضرت عیاض بن غنم اور جناب خالد کی متحدہ کارروائی کے تانے بانے جا کر دومت الجندل میں ملائیں گے اور یہ سارا عرصہ جب جناب خالد نے لاکھوں کی تعداد میں دشمن کو واصل جہنم کیا اور درجنوں جنگیں لڑیں حضرت عیاض بن غنم دومت الجندل کو بھی فتح نہ کر سکے۔

تبصرہ

اب سارے حالات کو مد نظر رکھ کر اگر اس روایت کا جائزہ لیا جائے تو نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت عیاض کا لشکر ہی چند ہزار آدمیوں کا تھا اور راستہ اتنا غیر آباد تھا کہ اس راستے سے اگر حیرہ کو فتح بھی کر لیا جاتا تو مدینہ کے ساتھ نہ کوئی رابطہ قائم رکھا جاسکتا اور پہلی لشکر کے لئے راستہ پر کسی بحالی یا کفالت کا سامان ہوتا وغیرہ اور حیرہ کی فتح کے بعد اس کے پچھلے آباد علاقوں میں وہ تمام جنگیں لڑے بغیر چارہ نہ تھا جن کا ذکر ہم اگلے پارے ابواب میں کریں گے یہ سب کچھ بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ایسے راوی بھی گزرے ہیں جن کو عراق کو فتح کر لینا اتنا آسان نظر آیا کہ حضرت عیاض بن غنم عراق کو چند ہزار مجاہدوں کے ساتھ دومت الجندل والے راستے سے فتح کر لیتے۔ اس روایت کو نقشہ پنجم کی مدد سے پرکھیں اور جو لوگ صرف نقشوں کی مدد سے حکمت عملی بناتے

لس: آپ عظیم صحابی جناب ابو عبیدہ بن جراح کے چچا زاد اور خالد بن ولید کے بھائی بھی تھے

ہیں ان کو تو شاید یہ روایت صحیح نظر آئے گی لیکن جو لوگ نقسٹوں کا مطالعہ کر کے تجویز بنانے سے پہلے فہشوں کی زمینوں پر ذہنی طور پر سفر بھی کرتے ہیں اور ذہنی طور پر جنگیں بھی لڑتے ہیں وہ اس روایت کو سن کر سنس دیں گے۔ خیر یہ الگ بات ہے کہ اللہ کی تلوار اور حضرت عیاض بن غنم کی فوجی بصیرت میں زمین و آسمان کا فرق تھا اور ذہن یہ بات مان ہی نہیں سکتا کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے ایسے احکامات دیئے ہوں لیکن ایسے راوی موجود تھے جن کو عراق کی ساری جنگ اتنی معمولی نظر آئی۔ اس کی مزید وضاحت تیرہویں باب میں خود بخود ہو جائے گی لیکن دو مرتبہ الجندل والا راستہ کھولنے کی ضرورت تھی۔

حضرت خالدؓ کے لئے احکام

خلیفہ وقتؓ نے جب فیصلہ کر لیا کہ لیم اللہ عراق سے کریں گے تو انہوں نے حضرت خالدؓ کو حکم دیا کہ وہ زیارت ابلہ کی طرف بڑھیں اور ان کی منزل مقصود صرف حیرہ تک ہوگی۔ مدائن وغیرہ کے سلسلہ میں احکام بعد میں دیئے جائیں گے۔ ساتھ ہی آپ نے حکم دیا کہ صرف رضا کار آدمیوں کو اپنے لشکر میں رہنے دیں۔ بایقوں کو جو جنگ میں شرکت کرنا نہیں چاہتے ان کو اپنے گھروں میں جانے دو تو نتیجہ یہ نکلا کہ جناب خالدؓ کے پاس صرف دو ہزار مجاہد رہ گئے اور آٹھ ہزار مجاہد اپنے گھروں کو چلے گئے۔ حضرت خالدؓ نے خلیفہ وقتؓ کو اس کی اطلاع دی تو خلیفہ نے مسجد نبویؐ میں تمام مسلمانوں کو ان حالات سے آگاہ کیا اور ساتھ ہی جناب قعقاعؓ بن عمروؓ کا ذکر پہلے ہو چکا ہے جو قبیلہ بنو تمیم سے تھے اور اسلام پر قائم رہے کو بلا یا اور جناب خالدؓ کے پاس مکہ کے طور پر بھیج دیا۔ جناب قعقاعؓ اور ان کے دوسرے بھائی جناب عاصمؓ آئندہ کے ابواب اور اٹھلی کتابوں میں بھی ہمارے ساتھ رہیں گے ایسے خوش نصیب والدین دنیا میں کم ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے قعقاعؓ اور عاصمؓ جیسے فرزند عطا فرمائے۔

خلیفہ اول کی حکمت عملی

خلیفہ اولؓ یہ سب کچھ کسی حکمت عملی کے تحت کر رہے تھے۔ قعقاعؓ وہاں موجود تھے اور تیار تھے تو خلیفہ وقتؓ نے انہیں محاذ جنگ پر بھیج دیا جب صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ خالدؓ کی اتنی بڑی مہم کے لئے واہد مجاہد کو مکہ پر بھیجا جا رہا ہے تو خلیفہ اولؓ نے فرمایا "قعقاعؓ تیار تھے، بھیجے جا رہے ہیں آپ لوگ تیار ہو جائیں

اور باقی لوگوں کو تیار کریں تو ان کو بھی محاذ پر بھیج دیا جائے گا اس کے علاوہ خلیفہ اول نے یمامہ کے لشکر سے لوگوں کو گھر جانے کی اجازت دی اُس میں بھی بڑی دانائی اور حکمت کی بات تھی لوگ تھک چکے تھے اور بال بچوں سے مناسوری سمجھتے تھے۔ چھٹی ملی مالِ غنیمت بھی ساتھ لے آئے ہوں گے بڑی خوش آمدید اور آؤ بھگت ہوئی ہوگی۔ چند دن گھر میں گزارے ہوں گے تو کچھ بوریٹ محسوس ہوئی ہوگی دل میں پھر خیال پیدا ہوا ہوگا کہ کیوں نہ محاذ پر جائیں اور مالِ غنیمت حاصل کر کے ایک دفعہ پھر لوٹیں اور دوبارہ وہی عزت اور آؤ بھگت ہو۔ یہ نفسیاتی اور فطرتی پہلو ہے اور دینِ فطرت ایسے طریقوں کی اجازت دیتا ہے۔

علاوہ خلیفہ اول شروع شروع ایران کے خلاف کسی لاد لشکر کو نہیں بھیجنا چاہتے تھے اگر اُس لشکر کو کامیابی نہ ہو تو پیچھے علاقوں میں لوگ موجود ہوں اور اگر ایرانی جوانی کارروائی کریں تو ان کا مقابلہ کیا جاسکے۔ بڑے لشکرے بہت بڑی عازم کارروائی معلوم ہوتی اور اُس سے ایرانی لاد لشکر بھی مقابلے میں آسکتے تھے اور مسلمانوں کے بہت بڑے لشکر کو اُس علاقے کے لوگ بھی شاید پسند نہ کرتے۔ خلیفہ اول کی حکمت عملی یہ تھی کہ اُس علاقے کے مسلمان قبائل کو اُس کام میں شریک کیا جائے اور جناب خالدؓ کا لشکر تمام مجاہدین میں وحدت کا ذریعہ بنے وہ حرلی بصارت اور کامیابیاں جو خالدؓ کے لشکر کے مجاہدین حاصل کر چکے تھے اُن سے باقی مسلمان بھی تائدہ اٹھائیں اسلئے خلیفہ اول نے جناب شنیؓ، بدغور بن عدی اور سلمیٰ اور حرملہ قبائل کے سرداروں کو خط لکھے کہ وہ اپنے مجاہدین کے ساتھ خالدؓ کے آئندہ احکام کا انتظام کریں کہ وہ اُن کے علاقہ کے سپہ سالار اعظم ہیں۔

جنگ سلاسل کی تیاری

واقعات کا تسلسل قائم رکھنے کے لئے آپ یاد کریں کہ جناب شنیؓ گیارہ ہجری ذیقعد کے ہیبتہ میں مدینے حاضر ہوئے تھے اور اُس کے صرف دو ماہ بعد محرم بارہ ہجری میں جناب خالدؓ کو ایران و عراق کی طرف پیش قدمی کے احکام مل جاتے ہیں۔ خالدؓ کے پاس صرف دو ہزار مجاہدین رہ گئے تھے لیکن گردنواح سے مسلمان قبائل کو بھرتی کر کے جناب خالدؓ اپنی فوج کی تعداد کوئی دس ہزار کے قریب کر چکے تھے اب آگے چار عرب سرداروں سے جن کو خلیفہ اول نے خط لکھے دو ہزار فی قبیلہ مجاہد ملنے کی امید تھی جس سے لشکر کی تعداد اٹھارہ ہزار تک پہنچنے کی امید تھی۔ یمامہ سے کوچ کرنے سے پہلے جناب خالدؓ نے چاروں عرب سرداروں کو خط لکھے اور

اپنی پیش قدمی کے راستہ سے اُن کو آگاہ کیا کہ وہ بناج والے راستہ سے ابلہ کی طرف آگے بڑھیں گے اور ابلہ سے پہلے وہ اپنے لشکروں کے ساتھ آکر اُن سے مل جائیں اور پھر ایران کے اُس علاقہ کے گورنر ہرمز کو خط لکھا جس کے مختصر طور پر الفاظ یہ تھے: "ہم اللہ کے احکام کو جاری و ساری کرنے کے لئے پیش قدمی کر رہے ہیں تم اسلام میں داخل ہو جاؤ اگر یہ نہیں منظور تو بجز یہ ادا کرنا ہم تمہاری اور تمہارے عوام کی حفاظت کریں گے اگر یہ بھی منظور نہیں تو پھر تیار ہو جاؤ ہم تمہارے علاقے میں ایسے لوگوں کو لارہے ہیں جو موت کے ساتھ اتنی ہی محبت کرتے ہیں جتنی تم لوگ زندگی کے ساتھ کرتے ہو۔"

خالد کی تجویز پر عمل

مشنی نے فوری طور پر احکام کی تعمیل کی۔ خالدؓ کو خوش آمدید کہنے کے لئے وہ بناج پہنچ گئے۔ بے شک! اگر اس عظیم انسان کے پر ہوتے تو وہ اڑ کر جناب خالدؓ کے پاس یمامہ پہنچ گئے ہوتے۔ بہر حال باقی تینوں سرداروں نے بھی بسر و چشم ان احکام کو ماننا سب قبائل مسلمانوں کی طاقت اور کردار سے بہت متاثر ہو چکے تھے۔ دینِ فطرت نے اُن کی اپنی شان کو بڑھا دیا تھا وہ خود ایرانیوں سے سنگ تھے اور ان کے ہمسایہ قبائل بھی ایرانیوں کی غلامی کا جوا اُتار کر پھینک دینا چاہتے تھے۔ اور اللہ کی غلامی سے لطف اندوز ہونا چاہتے تھے۔

ہرمز کا ردِ عمل

ہرمز البتہ خالدؓ کا خط پڑھ کر حیران ہو گیا کہ وہ معمولی آدمی نہ تھا وہ بہادر فوجی برنیل تھا جس کو ایران کے سرحدی صوبوں کی حکومت سونپی گئی تھی۔

ایران میں جرنیلوں کے رتبہ کا اندازہ ان کی ٹوپی سے لگایا جاتا تھا اور بہت بڑے جرنیل زیادہ قیمت والے ہیرے اور جواہرات کی ٹوپی پہنتے تھے چنانچہ ہرمز ایک لاکھ درہم کی ٹوپی پہنتا تھا۔ ابلہ اُس کا صد مقام تھا۔ اُس مقام کو خاص اہمیت حاصل تھا اور جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے یہ موجودہ بصرہ کے نزدیک واقع تھا نقشہ پنجم سے اس کی اہمیت کا اندازہ لگائیں کہ تمام عرب زمین کو یہاں سے راستے جلتے تھے۔ اور اوپر عراق کے علاقے سواد یا دریاؤں کے طاس کو بھی۔ سمندری لحاظ سے اس کی اہمیت پچھلے باب میں واضح کر دی گئی ہے اور یہ علاقہ بھی زرین

سے: نقشہ پنجم دیکھیں۔

تھا۔ حضرت شیخ کی چھاپہ مار کارروائیوں کی شدت کی وجہ سے ہرمز کو اس علاقہ میں تعین کیا گیا تھا۔ ہرمز ایک مغرور شخص تھا اور شہنشاہ کے رواج اور طور طریقوں کے مطابق وہ عام آدمیوں کی پرواہ نہ کرتا تھا اور عرب اُس کے خیال کے مطابق بونے تھے یعنی اُن کو وہ خاطر میں نہ لاتا تھا۔ عرب قبائل بھی اُس کے ساتھ بے پناہ نفرت کرتے تھے اور اگر کسی کی بدگوئی کرنا ہوتی تو کہتے کہ فلاں ہرمز سے بھی بدتر ہے چنانچہ جب ہرمز کو جناب خالد کا خط ملا تو اُس نے کسریٰ کو مدائن میں اطلاع دی کہ اُسکو ایسا خط ملا ہے لیکن ساتھ ہی بڑے تفاخر کے ساتھ لکھا کہ "ان جاہلوں" کو وہ اسباق سکھانے کا کہ وہ یاد رکھیں گے۔ اُس "بے چارے" نے مسلمانوں کو بھی کسی عام قسم کے "نودارد" کی طرح سمجھا۔ اُس کو کیا خبر تھی کہ یہ لوگ دینِ فطرت کے پروانے ہیں۔ اللہ اور اُس کے رسول کا نام لے کر اٹھے ہیں اور ساری دنیا کو حق اور صراطِ مستقیم کی طرف دعوت دینے کیلئے آئے ہیں اور باطل کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالنا ان کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے۔

قوموں کی تقدیر وہ مدد و رویش جس نے ڈھونڈ لی سطن کی درگاہ راقبال

ہرمز کی تجویز

ہرمز نے جناب خالد کا خط ملنے کے بعد سوچا کہ خالد کا نظریہ سے ہمارے راستے ابلہ پر دھاوا بولیں گے ابلہ اہم مقام تھا اور اس پر قبضہ کرنا کسی بھی دشمن کا مقصد ہو سکتا تھا اور ابلہ کی فوجی سیاسی، مالیاتی اور تجارتی اہمیت ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں ہرمز کی یہ سوچ بالکل صحیح تھی۔

مستحار گروہوں سے ہرگز وہ خاص کر جارحانہ کارروائی والے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کسی اہم علاقے پر قبضہ کر لیا جائے گویا یہ مقاصد حاصل کرنے کے لئے فوری کارروائی دشمن کی افواج یا فوجی قوت کو نیست نابود کرنا ہوتا ہے اور اگر ایک ہی دار میں دونوں چیزیں حاصل ہو جائیں تو سونے پر سہاگہ۔ ہر مدافع کارروائی وار انتظار کرے گا اور اپنے چہنئے ہوئے مقام یا زمین پر لڑائی یا مقابلہ کرنے کے بارے میں تجویز بنائے گا۔

ہرمز کے خیال کے مطابق کا نظر اس کام کے لئے بہترین جگہ تھی اس لئے اُس نے ابلہ سے کاظمہ کی طرف کوچ کر دیا۔ ایرانیوں کی طرزِ جنگ، کم حرکت والی بھاری بھاری فوج کے ساتھ اسلحہ وضع کی گئی تھی کہ وہ دفاع اختیار کر کے دشمن کو اپنے ساتھ گتھم گتھا ہونے کی اجازت دیتے تھے اور اپنے بھاری بھارے کم کلباؤں، نیزوں، برتھیوں اور تلواروں کا خوب استعمال کرتے تھے اکثر سپاہیوں نے خود پہنے ہوتے تھے اور ٹانگوں

تک کی حفاظت کے لئے بچاؤ کی ڈھالیں ٹانگوں کے ساتھ باندھی ہوتی تھیں۔ ایک دوسرے کو اپنے ساتھ باندھ رکھتے تھے یعنی پیدل دستے زنجیروں سے ایک دوسرے کے ساتھ کس کرسات سات یا دس دس کے گروہ میں ہوتے تھے۔ یعنی ایک دیوار بننے کی کوشش کرتے تھے لیکن بچاؤں کو پتہ نہیں تھا کہ ان کا مقابلہ ایسی قوم سے ہے جو سیدہ پلائی دیوار بن کر لڑتے ہیں جو متحرک تھے اور جدھر پڑتے تھے تو طوفان کا رخ موڑ دیتے تھے۔

سبک ا۔ کے ہاتھوں میں سنگ گراں

پہاڑ اس کی ضربوں سے ریگ رواں

اقبال

جناب خالد کی تجویز

ہرمز کی تجویز میں ظاہراً کوئی کمی نظر نہ آتی تھی لیکن اللہ کی تدارک پر حضور پاک کی نگاہ بڑھ چکی تھی اور خالد نے تدبیر کے سارے سٹاف، کالج پاس کر لئے تھے وہ غلامان محمد میں زانی صورت اختیار کر چکے تھے اور اللہ کی تلوار بن گئے تھے۔ "دل بینا تو ہر مومن کو میسر ہو سکتا ہے لیکن خالد کو اب ایک اور تدبیر کے دل بینا کی خدمت بھی حاصل ہو نیوالی تھیں جن کو ہم مثنیٰ بن حارث کے نام سے جانتے ہیں تو جناب خالد کی پہلی ضرورت جناب مثنیٰ کے ساتھ ملاقات کی تھی بجائے اس کے کہ خالد ان کو اور باقی مجاہدوں کو میامہ میں بلاتے۔ خالد نے چاروں قبائل کے سرداروں کو لکھا کہ وہ ان کے ساتھ بناج کے علاقے میں ملیں۔

جناب خالد اور مثنیٰ کی ملاقات

جناب خالد ابھی بناج میں داخل نہ ہوئے تھے کہ عظیم صحابی مثنیٰ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام کیا۔ اس ملاقات کے تصور سے کسی بھی مومن کے دل میں سرد اور رقت طاری ہو جاتی ہے کہ اسام کے ان دو عظیم فرزندوں کی ملاقات کا نظارہ دیکھنے والے مجاہد کتنے خوش قسمت تھے اور ہمارے تاریخ دان اگر تجسس کے ساتھ ایسی عظیم ملاقاتوں کے تاثرات کہیں سے دھونڈ نکالتے اور ان کو قوم کے سامنے پیش کرتے تو یہ تاثرات ان فضول باتوں سے بدرجہا بہتر ہوتے جو دقتی ذہنی عیاشی جہتیا کرتی ہیں۔ ہمارا تصور ہے کہ دونوں عظیم مجاہدوں پر پہلی ملاقات میں سکتہ طاری ہو گیا ہوگا اور ایک دوسرے کو دیکھ کر ذل سرد سے بھر گئے ہوں گے۔ نیچے سے اوپر جو ایک دوسرے کو نیچی نظروں سے دیکھا ہوگا ہر جگہ اپنا ہی عکس

نظر آیا ہوگا اور ویسے بھی مردِ مومن کا دل آئینہ ہے لیکن یہاں پورے بدن ہی آئینہ بن گئے ہوں گے اور دونوں شخصیتوں سے اسلام کی روشنی جو اس لمحہ باہر نکلی ہوگی اس کی خوشبو سے سارا ماحول معطر ہوگا ہوگا اور جب ایک دوسرے کے ساتھ بغلیگر ہوئے ہوں گے تو ارد گرد اہل حق کے قافلہ میں اہل بصیرت کے دل باغ باغ ہو گئے اور اللہ تعالیٰ ہر مومن کو ایسی جاوداں زندگی عطا کرے

کر پہلے مجھ کو زندگی جاوداں عطا

پھر ذوق شوق دیکھ دل بے قرار کا (اقبال)

وحدت عمل اور تدبیرات

باقی تینوں قبائلی سردار جناب مدغور، سلمیٰ اور مرحلہ کے امیر بھی دو دو ہزار مجاہدین کے ساتھ نباح کے علاقے میں اسلامی لشکر کے ساتھ آکر مل گئے۔ اب نقشہ ششم کو غور سے دیکھیں تو خالد کے اس طریق کار کو سمجھنے میں مدد ملے گی کہ وہ کس طرح اپنی مرضی کی زمین میں اٹھارہ ہزار کے لشکر کو مستدر رکھنے میں کامیاب ہو گئے۔ مرضی کی زمین ریگستان تھا۔ اس ساحلی علاقے میں کسی تنگ راستے سے پیش قدمی کر کے خالد کی کارروائیاں محدود ہو جاتیں یا لشکر حصّوں میں اس طرح بٹ کر رہ جاتا کہ ایک مٹھی میں کرنا مشکل ہو جاتا اور کئی کارروائیاں دشمن کے ردِ عمل کے طور پر کرنا پڑ جاتیں۔

یہ نکتہ قابلِ غور ہے کہ جو سپہ سالار زیادہ تر کارروائیاں دشمن کے ردِ عمل کے طور پر کر رہا ہو وہ دشمن کی انگلیوں پر نباح رہا ہوتا ہے لیکن یہاں پر جناب خالد نے ہرگز کو ناپاچ نہ پایا۔ انہوں نے اپنے لشکر کو تین حصّوں میں بانٹ کر نباح سے آگے پیش قدمی شروع کر دی۔ طبری یا بعد کے مؤرخین نے بیمار سے ہی لشکر کی بانٹ تین حصّوں میں بتائی ہے اور وہ ضرور صحیح ہوگی لیکن انہوں نے ساتھ ہی بیمار سے ہراول کی کمانڈ جناب شنیؓ کو دے دی جو صحیح نہیں۔ جناب شنیؓ ملے ہی نباح میں۔ اس لئے آگے والی بات صحیح ہو سکتی ہے نقشہ پنجم اور ششم دونوں اس سلسلہ میں بہتر رہنمائی کرتے ہیں۔

بہر حال ہراول یا اگلے دستوں پر جناب شنیؓ تھے جو دو دن پہلے چلے۔ درمیان میں جناب قعقاعؓ کے بھائی حضرت عاصم بن عمرو تھے۔

تیسرے اور آخری دستے میں جناب خالدؓ خود تھے جس کے ہراول دستوں کے کمانڈ

جناب عدی بن حاتم کے تھے سب لشکروں کے ساتھ علاقہ کا ایک رہنما بھی تھا جو راستے کی نشاندہی کرتا تھا۔ خالد نے اپنی منزل مقصود حضرت سے کو قرار دیا جو ابلہ سے چند میل دور مغرب کی طرف ہے۔ اور خالد نے یہ فیصلہ نہیں کیا تھا کہ وہ دشمن کی فوج کو کسی مقام پر تباہ و برباد کر کے اپنا مقصد حاصل کریں گے وہ صرف دشمن کا رد عمل دیکھنا چاہتے تھے بہر حال اس پیش قدمی نے ہرمز کے لئے یہ خطرہ پیدا کر دیا کہ خالد بغیر کسی لڑائی کے ابلہ پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں اس لئے ہرمز سر پر پاؤں رکھ کر اپنے لشکر سمیت کاظم سے ابلہ کی طرف بھاگا۔ اس سے جناب خالد کا ایک مقصد پورا ہو گا کہ دشمن نے رد عمل کے طور پر ان کے ساز پر ناچنا شروع کر دیا۔ ظاہر ہے کہ کاظم موجودہ کویت میں ہے جب اس مقام کو ہرمز نے چھوڑا ہو گا تو لوگوں میں خوف و ہراس پیدا ہو گیا ہو گا اور ہرمز کے لشکر میں تھکاوٹ۔ اس لئے خالد نے آگے بڑھ کر ابلہ کے مقام پر ہرمز سے دو دو ہاتھ کرنے کی بجائے کچھ اور ہی سوچ لیا۔ ڈیلٹا کے علاقہ میں جنگ سے گریز کرتے ہوئے اور اپنے دوست ریگستان کو استعمال کرتے ہوئے خالد نے کاظم کا رخ کیا کہ کیوں نہ کاظم پر قبضہ کر لیا جائے اور اس کے بعد دشمن کا رد عمل دیکھیں گے کہ ہرمز کا قلع قمع کہاں پر آسانی سے کیا جاسکتا ہے۔ ہرمز ابلہ کے دفاع میں لگا ہوا تھا کہ اس کو خبر ملی کہ جناب خالد حضرت سے کاظم کی طرف جارہے ہیں۔

ہرمز کا ناچ

اب ہرمز کو خیال آیا کہ اس طرح کاظم بغیر لڑائی کے اس کے ہاتھ سے نکل جائے گا تو اس نے جلدی سے ابلہ کو چھوڑ کر کاظم کا رخ کیا۔ خالد کاظم میں دشمن سے پہلے ضرور پہنچ سکتے تھے اور وہاں پر بغیر لڑائی کے قبضہ بھی کر سکتے تھے لیکن اب دشمن پھندے میں آچکا تھا۔ خالد یہ چاہتے تھے کہ دشمن ان سے پہلے کاظم پہنچ جائے اور جیسے ہی دشمن کاظم پہنچے خالد ایک ہی وار سے دو مقصد حل کر لیں یعنی کاظم پر قبضہ بھی کر لیں اور دشمن کو نیست و نابود بھی کر دیں۔ جناب خالد نے اپنی رفتار کو تھوڑا سا سست کیا اور ہرمز نے اپنے

لسے: جناب عدی مشہور سنی حاتم کے بیٹے تھے وہ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ جلال مصطفیٰ کے سفر ۲۸۷ پر بھی ذکر ہے۔ اس کتاب کے شروع میں بھی ذکر ہے۔ بڑے دراز قد اور اسخ العقیدہ مسلمان تھے۔

بہت لمبی عمر پائی۔ اسے نقشہ ششم دیکھیں۔

بھاری بھر کم لشکر پر زور ڈال کر کاظمہ ایسی حالت میں پہنچایا کہ اہل لشکر تھک کر چور ہو گئے اور جلدی میں کاظمہ کے دفاع کے لئے لشکر کو صف بند کر دیا۔ اب تک ہرمزردہ عمل کے طور پر تین صف بندیاں کر چکا تھا اور جناب خالدؓ صرف دیکھ بھال میں مصروف تھے اگر خالدؓ ایرانی فوج سے پہلے پہنچ کر کاظمہ پر قبضہ کر لیتے تو پھر خالدؓ کو ایرانی فوج کے حملے کا انتظار ہوتا اور دفاعی جنگ لڑنا پڑتی۔ دفاعی جنگ کو متحرک رکھنا مشکل ہو جاتا ہے اور حضور پاکؐ نے مسلمانوں کو متحرک اور جارحانہ جنگ کے تربیت دی تھی کہ پہلے ہاری اپنے پاس رکھیں اس لئے خالدؓ نے ہرمز کو صف بندی کرنے دی۔

متبادل یا متوازی فوج

موجودہ فوج کی ڈرل میں ایک حرکت کو متبادل مارچ یا Counter March کہتے ہیں۔ ڈرل پرانے زمانے میں جنگ کی حرکتوں کی گراؤنڈ پر ایک نقل ہوتی تھی اور زمینی فزیکس کا اعظم نے مسلمانوں کی نماز اور طرز جنگ کے انتقالی کو اپنا کر اٹھارویں صدی میں موجودہ ڈرل کو اپنایا۔ متبادل کوچ کو اس نے جنگ کے دوران بھی تدبیرات کے طور پر اپنایا۔ اس سے پہلے یورپ کی نسکری تاریخ میں ایسا کوئی ذکر موجود نہیں ہے لیکن ہم یہاں یہ نہیں کہیں گے کہ جناب خالدؓ اس طرز جنگ کے موجد ہیں بلکہ صرف یہ کہیں گے کہ خالدؓ کی کوشش یہ تھی کہ دشمن تھک کر چور ہو جائے اور اس پر حملہ وہ ایسی جگہ سے کریں جہاں ریگستان مسلمانوں کی پھیلی طرف ہو یہ دونوں چیزیں کاظمہ کے میدان جنگ نے ہتیا کر دیں۔ اہل یورپ تو سترھویں اور اٹھارہویں صدی تک جنگ کی حرکات کو جو میٹری کے فارمولوں کے طور پر اپناتے تھے اور اب بھی اپناتے ہیں۔ لڑائی ایک داد ہوتی ہے اس میں دھوکا بھی ہوتا ہے اور پالیں بھی۔ اسلام ہمیں چالوں کے اپنانے کے لئے تو کہتا ہے لیکن چالوں اور فلولوس کی غلامی کی اجازت نہیں دیتا اس لئے ہم اس طریق کار کو ایک وقتی چال کا نام ہی دیں گے۔

جنگ کی کارروائی

اب جنگ کی کارروائی کے سلسلے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا۔ مسلمانوں کی تعداد کوئی اٹھارہ ہزار کے قریب تھی۔ ایرانیوں کی تعداد کے بارے میں کچھ خاموشی ضرور ہے لیکن وہ مسلمانوں سے کسی صورت میں کم نہ تھے۔ ہتھیاروں میں بھی ایرانی برتر تھے لیکن ایک اعلیٰ مقصد کے لئے لڑ رہے تھے اس کے علاوہ مسلمانوں کی تدبیرات

اور حکمت عملی بہتر تھی اور عربی خوبوں میں بھی وہ ایرانیوں سے بہتر تھے وہ ہلکے پھلکے اور متحرک تھے اور حضور پاکؐ نے متحرک طرز جنگ کی ہی تربیت دی تھی۔ جناب خالدؓ کے لئے مسئلہ یہ تھا کہ ایسی کارروائی کاظمہ میں ہو یا ابلہ میں۔ مقصد دشمن کا ابلہ کے علاقے میں قلع قمع تھا اور خلیفہ وقت کی یہی ہدایات تھیں کہ پہلا مرحلہ ابلہ سے شروع ہو اب اگر نقشہ پنجم یا ششم کو غور سے دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کاظمہ کے پچھلے علاقہ میں ریگستان تھا۔ صحرائی علاقہ میں جنگ کا یہ اصول ہوتا ہے کہ صحرا کو اپنی پشت پر رکھ کر جنگ کر دو۔ مسلمانوں کی ایرانیوں کے ساتھ یہ پہلی لڑائی تھی اور اس میں فتح کی ضرورت تھی اور کاظمہ کی زمین حفر یا ابلہ کے علاقوں کی نسبت مسلمانوں کے لئے بہتر تھی۔ صحرا کو پیچھے رکھنے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اگر جنگ میں کوئی خراب مرحلہ آجائے تو ریگستان علاقہ میں تتر بتر ہو کر اپنی مرضی کے مقام پر اکٹھے ہو کر پھر اپنی مرضی کی جگہ دشمن پر وار کیا جاسکتا ہے لیکن ریگستان کو استعمال صرف وہی لوگ صحیح طور پر کر سکتے ہیں جو ریگستان کے باسی ہوں۔ مسلمانوں کو یہ ہی فائدہ تھا لیکن ایرانی لشکر کی طرز جنگ میں زمین کو کوئی اہمیت حاصل نہ تھی۔

مبصرین کے تجزیے

کلاسٹرز کے مطابق مبصرین یا ناقہ بعض دنو تجزیے صرف لفاظی کے زور پر کرتے ہیں اور ان کے بیچ کچھ نہیں ہوتا۔ ہمارے ایک مبصر لکھتے ہیں کہ "ہرمز خود ابلہ کی بجائے کاظمہ میں جنگ کا خواہاں تھا کہ ابلہ کے زرخیز زمین کے علاقے میں وہ پہلے ہی مشی کے چھاپوں سے تنگ آچکا تھا اور وہ ابلہ سے دور ہی جنگ کا خواہاں تھا۔ اس لئے وہ بھی خوش ہوا کہ خالدؓ کاظمہ جارہے تھے اور ادھر ہرمز کے لئے خالدؓ کو تباہ کرنا آسان ہوگا۔"

چھاپوں، جھڑپوں اور لڑائی میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ چھاپہ ہمیشہ زرخیز علاقہ یا مدد طلب والی جگہ پر مارا جاتا ہے۔ جھڑپ حادثہ یا معمولی مخالفت کو دور کرنا ہوتا ہے لیکن لڑائی اور جنگ میں سب کچھ دائرہ پر ہوتا ہے۔ ہرمز نے شروع میں اپنے لئے صحیح تجزیہ کیا اور مسلمانوں کو کاظمہ میں روکنا بہتر تھا لیکن اب خوشی والی بات کوئی نہ تھی۔ ہرمز خالدؓ کے اشاروں پر ناپ رہا تھا۔ ہاں البتہ لڑائی کے نتائج کے بارے میں وہ پُر امید تھا اور "خواہاں" والی بات نہ تھی۔

ہمارے یہی مبصر آگے لکھتے ہیں۔

مختار بملکوں کے لشکر ایک دوسرے کو اپنی طرف مقناطیس کی طرح کھینچ لیتے ہیں اور یہی چیز ہرمز اور خالد کو کاظم کے مقام پر لگی "لیکن اس بنا پر اس چیز کی کلاس سٹوڈنٹ کی زبان میں وضاحت ضروری ہے بات یہ ہوتی ہے کہ بارہا کارروائی دالے کو دشمن کی تلاش ہوتی ہے اور مدافعت کارروائی والا خود اپنی جینی ہوئی زمین پر دشمن سے دد ہاتھ کرنا چاہتا ہے اور یہی مقناطیس ہی جاتی ہے لیکن یہاں حالات مختلف تھے ہرمز کو کچھ سمجھ میں نہ آ رہا تھا۔ کبھی کاظم کو بچانے کے لئے بھاگتا تھا اور کبھی ابلہ کو بچانے کے لئے۔ کسریٰ حالات کو بہتر طور پر سمجھتا تھا اس نے جنرل تارن کو ہرمز کی امداد کے لئے بھیج دیا۔ ہرمز کے لئے بہتر یہ تھا کہ وہ حالات کا صحیح جائزہ لیتا اور تارن کا انتظار کرتا تب تک مسلمانوں کو الجھائے رکھتا اور کمک آجانے کے بعد اپنی مرضی سے مسلمانوں کے خلاف کوئی فیصلہ کن کارروائی کرتا لیکن یہاں پر اس نے خالد کے اشاروں پر ناپختہ ہوئے اپنے آپ کو باندھ دیا اور اس کا لشکر مشقت اور تھکاوٹ سے چور ہو چکا تھا۔

چنانچہ ان حالات میں ہم اپنے مبصر سے اختلاف کرتے ہیں کہ ہرمز بڑی حربی خوبیوں کا مالک تھا۔ ہمارے لحاظ سے اور نتائج کے لحاظ سے بھی ہرمز کا عسکری تدبیرات کے سلسلہ میں کوئی مقام نہیں۔

طرفین کی صف بندی

ہرمز نے کاظم سے مغرب کی طرف اپنی فوج کی صف بندی کی اور لشکر کے سامنے ریتلا علاقہ تھا اور پچھلی طرف چھوٹے چھوٹے ٹیلے تھے۔ پیدل فوج ٹکڑیوں میں زنجیروں کے ساتھ بندھی ہوئی تھی جس کی وجہ سے اس جنگ کو جنگ سلاسل کہتے ہیں ان زنجیروں کو ایرانی فوج کے عرب قبائل تو پسند نہ کرتے تھے کہ جو ان متحرک نہ رہ سکتے تھے مگر ایرانی ان زنجیروں کو کیوں استعمال کرتے تھے اس کی دو وجوہات ممکن تھیں اول بل کر مرنا جینا اور دوم کمزور دلوں کو بھی ساتھ بندھنوں میں باندھ دینا۔ اسلام اس سلسلہ یا ضرورت کے لئے فلسفہ حیات کی زنجیر استعمال کرتا ہے بہر حال جناب خالد نے ایرانیوں کو صف بند اور سلاسل ہونے دیا اور پھر اچانک ان کے سامنے اپنے اونٹوں سے سامان اتار دینے کا حکم دیا۔ اہل لشکر نے پیاس کی شکایت کی تو خالد نے اعلان کر دیا۔ "بخدا پانی پر ایسی جماعت کا قبضہ ہو جائے گا جو لڑائی میں صابر رہے گی" اور روایت ہے کہ جنگ کے شروع ہونے سے ایک لمحو پہلے اللہ تعالیٰ نے بارانِ رحمت سے مسلمانوں کے ایمان و یقین کو تقویت دی۔

ہرمز نے لشکر کے بازوؤں پر قباز اور انوشجان کو مقرر کیا اور جناب خالد نے عاصم بن عمر اور عدی بن

حاتم کو۔ جناب شنی اپنے سواروں کے ساتھ دشمن پر چھپنے والی فوج کے ساتھ لشکر کے عقب میں تھے جس میں المقم میں چند سوار بھی تھے جن کی کمانڈ قعقاع بن عمرو کر رہے تھے۔ ایرانی پہلوانوں نے آگے نکل کر مسلمانوں کو مبارزت کی دعوت دی اور ہرمز بھی گھوڑے پر سوار "خالد" "خالد" پکارتا آگے نکلا۔ اُس زمانے کی جنگ میں سپہ سالاروں کے لئے ضروری ہوتا تھا کہ وہ ذاتی پہلوانی یا تیغ زنی میں اپنا مقام رکھتے ہوں۔

اس لئے مسلمان بھی لشکر کے سرداروں کے سلسلہ میں یہ پہلو مد نظر رکھتے تھے کہ کسی وقت کوئی پشیمانی نہ ہو چنانچہ خالد بھی آگے بڑھے دونوں گھوڑوں سے اتر کر ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہولے یا تلوار زنی کی۔ خالد نے ہرمز کو پچھا دیا۔ ہرمز کے حالی جھپٹے اور اصول جنگ کے خلاف خالد پر حملہ کرنے لگے۔ قعقاع بن عمرو ہرمز کے حامیوں پر حملہ آور ہو گئے۔ خالد اور قعقاع نے مل کر تمام ایرانیوں کا قلع قمع کر دیا۔ اس زمانے کے ایک مبصر نے اس مقابلہ کو کچھ زیادہ ہی رنگ آمیز بنا دیا ہے اور ہمیں تو پرانی تاریخوں میں اس قسم کا رنگ نظر نہیں آتا۔ بہر حال اس کامیابی کے بعد جناب خالد نے بھرپور حمد کا حکم دیا۔ دشمنوں نے خالد کے ساتھ جو دھوکا کرنا چاہا اس سے مسلمانوں کو بڑا غصہ اور طیش آیا پھر مسلمان ایرانیوں کی صفوں میں گھستے چلے گئے تھکے ہوئے ایرانی اپنے سپہ سالار کے خاتمہ کی وجہ سے دل چھوڑ چکے تھے۔

بھرپور جنگ

مترک مسلمانوں نے بندھے ہوئے ایرانی سپاہیوں کو گاجر مولیٰ کی طرح کاٹ کر رکھ دیا اور ایرانیوں کی یہ طرز جنگ ان کو مسلمانوں کے مقابلے میں بہت ہنگامی پڑی اور جنگ کا فیصلہ بہت جلد ہو گیا۔ ان کے دونوں بازوؤں والے سردار قباذ اور انشوجان نے خیریت اسی میں سمجھی کہ جو لوگ آزاد تھے ان کو بھگا کر اور بچا کر لے جائیں چنانچہ لشکر کا ایک حصہ میدان جنگ سے بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔ خالد نے سیکھے ہوئے طریقے کے مطابق فوری تعاقب کے لئے جناب شنی کو روانہ کیا لیکن بھگتے متتر بہتر طریقے سے ہو رہی تھی اور سر پاپوں رکھ کر۔ تعاقب کا فائدہ وہاں ہوتا ہے جہاں یہ امید ہو کہ دشمن کوئی اور پوزیشن اختیار کرے گا اور اُس کو وہاں قدم نہ جمانے دیا جائے مگر یہاں بات ہی اور تھی۔ اس لئے تعاقب جلد ہی خود بخود ختم ہو گیا۔

مالِ غنیمت

مسلمانوں کو کافی مالِ غنیمت حاصل ہوا جس میں ایک ہاتھی بھی تھا اور وہ زنجیریں جن کی مد سے ایرانی ایک دوسرے کے ساتھ بندھے ہوئے تھے اُن کا وزن کئی من تھا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ متعدد زنجیروں میں بندھے ہوئے ایرانی کھیت رہے۔ جناب خالدؓ نے مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ مدینہ شریف بھیجا اور ہرمز کی لاکھ درہم کی ٹوپی بھی جو خلیفہ اول نے حضرت خالدؓ کو عطا کر دی ہاتھی کو بھی مدینہ بھیج دیا اور مسلمان اتنے بڑے جانور کو دیکھ کر حیران ہو گئے لیکن اُس کی خوراک کا مسئلہ تھا اس لئے خلیفہ نے وہ بھی خالدؓ کے پاس واپس بھیج دیا

مسلمانوں کی پیشقدمی

فوری تعاقب سے کچھ زیادہ مقصد حاصل نہ ہوا صرف اتنا پتہ چلا کہ دشمن بے ترتیبی سے بھاگ رہا ہے اس لئے خالدؓ نے کاظم میں صرف دو دن قیام کیا اور پھر دشمن کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔ ہراول کے طور پر جناب ثنیؓ کا دو ہزار کا لشکر تھا۔ حضرت ثنیؓ جب دریا کے نزدیک پہنچے جہاں اب زبیر کا مقام ہے تو وہاں کی حکمران سورت قلع بند ہو گئی۔ جناب ثنیؓ وقت کا ضیاع نہ چاہتے تھے اس لئے اپنے بھائی معنیؓ کو قلعہ کے محاصرہ اور سرکوبی کے لئے چھوڑ دیا اور آگے بڑھ گئے۔ اُس عورت کو حالات کی خبر ملتی رہتی تھی وہ مسلمانوں کو نزدیک سے دیکھنا چاہتی تھی۔ محاصرہ کے دوران اُس نے حضرت معنیؓ کو دیکھ لیا اور نہ صرف جلد ہتھیار ڈال دیئے بلکہ مسلمان ہو گئی اور حضرت معنیؓ سے شادی کی درخواست بھی کی جو انہوں نے منظور کر لی۔

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس شادی پر کسی مبہر نے کوئی حاشیہ آرائی نہیں کی۔ عورت کی فطرت میں سوتا ہے کہ وہ بہادر اور باکڑا آدمی کو پسند کرتی ہے۔

تصور زن کا نہیں ہے کچھ اس خرابی میں
فساد کا ہے فرنگی معاشرت میں ظہور
گواہ اس کی شرافت پہ ہمیں مدد پرویں
کہ مرد سادہ ہے بے چارہ زن شناس نہیں (اقبالؒ)

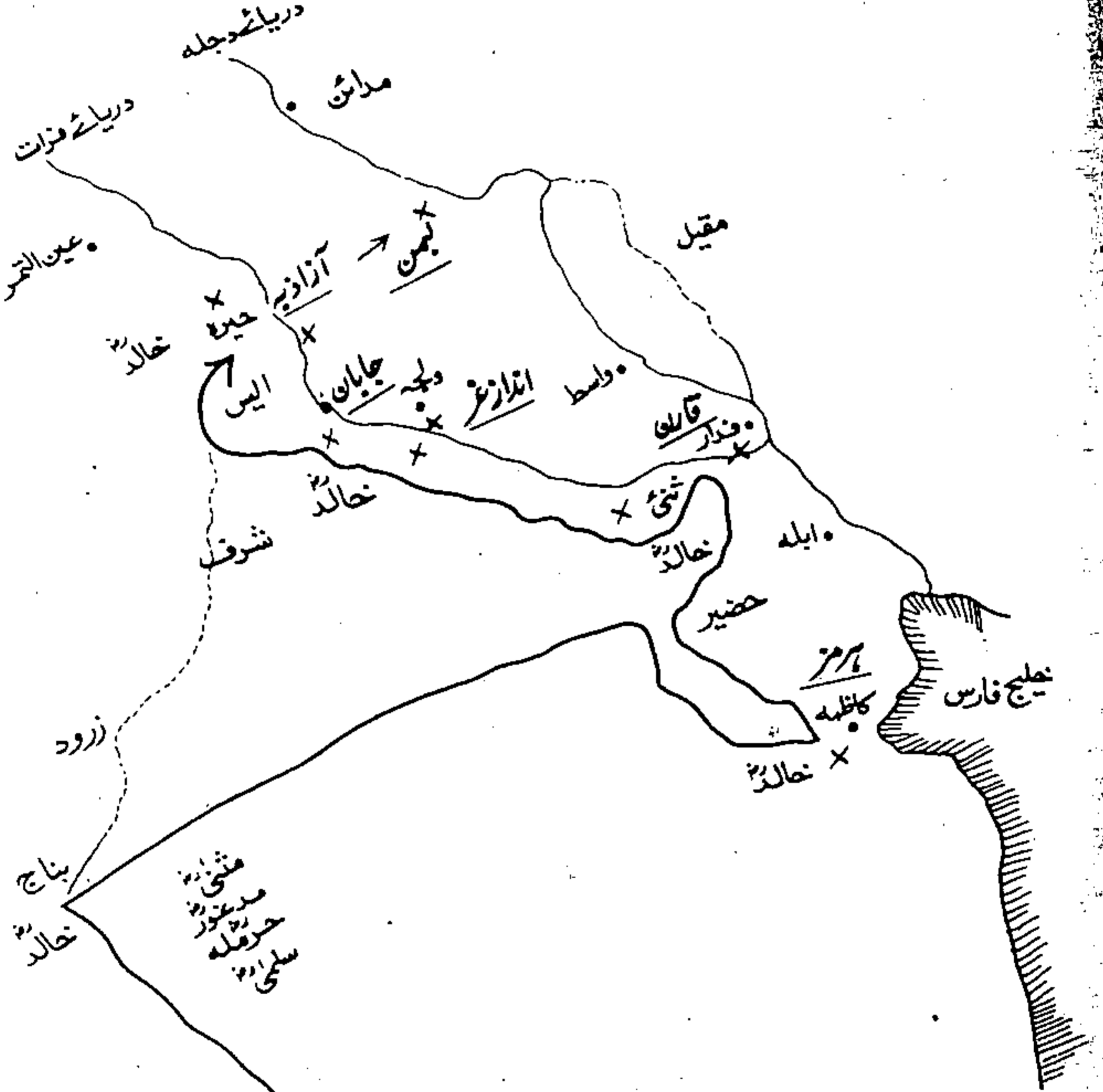
جنگ کے نتائج و اسباق

۱۔ عراق میں اسلام کی بسم اللہ ایک عظیم فتح سے ہوئی جنگ سلاسل کو عجم یا "بین الاقوامی دنیا میں جنگ

شمال
↑

نقشہ ششم۔ خالد کی کاظمہ کی جنگ سے

حیرہ تک کی فتوحات



وضاحت

- ۱۔ X جہاں بڑی بڑی لڑائیاں ہوئیں
- ۲۔ دشمن کے سپہ سالاروں کے نام کے نیچے لکیر ہے۔

سکیل۔۔۔۔۔ RF ۱/۳

یمامہ
خالد بن ولید

بدر جیسی حیثیت حاصل ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جناب صدیق اکبرؓ نے حضور پاکؐ کی سنت کو صحیح طور پر آگے بڑھایا۔

۲. جناب صدیق اکبرؓ کی حکمت عملی سمجھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ پچھلے چار ابواب میں مرتدین کے قلع قمع کے لئے تمام چھوٹی موٹی لڑائیوں اور جھڑپوں کی تعداد تیس چالیس کے قریب بنتی ہے اور خلیفہ اول نے مسلمانوں کو متحد کر کے دنیا میں اللہ اور اس کے رسولؐ کا نام بلند کر کے بسم اللہ کی۔ اس میں ہمارے لئے سبق یہ ہے کہ ہم بھی اسلام کا فلسفہ حیات اپنائیں جو ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو چکا ہے۔

۳. قدرتی بات ہے کہ مرتدین کے قلع قمع کے وقت متحرک ترقی طریقہ اختیار کیا گیا لیکن وہ بغاوت تھی اور بغاوت کے لئے ضروری ہے کہ متحرک ہونا پڑتا ہے اس لئے پچھلے ابواب میں ہم نے متحرک حکمت عملی پر تبصرہ نہ کیا تھا۔ اب واضح ہو رہا ہے کہ حضور پاکؐ نے جو متحرک جنگ کا طریقہ رائج کیا جناب صدیق اکبرؓ اور حضورؐ پاک کے سب غلاموں نے وہی حکمت عملی اور تدابیر اپنائیں اور ہمیں بھی یہی طریقہ جنگ اپنانا چاہیے۔

۴. اسلام میں پوری قوم اللہ کی فوج ہے اور جہاد فرض ہے۔ ان ہمت اور جنگوں کے سلسلہ میں آپ نے دیکھ لیا کہ پوری قوم کو جنگ میں شرکت کی دعوت دی جا رہی تھی۔

۵. صدیق اکبرؓ کی عراق کی فتوحات کے سلسلہ میں حکمت عملی پر نظر ڈالیں کہ آپؓ نے عراق کے اندر تک جانے اور دریاؤں کو پار کرنے کی اجازت نہ دی۔ جنوب میں ابلہ کے اہم مقام سے شمال میں حیرہ کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا۔ مرحلے مقرر فرمائے۔ ہدایات جاری کیں۔ قبائل کو وحدت میں پروانے کے لئے ایک کمانڈر مقرر کیا پھر سب کچھ اُس کمانڈر پر چھوڑ دیا۔

جو قوم چھوٹے کمانڈروں پر بھروسہ نہیں کرتی اور اُن کی ہر بات میں دخل اندازی کرتی ہے وہ زیادہ دن تک نہیں چل سکتی۔ آپ دیکھ چکے ہیں اور آگے بھی دیکھیں گے کہ جو نیرافسروں یا علاؤ اور محاذ کے سالاروں پر مکمل بھروسہ کیا گیا تو مسلمانوں نے اتنا جلدی تمام دنیا کو فتح کر لیا یا دیکھیں کہ انگریزوں کی سلطنت کو بھی بنانے والے کپتان اور لیفٹیننٹ تھے ہماری پرانی یونٹوں کے بانی یہی تھے۔

۶. تاریخ کے بامقصد مطالعہ کا یہ مطلب نہیں کہ کچھ اچھالا جائے یا فضول باتیں کھٹی کی جائیں یا غیروں اور باطل فلسفہ والوں کی عظمت کے گن گائے جائیں۔ بامقصد مطالعہ کا مدعا یہ ہونا چاہیے کہ واقعات اور حالات کا صحیح جائزہ لیا جائے اور معاملات کو اپنی عقل اور پیانوں سے نہ پرکھا جائے بلکہ تجزیہ کر کے قارئین کے تجسس کے

لئے چھوڑ دیا جائے۔ کردار کشی نہ کی جائے اور اپنوں کے بارے تو ایک ایک لفظ میں ادب ملحوظ رکھنا ضروری ہے جو آدمی تاریخ سے تفرقے والی باتیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالتا ہے اور ان کو ہوا دیتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ مسلمان کو اگر کوئی تفرقہ والی بات نظر آئے تو اس کو نظر انداز کر دیں یا اس کے صحیح رخ کو قوم کے سامنے پیش کریں۔

۷۔ مسلمان جو اللہ کی فوج میں ان کے لئے فن سپاہ گری کی تربیت ضروری ہے وہ اپنے آپ کو اسلامی رابطوں میں باندھیں ورنہ ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

۸۔ جناب خالدؓ کی تدبیرات کا جائزہ لیں۔ مسلمانوں کے حالات کا اپنے آج کے حالات کے ساتھ موازنہ کریں مسلمانوں کی اُس زمانے میں دنیا کی عظیم سلطنتوں کے مقابلے میں وہی حالت تھی جو آج ہماری ہے بلکہ تعداد کے لحاظ سے ہم قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں سے بہت زیادہ ہیں۔ ہمارے سامنے کچھ ذلت کے زمانے بھی ہیں بارہویں تیرھویں صدی میں صلیبیوں اور منگولوں کی یغارا اور سقوطِ بغداد، مسلمانوں کا سپین سے انخلاء، انیسویں بیسویں صدی میں مسلمانوں کی غلامی، اب روسیوں کی افغانستان پر یغارا، یہودیوں کا فلسطین پر قبضہ، ایبے سینا میں مسلمانوں کا خون، کشمیر پر غاصبوں کا قبضہ، سقوطِ ڈھاکہ، فلپائن اور برہما میں مسلمانوں پر ظلم، روسی ترکستان میں اسلام کو ختم کرنے کی سازش، اپنے اندر غیروں کے فلسفوں کا پرچار وغیرہ بڑی ذلت کی باتیں ہیں ان تمام باتوں کی گہرائی میں جایا جائے تو ضرورت اس امر کی ہے کہ پوری امت میں وحدتِ نکر و وحدتِ عمل پیدا کیا جائے اور اسکی بنیاد ہمیں پاکستان میں رکھنا ہوگی اور پوری پاکستانی قوم کو اللہ کی فوج بنانا ہوگا اور عسکرِ طرزِ زندگی اور طرزِ جنگ اپنانا ہوگی یعنی جہاد کو جاری و ساری کرنا ہوگا۔ اور اس کو اسلامی فلسفہ حیات کا اپنانا کہتے ہیں۔

۹۔ جنگِ سلاسل کے نتائج کچھ بیان کر دیئے گئے ہیں کہ مسلمانوں نے پیش قدمی شروع کر دی اور جنگ کے نتائج آگے بڑھتے ہیں۔ اسلام میں فتح کو آگے بڑھا کر لوگوں کے دلوں کو فتح کیا جاتا ہے اور یہی وجہ تھی کہ سلاسل کی جنگ کے بعد وہاں کے عرب قبائل اسلام کی آغوش میں داخل ہو گئے۔

۱۰۔ ایران کی حکومت ڈانواں ڈول ہو رہی تھی فوج کی شکست ان کے کان نہ کھول سکی اور وہ نہ سنبھلے اس کے بعد شکست پہ شکست کھاتے گئے اور مٹ گئے۔ ہم نے بھی ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ سے کوئی سبق نہ سیکھا تو دسمبر ۱۹۶۷ء میں ملک دو لخت ہو گیا۔ اب بھی مکمل طور پر سبق نہیں سیکھ رہے خدا خیر کرے۔

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہونظر
تیراز جاج ہونہ سکے گا حریف سنگ
یہ زور دست و ضربتِ کاری کا ہے مقام
میدانِ جنگ میں نہ طلب کر نوائے جنگ (اقبال)

آٹھواں باب

ثنی یا نذار کی جنگ صفر ۱۲ ہجری

اسلام کا قافلہ

اسلام کا قافلہ زراں دواں تھا۔ اسلام کی بامقصد جنگ میں فتح کا کوئی اختتامی مقام نہیں ہوتا۔ مغربی مہرین خواہ وہ پرانے زمانے کے ہوں یا آج کل کے وہ فتح کے اختتامی مقام پر پہنچ کر بھول بھلیوں میں پھنس جاتے ہیں ان کے تمام فلسفے، معاشرت اور زندگی کے مقاصد یہاں آ کر جواب دے جاتے ہیں لیکن دین فطرت والوں کی شان زالی ہے۔ اللہ کی تلوار نیام سے باہر آچکی تھی۔ منزل مقصود کی طرف ہر قسم کی پیش رفت جاری تھی۔ پچھلے باب میں فوری تعاقب اور لمبے تعاقب کا ذکر ہو چکا ہے اور بقول کلاسٹونز مسلمان اپنی فتح کے عطیات و ثمرات وصول کر چکے تھے اب فتح کو جاری کرنا تھا۔

جیسا کہ کہا جا چکا ہے مسلمان ملک نہیں دل فتح کرتے، میں اس لئے ابر میں ان کے لئے کوئی کشش نہ تھی کوئی اور فوج ہوتی تو کاظم کے بعد ابر کا رخ کرتی۔ وہاں فتح کی شادمانیاں منانی۔ شراب کے خم لٹھاقا لیکن اللہ کے نام پر تلوار اٹھانے والوں نے صرف ایک گشتی دستہ جناب معقل بن معرین کے ماتحت ابر کی طرف روانہ کیا کہ اعلان کر دو کہ "حق آگیا اور باطل مٹ گیا" اور باقی قافلہ شمال کی طرف رواں دواں تھا۔ ہراول کا کام ہمارے عظیم مجاہد جناب ثنی بن حارث کر رہے تھے۔

ایرانیوں کا ردِ عمل

پچھلے باب میں قارن کا ذکر ہو چکا ہے جس کو کسریٰ ایران یعنی ازو شیر نے ہرمز کی مدد کے لئے بھیجا تھا۔ یہ بھی ایک لاکھ درہم والا جرئیل تھا اُس نے دریائے وجلہ کو نذر کے مقام پر پار کیا۔ یہاں پر چھوٹا معاون دریا دریائے مقصل بھی دریائے وجلہ کے ساتھ ملتا ہے اور تھوڑا نیچے دریائے وجلہ اور فرات کا سنگم ہے بہر حال قارن آگے بڑھا اور فرات کو ثنی کے مقام سے پار کیا اس کے بعد وہ جنوب کی طرف مڑ کر ابر یا کاظم پہنچنے کے بارے سوچ ہی رہا تھا

کہ وہاں پر اُس کو ہرز کے خاتمہ اور ایرانیوں کی شکست کی خبر ملی۔ جنگ کے ایرانی بھگوڑے بھی وہاں اُس سے ملے جن میں ہرز کے دو جرنیل قباذ اور نوشجان بھی شامل تھے۔ بھگوڑے اور قارن کی فوج، شنی اور مزار کے علاقہ میں اکٹھے ہو کر اب آگے کے معاملات کو سوچنے لگ گئے۔ کئی باتیں اُن کی سمجھ سے باہر تھیں۔ کیا ہو چکا تھا، اڈ کیا ہوگا، وہ عجیب کشمکش اور تذبذب میں گرفتار تھے اور ظاہر ہے کہ اُس کے بعد قارن وہاں رُک گیا کہ وہ بھی کسی مدافعتی تجویز کے تحت جگہ یا علاقہ کے دفاع کی تجویز بنانے میں مصروف تھا۔ نقشہ ششم میں مزار اور شنی کے مقامات دکھائے گئے ہیں یہ نقشہ کاظم کی جنگ سے حیرہ کی فتح تک تمام جنگوں کے علاقوں اور مقامات کی نشاندہی کرتا ہے اور خالد کی تمام تر پیش قدمی کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ اس نقشہ کی مدد سے خالد کی تدبیرات جو آپ نے خلیفہ اول کی حکمت عملی کے تحت حیرہ کی فتح تک بنائیں اُن کی اچھی طرح سے سمجھ آجاتی ہے ساتھ ہی ایرانیوں کے ردِ عمل اور کارروائی کو بھی سمجھا جاسکتا ہے۔

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ ایرانی ساکن دفاع یعنی "کھڑی" یا "بیٹھی" جنگ کو پسند کرتے تھے اس وجہ سے قارن نے دریا کے علاقہ کو پسند کیا کہ یہاں پر لوگوں کو زنجیروں سے باندھنے کی ضرورت نہ پڑے گی زنجیروں سے باندھنے والے پہلو پر مبصرین نے ہر طرح کی چہ میگوئیاں کی، میں کہ کوئی کہتا تھا کہ ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا کہ خود کو پابجولاں کر کے دشمن کے حوالے کر دیا جاتا ہے دوسرا کہتا تھا کہ بھاگنے والے لوگوں کو قابو میں رکھنے کا طریقہ تھا یہ طریقہ شاید کرایہ کے سپاہیوں کو قابو رکھنے کے لئے تھا۔ بہر حال قارن نے دریا کو پسند کیا کہ اُس کے عقب کی حفاظت ہو جائے گی اور مسلمان کسی بازو سے آگے بڑھ کر اُس کے لشکر کو اکھیڑنے یا اُدھیڑنے کی کارروائی نہ کر سکیں گے۔

ایرانیوں کی حکمت عملی کا تجزیہ

اب اہل ایران کی اس حکمت عملی کا تجزیہ کریں کہ وہ خالص دفاعی جنگ لڑ رہے تھے اور یہ بے مقصد دفاعی جنگ تھی یعنی وہ اُس کو بچانے کی کوشش کر رہے تھے جو کچھ اُن کے پاس تھا۔ اُن کا ملک بڑا وسیع تھا۔ اُن کی تدبیرات کسی حکیمانہ جنگ کا حصہ نہ تھیں اور بقول کلاسوٹز اگر وہ دشمن کو اپنے اندر کسی حکمت عملی کے تحت گھسنے کی اجازت دیتے اور پھر اپنی چھیتی ہوتی زمین یا علاقہ میں مسلمانوں کے ساتھ اپنی کسی تدبیر اور تجویز کے مطابق جنگ کرتے تو وہ کارروائی صحیح ہوتی یا کسی جگہ بہت بڑا لشکر اکٹھا کر کے

مسلمانوں پر اتنا سخت حملہ کرتے کہ مسلمان تتر بتر ہو جاتے تو پھر اس کو با مقصد جنگ کا نام دے سکتے تھے لیکن ایرانی اپنی سلطنت اور زمین کو بچانے کے لئے جگہ جگہ مسلمانوں کے ساتھ لڑ رہے تھے یا مسلمانوں کی پیش قدمی کے تحت رد عمل کے طور پر آگے آرہے تھے۔ جو نہتے لوگوں کے مقابلہ کے لئے کبھی ”پابہ زنجیر“ ہو کر کام چلاتے تھے اور کبھی دریا کا سہارا لیتے تھے کہ کہیں اس کے اپنے جوان پیچھے نہ بھاگ جائیں۔

جناب خالدؓ کی پیش قدمی

جناب خالدؓ بھی حضرت مشنیؓ کے پیچھے دریادوں کے سنگھم کی طرف روانہ تھے اور پھر حضرت مشنیؓ نے خبر دی کہ انہوں نے مشنیؓ کے مقام کے نزدیک دشمن کے ایک لشکر کو تلاش کر لیا ہے یہ خبر سن کر حضرت خالدؓ آگے بڑھے اور علاقہ کی دیکھ بھال کی زمین کا جائزہ لیا یہ کام ذرا اوپر والی سطح پر تھا اور تعداد کے لحاظ سے جناب خالدؓ کا لشکر ہمارے موجودہ ایک ڈویژن کی تعداد کے برابر تھا۔ لیکن اس زمانے میں جنگ اتنے محدود علاقوں میں ہوتی تھی کہ یہ ساری کارروائی اس طرح تھی جس طرح آج کل ”ایڈونس ٹو کنٹکٹ“ میں کوئی کمپنی کمانڈر رک جائے کہ آگے دشمن زیادہ ہے تو پھر بٹالین کمانڈر آگے بڑھ کر دشمن اور زمینی حالات کا جائزہ لیتا ہے۔

خالدؓ کی ڈورس نگاہ جلد ہی حالات کو بھانپ گئی۔ دشمن کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ اسکو وہاں سے چھوڑ کر آگے حیرہ کی طرف پیش قدمی نہ ہو سکتی تھی یعنی کٹائی نہیں کی جاسکتی تھی نہ ہی جناب خالدؓ اس دشمن کو کسی چال سے نچا سکتے تھے جس طرح ہرمز کے ساتھ کیا اور جناب خالدؓ یہ بھی نہ چاہتے تھے کہ دریا کسی اور جگہ سے پار کر کے کسی اور مقام پر دشمن سے لڑائی لڑی جائے کہ دریا کے پار لڑائی لڑنا مسلمانوں کی طرز جنگ کے لحاظ سے ٹھیک نہ تھا۔ مسلمان اس وقت تک اپنے دوست صحرا کو عقب میں رکھے ہوئے تھے اور شروع شروع کی جنگوں میں یہ ضروری تھا خالدؓ نے اندازہ لگایا کہ وہ ایک مقصد اسی مقام پر حاصل کر سکتے تھے کہ دشمن کی فوج کو اسی مقام پر ایسا تہس تہس کیا جائے کہ وہ وہاں سے بھاگ جائیں۔ ہر لڑائی اور جنگ کا فوری مقصد یہی ہوتا ہے کہ دشمن کی فوج کو ایسی شکست دی جائے کہ اس میں لڑنے کی سکت ختم ہو جائے اور اس حصول کے لئے بعض دفعہ ایک سے زیادہ لڑائیاں لڑنی پڑتی ہیں

طرفین کی صف بندی

دشمن پہلے ہی صف بند ہو چکا تھا۔ تارن خود درمیان میں تھا اور بازوؤں پر اس نے کاظم یا سلاسل

کی جنگ کے شکست خوردہ جرینل قباذ اور انوشجان کو ہی لگایا۔ کانظر کے فاتح جرینل اور اللہ کی تلوار نے بھی دشمن کے مقابلے میں اپنی فوج کے بازوؤں پر کانظر کی فاتح فوج کے بازوؤں والے سالار جناب عاصم بن عمر اور جناب عدنی بن حاتم کو مقرر کیا۔

قارن بڑا سمجھدار آدمی تھا وہ ایران کی فوج کی شکست اور بے دلی کو بھانپ چکا تھا اور وہ شکست خوردہ لوگوں کی حوصلہ افزائی کر رہا تھا وہ ان کو بدلہ لینے پر ابھار رہا تھا۔ اس وجہ سے اُس نے کانظر کے شکست خوردہ جرینلوں کی عزت بحال رکھی اُس کو اپنی فتح کا بڑا یقین تھا کیونکہ مبارزت میں وہ اپنا مقام نہ رکھتا تھا وہ اس خیال میں تھا کہ وہ پہلے ہی دار میں مسلمانوں کے سپہ سالار کو ختم کر کے اپنی فوج کا جذبہ بحال کر لے گا بے شک! ہر کمانڈر کو ایسے کرنے کیلئے ہر طرح کی کوشش کرنی چاہیے اور اس سلسلہ میں قارن کی کارروائی پر کوئی حرف نہیں آتا۔ بات صرف یہ تھی کہ اُس کو یہ معلوم نہ تھا کہ اُس کا مقابلہ ایسے لوگوں کے ساتھ ہے جو زندگی کی نسبت موت سے زیادہ محبت کر نیوالے تھے۔ یہ وہ مسلمان تھے جن میں کم دل فلاسفر اور مصلحت آمیز مدافعاہ قسم کے مبلغ اُس وقت تک مسلمانوں کی صفوں میں داخل نہ ہوئے تھے۔

جنگ کی کارروائی

تنی کے میدان میں ایک طرف ہلکے پھلکے ہتھیاروں والے مسلمان اللہ اکبر کی صدا کے ساتھ صف آرا ہو رہے تھے دوسری طرف ایرانی بھی بھاری بھر کم ہتھیاروں کے ساتھ زمین میں قدم گاڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اتنے میں قارن آگے نکلا اور مبارزت طلب کی۔ خالدؓ آگے نکلنے ہی والے تھے کہ اسلام کے ایک عظیم فرزند حضرت معقلؓ اللہ کی تلوار پر سبقت لے گئے۔ خالدؓ مسکرائے اور یہ اللہ کی شان ہے کہ اپنے حبیب کے غلاموں میں ایسی گمنام ہستیاں بھی پیدا کرتا ہے جن کی شہرت اور جزا سب اللہ کے ہاں ہے یہ معقلؓ بن الاعشى تھے۔ نو وارد جناب معقلؓ نے ایرانیوں اور مسلمانوں دونوں کو حیران کر دیا۔ ایک ہی دار میں انہوں نے قارن کا سر اُس کے بدن سے جدا کر دیا۔

ایرانیوں کی تجویز کے مطابق قارن کے بازوؤں والے دونوں ایرانی کمانڈروں نے آگے بڑھ کر مبارزت طلب کرنا تھی کہ شاید وہ کامیابی حاصل کر کے ایرانیوں کا جذبہ بحال کر دیں اس لئے قباذ اور انوشجان

یعنی کاظمہ کے بھگوڑے آگے بڑھے۔ ادھر کاظمہ کی فوج کے بازوؤں کے کانڈر آگے بڑھے۔ جناب عدی نے قباز کو حاصل جہنم کیا اور جناب عاصم نے انوشجان کو۔ اور اس موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے جناب خالد نے بھرپور حملہ کا حکم دے دیا۔ گو ایرانی پابہ زنجیر نہ تھے لیکن انہوں نے مقابلہ ضرور کیا اور طبری کے مطابق تیس ہزار ایرانی مارے گئے اگر اس تعداد سے آدھی نفی کھیت رہی ہو تو لشکر کی کل تعداد تیس ہزار سے کم نہ ہوگی۔ کمانڈر بھی لاکھ درہم کی ٹوپی والا تھا۔ مسلمانوں کی تعداد اٹھارہ ہزار کے قریب ہوگی لڑائی بھی ایرانیوں کے مرضی کے میدان جنگ میں تھی۔ گو دریا کے مغربی کنارے کی طرف ہوئی اور مسلمانوں نے دریا کو پار کرنے کی کوئی کوشش نہ کی۔ مورخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کو بے شمار مال غنیمت ملا جو کاظمہ یا سلاسل کی جنگ سے کہیں زیادہ تھا۔ مسلمان زخمیوں یا شہداء کی تعداد کا کوئی ذکر نہیں۔ کسی پتھر کے مجاہد کی شہادت کا ذکر بھی نہیں جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کا نقصان برائے نام تھا اور اس کی بڑی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ مسلمان منظم تھے اور تدبیر کے مطابق جنگ لڑی تھی۔ ایرانی اپنی فوج کو جنگ کے ایندھن کے طور پر استعمال کر رہے تھے۔

جنگی تجربے

عسکری تاریخ کے طالب علموں کے لئے ایسی جنگوں میں بڑے اسباق ہوتے ہیں کہ ان کا تجزیہ کر کے حالات سے اور زیادہ واقفیت ہوتی ہے۔ ذہن میں فوجی حکمت عملی اور تدبیرات سما جاتی ہیں۔ اس جنگ میں ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے تابڑتور حملوں کے بعد ایرانیوں کے قدم اکھڑ گئے۔ اصل وجہ یہ تھی کہ لڑائی کے شروع ہی میں ایرانیوں کے تین بڑے سردار مارے گئے اور مسلمانوں کی طرح ایرانیوں کے پاس پانچلی سطح پر کمانڈر مقرر کرنے کا کوئی رواج نہ تھا اور نہ پانچلی سطح والے اس قابل ہوتے تھے کہ جنگ میں ٹولیوں کے امیر ہوں۔ حضور پاک نے ہر دس آدمیوں پر ایک امیر مقرر کرنے کا حکم فرمایا تھا اور پھر ان دس امیروں یا سو کے دستہ پر ایک اور امیر۔ اور یہ سطح اور پر جاتی رہتی تھی۔ جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہم اپنی خلافت میں جناب سعد کو اس سلسلہ میں یاد دہانی بھی کراتے ہیں جس کا آگے ذکر آئے گا۔

جنگ کے نتائج و اسباق

یہ جنگ کے بڑے اصول یعنی جنگ کوڑاں ڈاں رکھنا اور نتیجہ ایک اور فتح کی صورت میں

ظاہر ہوا اور آگے ایک اور جنگ بھی ہوئی جس کا ذکر اگلے باب میں ہے

۲. مسلمانوں کو کالی مالِ غنیمت ملا۔ زرخیز علاقوں میں فوج کی کفالت اور بحالی میں آسانی ہو گئی اور جنگی ہتھیار بھی ملے جن سے لڑنے کی قوت میں اضافہ ہوا۔

۳. اس پہلو کو کچھ مورخین نے غلط طور پر بھی پیش کیا کہ خالد نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا کہ علاقہ کی زرخیزی کو بد نظر رکھتے ہوئے جنگ کو جاری رکھا جائے دراصل جناب خالد کا مطلب یہ تھا کہ دشمن سے زرخیز علاقے چھین لینے سے، جنگ مسلمانوں کے لئے آسان ہو گئی ہے اور دشمن کے لئے مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔

۴. مسلمان جنگ صرف اللہ کے احکام کے لئے لڑتا ہے اور خالد نے علاقوں کی زرخیزی کی بجائے دشمن کو بتایا تھا کہ وہ اُن کے مقابلے میں ایسے لوگ لے آیا ہے جو موت سے بھی اتنی محبت کرتے ہیں جتنی وہ لوگ زندگی سے۔

۵. اس جنگ میں جناب حسن بصری کے والد قید ہو کر آئے اور بعد میں اسلام قبول کر لیا۔ بصرہ اس وقت اہل کے پاس گاؤں تھا جناب حسن بصری کا ذکر تیسری کتاب کے ساتویں باب میں ہے۔

۶. اس جنگ نے ثابت کیا کہ ایران جیسا طاقتور ملک بھی "انفعالی" یا ساکن دفاع سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکا کہ وہ لوگ ہلکے پھلکے دستوں کے خلاف دفاع برائے دفاع کر رہے تھے۔ یہی غلطی مغلوں نے مرہٹوں کے سامنے کی۔ نتیجہ دونوں جگہ مشابہہ ہے۔

۷. جنگ میں زیادہ نقصان لیڈروں اور افسروں کا ہوتا ہے مسلمانوں میں ہر سطح پر ایسے لیڈر موجود تھے۔ ایرانیوں کے لئے لیڈر پیدا کرنے کا مسئلہ بن گیا۔ اس سلسلہ میں جرمن جنرل فان سیکٹ کے درنوں جنگ عظیموں کے درمیانی عرصہ کی تجویز کا مطالعہ ہر افسر کے لئے ضروری ہے۔

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشت دیراں سے

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

(اقبال)

۱۔ جلال مصطفیٰ صفحہ ۴ اور ۳۵۵ سے استفادہ کریں۔

نواں باب جنگِ ولجہ، صفر ۱۲، ہجری

مورخین و مبصرین کے تجزیوں پر تبصرہ

مورخین کے حساب سے شنی کی جنگ اور جنگِ ولجہ دونوں صفر کے مہینے میں ہوئیں اور ساتھ ہی لکھتے ہیں کہ شنی کی شکست کے بعد از دتیرا شہنشاہ ایران نے دو لشکر ایک دوسرے کے پیچھے روانہ کئے۔ ایک لشکر اندازاً غریبا انداز کر کا تھا اور دوسرا بہن کا۔ ولجہ پہنچ کر بہن نے دونوں لشکروں کی کمانڈ سنبھال لی تھی لیکن بہن کے وہاں پہنچنے سے پہلے اندازاً گر میدان ہار بیٹھا۔ زمان و مکاں کو ذہن میں رکھتے ہوئے یہ بات کچھ ناممکن نظر آتی ہے کہ صفر کے مہینے کے اندر ہی اندوشنی کی شکست کی خبر مدائن پہنچ گئی اور کئی سو میل کا فاصلہ طے کر کے ایک لشکر بھی ولجہ پہنچ گیا۔ لیکن ”مکان“ کا مسئلہ کیسے حل ہو کہ اندازاً گر کا لشکر چار پانچ سو میل کا فاصلہ دو ہفتوں میں طے کر کے ولجہ پہنچ گیا؟

مبصر کا تجزیہ

اس زمانے کے ایک مبصر نے طبری کی ایک اور روایت سے ”زماں“ کے مسئلہ کا حل تو نکال لیا کہ ایرانی کچھ فاصلہ پر آدمی کھڑے کر دیتے تھے جو باواز خبروں کو ایک دوسرے تک پہنچاتے تھے اور میدانِ جنگ سے خبر چند گھنٹوں میں اس ”انسانی ڈائریس“ سے دارالخلافہ تک پہنچ جاتی تھی۔ اب صحیح خبر ایک آدمی سے دوسرے آدمی تک پہنچانے کے لئے فاصلہ پچاس سے سو گز تک ہونا چاہیے تو ایک میل میں کم از کم تیس چالیس آدمی رکھنا پڑتے ہوں گے اور فاصلہ جب چھ سے سات سو میل دور ہو تو بیس سے لے کر تیس ہزار آدمی اس کام پر لگے ہوتے ہوں گے لیکن ایک سے دوسرے آدمی تک خبر کی جو گت بتی ہو گی اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ رات نے دس سے پندرہ آدمیوں کے ذریعہ سے خبروں کو ایک دوسرے کے ذریعہ سے پہنچانے کی مشق اپنی کمپنی کے جوانوں سے ۱۹۵۱ء میں کرائی تھی بات بگڑ کر کچھ کا کچھ بن جاتی ہے۔ بہر حال گھنٹوں والی بات تو ناممکن ہے ہاں کوئی ایسا تیز تر طریقہ ہو گا کہ خبر مہینے کی بجائے

دنوں میں مدائن پہنچ جاتی ہوگی اور ایسے طریقہ کا ابن بطوطہ نے محمد تغلق کے زمانے میں اس خطہ میں بھی ذکر کیا تھا اور بعد میں بھی ایسا طریقہ جاری و ساری رہا۔ اور وہ ایک چوکی سے دوسری چوکی تک تیز ہر کاڑوں کا استعمال ہوتا ہے۔

کئی لوگ پرانی اور باطل ایرانی تہذیب کی عظمت کے بڑے قائل ہیں ان کو ایران کی اس عظمت میں اچھا ہی اچھا نظر آتا ہے اور کوئی جدت یا اچھی بات سنی تو وہ اس کو ایران کی پرانی عظمت بڑھانے میں مدد سمجھ کر خوش ہو جاتے ہیں۔ خبروں کو آگے صحیح طور پر پہنچانا اور قاسد کا کام بہت مشکل ہے ہر آدمی یہ کام نہیں کر سکتا۔ یہ کام تربیت یافتہ لوگ کر سکتے ہیں اور آگے اس پر لگے بابوں میں اور تبصرہ بھی ہوگا اس لئے ایرانی اگر دنوں میں ایسا کر سکتے تھے تو بڑی بات تھی۔

ایک دوسری صورت

ظاہر ہے کہ زمان و مکاں کا تجزیہ صحیح نہیں۔ بات کچھ ایسے ہو سکتی ہے کہ تارن کا لشکر تو کاظم کی شکست سے پہلے چل چکا تھا اور کاظم کی شکست کی خبر سن کر انداز غز کے لشکر کو بھیجا گیا اور وہ تارن کے لشکر کی مدد کے لئے سنی کے مقام پر بروقت نہ پہنچ سکا راستہ میں اس نے سنی کی شکست کی خبر سنی اس طرح کہ جس طرح تارن نے کاظم کی سنی تھی اور اس نے رخ تبدیل کر کے ولجہ کے مقام کا رخ کیا۔ جہاں ابھی مسلمانوں نہ پہنچ سکے تھے۔ بہمن کے لشکر کو سنی کی شکست کے بعد بھیجا گیا کہ دو شکستیں ہو چکی تھیں اس لئے ایک بڑے کمانڈر کی ضرورت تھی کہ دو لشکروں کو ملا کر مسلمانوں کو شکست دی جائے۔ آگے جو واقعات ہوئے وہ اس تجربہ کے حق میں جاتے ہیں اور ان تجزیوں پر تبصرہ کا مطلب یہ ہے کہ صحیح صورت حال واضح ہوتی رہے تو جنگوں کے نتائج اور اسباق صحیح طور پر نکالے جائیں اور اس کو ہم تاریخ کا باقاعدہ مطالعہ کہتے ہیں۔ آگے بات قارئین پر چھوڑ دیں گے۔ اور ان کو جو رائے زیادہ وزنی معلوم ہو وہ اس پر یقین کر لیں اور اہل فوج کے لئے یہ ایک ذہنی مشق بھی بن جاتی ہے۔

ولجہ کی جنگ کا ایرانی کمانڈر

انداز گز فارسی النسل نہ تھا لیکن اہل فارس میں اس کو اونچا مقام حاصل تھا وہ خراساں کا فوجی گورنر و چکا تھا

اور عرب قبائل میں بھی ہرمز کی طرح وہ کوئی ناپسندیدہ آدمی نہ تھا وہ مدائن سے چل کر کسکرا آیا جو موجودہ واسط ہے اور وہاں سے دجلہ کو پار کیا پھر آگے بڑھ کر دریائے فرات کے ساتھ ساتھ ہولیا اور یہاں کسی جڑی کی شکست کی خبر سنی اور رُخ دجلہ کی طرف پھیر دیا۔ مؤرخین نے تو یہ نہیں لکھا کہ راستے میں ایسی خبر سنی تو رُخ دجلہ کی طرف پھیر دیا لیکن یہ ہمارا اپنا تجربہ ہے اور اس وجہ سے بھی یہ تجربہ صحیح ہے کہ اگر شنی کی شکست کی خبر سن کر وہ مدائن سے چلتا تو پھر کسکرا یا واسط جا کر دجلہ دریا کو کیوں پار کرتا۔ مدائن سے دجلہ پار کر کے سیدھا راستہ زیادہ نزدیک تھا۔ نقشہ ششم کی مدد سے قارئین خود اس رائے کا تجربہ کریں ویسے دلچسپ کا مقام نقشہ پر ہم نے بھی اندازاً ظاہر کیا ہے کہ ایک آدھ میل کا فرق ہو سکتا ہے اور مؤرخین کے بیانات اور آپس سے فاصلہ کو مد نظر رکھا ہے۔

بہمن کو ایرانی فوج میں بڑا اونچا مقام حاصل تھا وہ بھی لاکھ درہم والے کمانڈروں میں شامل تھا اور بادشاہ کے ساتھ اُس کے گہرے مراسم تھے اُس کو حکم دیا گیا کہ وہ اندازاً گری مدو کرے اور کمانڈ سنبھال لے۔ وہ ایسا نہ کر سکا تو ظاہر ہے کہ "زمان و مکان" کے حساب کتاب میں ایرانی بُری طرح ناکام ہو رہے تھے۔ اور نہ صرف ایرانی محاذ جنگ کے کمانڈر بلکہ پوری ایرانی حکومت مسلمانوں کے اشاروں پر ناپاچ رہی تھی یعنی ان کی تمام تر کاروائیاں رد عمل کے طور پر تھیں اور وہ جو کہتے ہیں کہ فلاں نے پہلے کاری حاصل کر لی تو دراصل وہ زمان و مکان پر حاوی ہونا ہوتا ہے۔ چھوٹی سطح پر یہ معاملہ کچھ آسان ہوتا ہے وسیع علاقوں کے سلسلہ میں یہ بڑا اہم معاملہ ہوتا ہے لیکن حضور پاک نے مسلمانوں کو زمان و مکان پر حاوی ہونے کی تربیت دی تھی۔ آپ اب جنگوں میں مسلمانوں کی تمام تر کاروائیوں کو اس پیمانہ کے ساتھ ناپیے آخری ابواب میں حضرت عمرؓ کی حکمت عملی کے تحت اس مسئلہ کی اور وضاحت ہوگی۔

احوال و مقامات پر موقوف ہے سب کچھ

ہر لحظہ ہے سالک کا زماں اور مکاں اور (اقبال)

جناب خالدؓ کا تجربہ

خالدؓ نے حالات کا جائزہ لیا وہ دو لڑائیاں جیت چکے تھے دشمن سے علاقے حمصین چکے تھے لیکن ایرانی فوج کا کوئی بڑا حصہ پوری طرح تباہ و برباد نہ ہوا تھا۔ دونوں مقامات پر ایرانی فوجی بھاگ کر پیچھے چلے گئے اور

مک کے طور پر آنے والے لشکروں میں شامل ہو گئے دونوں مقامات پر میدان جنگ نے خالد کو اجازت نہ دی کہ وہ گھیرا ڈالنے کی کوئی کارروائی کر سکے یا تعاقب کے ذریعہ دشمن کو مکمل تباہ کر دے۔ اول خیال جو جناب خالدؓ کے دل میں تھا وہ یہ تھا کہ اب وقت ضائع نہ کیا جائے اور جو ایرانی فوج یا دشمن مل سکے اس کو شکنجے میں کس لیا جائے ساتھ ہی جو علاقے حاصل کئے تھے ان کو قابو میں رکھنا ضروری تھا اس لئے حضرت سویڈ بن مقرنؓ کو ان علاقوں کا فوجی گورنر بنایا اور ان کو حفیرہ میں متعین کیا۔ قارئین نقشہ پیغم یا ششم پر نگاہ ڈالیں تو ظاہر ہو گا کہ مسلمانوں کے لحاظ سے حفیرہ کو ابرہہ پر فوجی لحاظ سے فوقیت حاصل تھی اور ہرمز اگر ابرہہ کا نظریہ کی بجائے حفیرہ کے مقام پر مسلمانوں کے ساتھ جنگ لڑنے کی ٹھکان لیتا تو جناب خالدؓ اس کو اور زیادہ پسند کرتے۔ ایرانیوں کے نقطہ نگاہ سے ابرہہ زیادہ اہم تھا اور اس کا بیان ہو چکا ہے لیکن مسلمانوں کی حکمت عملی کے لحاظ سے حفیرہ کو زیادہ اہمیت تھی یہ ایک قسم کا خشکی کے راستوں کا جنکشن یا مرکز تھا اور اس کی ایک طرف ریگستان تھا جو مسلمانوں کا دوست تھا حضرت سویڈ صحابی اور صحابی کے بیٹے تھے۔ خالدؓ اور گھوڑوں پر نو مسلم قبائل کو کمانڈ دے رہے تھے لیکن اتنی اہم جگہ کی کمانڈ ایک ایسے صحابی کو دی جن کو جناب ابو بکرؓ بھی گیارہ لشکروں میں سے ایک کی کمانڈ دے چکے تھے۔

جناب خالدؓ کی مجبزی

جناب خالدؓ نے حضرت شتیٰ کے قبیلہ بنو بکر کے ذریعہ سے اور باقی نو مسلم عرب قبائل کی مدد سے مجبزی کا نہایت اعلیٰ پایہ کا انتظام کر لیا تھا اور خالدؓ کو یہ خبر بھی مل چکی تھی کہ ایران کا دوسرا لشکر بھی مدائن چھوڑ کر محاذ جنگ کی طرف رواں دواں تھا لیکن اس کی رفتار سست تھی معلوم ہوتا تھا کہ بہمن جنگ سے کچھ کتر رہا تھا۔ دراصل از دشریبہ بیمار تھا اور حکومت کی متوقع تبدیلی نے اوپر والوں کو عجیب الجھن میں ڈالا ہوا تھا اور یہی کمزوریاں ایرانیوں کے زوال کا باعث بن رہی تھیں اور ایسی بے نشینی کسی بھی قوم کے لئے زوال کا باعث بن سکتی ہے۔

جناب خالدؓ کی تجویز

چنانچہ خالدؓ نے تیزی کے ساتھ دلو کے مقام کی طرف پیش قدمی شروع کر دی جس کا محل وقوع

نقشہ ششم پر دیکھیں اور خالد رضی نے دشمن کے سامنے ہی کچھ فاصلہ پر پڑا ڈال دیا لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خالد نے رسالہ والوں کو کہیں پیچھے ہی چھپا کر رکھا ہوا تھا اور دشمن پر ظاہر کیا کہ وہ صرف پیدل دستوں کے ساتھ وہاں آ موجود ہوئے تھے۔ ایرانی لشکر کی تعداد کے بارے میں مورخین خاموش ہیں اور مسلمانوں کی تعداد کوئی پندرہ ہزار کے قریب بتائی گئی ہے اور شاید کچھ زیادہ نہ ہو کہ ایرانی کمانڈر مسلمانوں کے لشکر کو دیکھ کر ٹس سے مس نہ ہوا اور اپنی پچھلی طرف دریا کو بھی استعمال کرنے کی کوشش نہ کی کہ دریا پیچھے سے اُس کے لشکر کی حفاظت کرتا تھا۔ وہ دن اور اگلے دن طرفین نے دیکھ بھال میں گزار دیا۔ پرانے مورخین نے میدان جنگ کے زمینی حالات کو زیادہ واضح نہیں کیا۔ مورخین اور مبصرین نے حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے ایرانی فوج کی صف بندی دریا سے کافی آگے میدان میں بتائی ہے۔ یہ مطالعے اور تجزیے صحیح معلوم ہوتے ہیں۔ تمام تر مطالعے اس حقیقت کی تلاش میں ہو سکتے ہیں کہ جناب خالد رات کو اپنے رسالہ کو دشمن کے پیچھے کس راستے سے اور کیسے لے گئے کہ دشمن کو خبر نہ ہوئی۔ ظاہر ہے دشمن دریا کی طرف سے بالکل بے خبر تھا یعنی ایرانی چوکھٹے نہ تھے وہ اپنے بازوؤں یا پچھلے علاقہ کی حفاظت نہ کر رہے تھے۔ جناب خالد رضی نے زمین کا مطالعہ کس خوبصورتی سے کیا اور تجویز پر کس طرح بھید اور خوشنودگی سے عمل کیا ایسی تجاویز وہ لوگ بنا سکتے ہیں جن کی روح جنگوں میں ہوتی ہے اور دشمن کی نفی اور زمین کا ایسا تجزیہ کرتے ہیں کہ چپے چپے زمین ان کے سامنے بول اٹھتی ہے کہ وہ کس کام آسکتی ہے۔

اندازِ کارِ ردِ عمل اور جنگ کی کارروائی

اندازِ کارِ خوش تھا۔ اُس کا اندازہ تھا کہ مسلمانوں کی نفی کوئی دس ہزار ہے۔ اُس کو کوئی گھوڑا بھی میدانِ جنگ میں نظر نہ آیا۔ اُس نے اندازہ لگایا کہ کم نفی کی وجہ سے مسلمان گھڑ سوار بھی پیدل لڑ رہے ہیں۔ نقشہ ہفتم کے طور پر جنگ دلبہ کے تین مرحلوں کے تین خاکے پیش کئے جا رہے ہیں جو بغیر سکیں کے ہیں لیکن ان نقشوں کی مدد سے جنگ کی صورتوں کو بہتر طور پر سمجھا جاسکے گا۔

پہلا مرحلہ

اندازِ کارِ پچاس ہزار درہم کی ٹوپی والا جرنیل تھا اور مورخین نے یہ نہیں بتایا کہ اُس کے لشکر کے بازوؤں

ہر کون کون تھے۔ جناب خالدؓ خود درمیان میں تھے اور جناب عدیؓ اور عاصمؓ بازوؤں پر تھے لیکن آج کے دن خالدؓ کے حکم پر لشکر کے ہر دستہ کے امیر اگلی صفوں میں تلوار کے جوہر دکھا رہے تھے۔ محاذ زیادہ پھیلا ہوا نہ تھا۔ ایرانیوں کی صف بندی اس طرح تھی کہ ایک لائن اور اُس کے بعد دوسری لائن اور یہ گہرائی بہت زیادہ تھی۔ اگلی صف جب تھک جاتی تھی تو وہ ہٹ جاتی تھی اور مسلمانوں کے سامنے ایک نئی صف آجاتی تھی۔

علاوہ ایرانی سرداروں نے مبارزت طلبی سے گریز شروع کر دیا تھا۔ ہرمز، قارن، قباذ اور انوشجان کی قسمت کے بارے میں سن کر وہ کچھ سبے ہوئے تھے لیکن اس دفعہ لشکر میں کچھ "ہزار مرد" لائے گئے جو ایرانی فوج کے خاص پہلوان کہلاتے تھے اور اکیلے کئی مردوں کا مقابلہ کر سکتے تھے اور ان کو بہادری کے جوہر دکھانے کے بعد بادشاہ کی طرف سے ہزار مرد کا خطاب ملتا تھا۔ ایک ایسا ہی ہزار مرد آگے نکلا اور جناب خالدؓ نے آگے بڑھ کر اُس کا کام تمام کر دیا اور اُس کے اوپر کھڑے ہو کر اعلان فرمایا کہ لے ایرانیو! یہ تمہارا ہزار مرد ہے۔ طبری کی روایت کہ جناب خالدؓ نے اُس کے اوپر کھڑا ہو کر کھانا کھایا فوجی اور غلامی لحاظ سے صحیح نہیں معلوم ہوتی۔

دوسرا مرحلہ

جیسے ہی مسلمانوں کے حملے کا زور ٹوٹا یا جان بوجھ کر توڑا گیا تو ایرانی خوش ہوئے اور انہوں نے جوانی حملہ کر دیا اور کئی جگہوں پر مسلمانوں کو پیچھے دھکیل دیا مسلمان بے چگری سے لڑے لیکن ہر چیز کی کوئی حد ہوتی ہے۔ کئی مسلمان حیران تھے کہ معاملات کچھ غلط صورت اختیار کر رہے تھے۔ ایرانی فوج تھے بلکہ انداز کر کو ایک لاکھ درہم کی ٹوپی ملنے کی بھی امید لگ گئی لیکن خالدؓ کسی وقت کے اٹھناڑ میں تھے کہ ایرانی صفیں اپنی اصلی پوزیشنوں سے آگے کچھ پیش قدمی کر رہی ہوں تو تب جناب خالدؓ کی فیصلہ کن تجویز اور لڑائی کا تیسرا مرحلہ شروع کیا جائے۔

تیسرا مرحلہ

لڑائی کا تیسرا مرحلہ مسلمانوں کے رسالہ کی در یونٹوں کا ایرانیوں پر پھیلی طرف سے حضرت بسراؓ بن ابی رحم اور سعید بن مرہ کی قیادت میں حملہ تھا جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے جناب خالدؓ نے رسالہ کی

ان دو لونیوں کو لڑائی والے دن سے پہلی رات کو دشمن کی پھپھلی طرف بھیج دیا یہ کام بڑی رازداری سے کیا گیا تھا۔ بڑے لمبے چکر کے بعد یہ گھڑ سوار دشمن کے پیچھے ٹیلوں کی ادٹ میں جا کر چھپ گئے اور حکم تھا کہ خالد کی طرف سے اشارہ ملنے پر دشمن پر پھپھلی طرف سے حملہ کر دیں یہ راز ایرانیوں سے بھی پوشیدہ تھا اور مقرر شدہ اشارہ کیا تھا اس سلسلے میں مورخین بھی خاموش ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اشارہ کوئی آگ یا دھواں یا دشمن کے جوابی حملہ کی امید وغیرہ تھی یعنی جیسے ہی دشمن جوابی حملہ کرے اور زمین سے اُس کے پاؤں آگے کی طرف ہوں تو پیچھے سے آکر پل پڑو۔ خدا نخواستہ اگر دشمن جوابی حملہ کر کے مسلمانوں کی صفوں میں دوڑ تک گھس جاتا یا مسلمانوں کا بڑا لشکر سپاہی اختیار کر لیتا اور سالے ڈالے بعد میں حملہ آور ہوتے تو بڑی افزائش پیدا ہوتی۔ ایسی کارروائی کا بنیادی پہلو یہ ہوتا ہے کہ یہ حیران کن ہو اور رسالہ والوں کا حملہ کرنے والی جگہ پر پہنچ جانا ہی بڑی کامیابی ہوتی ہے جہاں سے حملہ کیا جائے اس کے بعد صرف کمانڈر کے اشارہ اور راہ نمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ دن کا وقت تھا امید واثق ہے کہ جناب پھر اور سعید اپنے گھوڑوں پر سرپٹ دوڑ رہے ہوں گے اور دشمن بوکھلا گیا ہوگا۔

لڑائی کا نتیجہ

نقشہ ہفتم کے تین خاکے ساری لڑائی کا بخوبی ہیں۔ ایرانی فوج میں ایسی تباہی مچی کہ ان کا بچ نکلنا ناممکن ہو گیا اور زیادہ فوج کھیت رہی جو چند بچ کر نکل سکے ان کو یہ پتہ نہ تھا کہ کس طرف بھاگ رہے ہیں اندازگر بھی ان میں تھا۔ وہ سرپٹ دوڑ رہے تھے۔ کس طرف؟ یہ انہیں خود کو بھی پتہ نہ تھا پس آگے آگے وہ خود تھے اور پیچھے پیچھے موت اور کئی ایک اندازگر سمیت دریا کی طرف بھاگنے کی بجائے ریگستان میں داخل ہو گئے اور بھاگتے گئے پھر ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں کوئی پانی نہ تھا اور وہاں پیاس کی شدت سے تڑپ کر جان دے دی۔ اندازگر مبارزت سے بچ گیا لیکن ریگستان جو مسلمانوں کا دست تھا اُس سے نہ بچ سکا۔ ریگستان ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرتا ہے جو اُس کو "جانتے" ہوں اور وہ اُن کو تباہتا ہے۔ ایرانیوں میں صرف وہ چند بچ سکے جنہوں نے دریا کو پار کر لیا وہ کچھ دریا کی تیز بھی ہوئے اور مسلمانوں کو بے پناہ مالِ غنیمت حاصل ہوا۔

عسکری جدت

جناب خالدؓ نے جنگ کا یہ طریقہ کار یا جدت کو نئی عسکری تاریخ پڑھ کر سیکھا اور اس سے پہلے دنیا کی عسکری تاریخ میں ایسا طریقہ کب اپنایا گیا؟ یہ وہ سوالات ہیں جو موجودہ زمانے کے عقلی مبصرین ۷ ذہنوں میں پیدا ہوں گے ہمارے لئے اس سوال کا جواب آسان ہے۔ خالدؓ ان خوش نصیبوں میں سے تھے کہ جن کو حضور پاکؐ کے ”دیدار عام“ کے علاوہ ”دیدار خاص“ بھی ہو چکا تھا اصل میں ان پر جنگ اُحد میں بہت کچھ واضح ہو گیا تھا کہ ان کی جگہ شکر اسلام میں ہے۔ ویسے سب صحابہ کرام کے لئے حضور پاکؐ نے اپنی نگاہ سے اور عملی نمونوں سے عسکری فلسفے اور کئی اور مضامین کے کالج کھول دیئے تھے کسی کو ماہر مالیات بنا دیا، کسی کو عالم دین، کسی کو جنرل اور کسی کو ماہر تجارت۔ بعض فقیہ تھے اپنی اپنی قسمت تھی جو کچھ کسی کی شخصیت میں سما سکتا تھا وہ عطا ہو گیا پھر حضور پاکؐ نے ایمان کے درجوں کی بھی وضاحت کی کہ ایک ایسا درجہ آتا ہے کہ مومن کے سامنے تمام دنیا جہاں کے علوم ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور بقول علامہ اقبالؒ ”کبھی کبھی ہماری نگاہ دل وجود کو بھی چیر کر پار نکل جاتی ہے یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے اور حضور پاکؐ کی غلامی سے سب کچھ حاصل ہو سکتا ہے اور ”دیدار خاص“ کا دروازہ بند نہیں ہوا۔ لیکن بد قسمتی سے ہماری نگاہیں ہمارے توہمات میں الجھ کر رہ گئی ہیں اس وجہ سے ہم غیروں سے سیکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ ہمارے قلب و نظر کی ناپاکی کی وجہ سے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ نے تو ہمیں اس کائنات کا وارث مقرر کیا تھا۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے

مومن کی یہ پہچان کہ گم اُس میں آفاق (اقبالؒ)

نتائج و اسباق

یہ لڑائی بڑی فیصلہ کن تھی۔ خالدؓ نے ایرانی قوچ کو تباہ و برباد کر دیا گو دشمن کے نقصان کے صحیح اندازہ

لے جلال مصطفیٰ صفحہ ۷۲ سے استفادہ کریں کہ خالدؓ پر کیا گزری۔

کے بارے میں خاموش ہیں بہر حال دشمن کے فوج کی تعداد بیس تیس ہزار کے درمیان تھی جس میں سے چند سو زندہ بچ کر نکل سکے۔

۲۔ گورنر لڑائی کی فتح بنیادی طور پر تدبیرات کی فتح ہوتی ہیں اور ایسی دو تین فتوحات مل کر حکمت عملی کی فتح قرار دی جاسکتی ہے لیکن ولجہ کی لڑائی بنیادی طور پر حکمت عملی کی بھی فتح تھی کہ جناب خالد نے بہت سنیے پہلے انداز نگاہ کا قلع قمع کر دیا۔ حکمت عملی (سٹریٹیجی) اور تدبیرات (ٹیکٹکس) کو الگ الگ سمجھنے کے لئے یہ مثال بڑی موزوں ہے۔ زیادہ وضاحت کلاسوں کی کتابوں میں ہے۔ جن کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے۔

۳۔ ایرانی ویسے بھی اپنی سلطنت کو بچانے کے لئے جنگ میں مصروف تھے اور جو عرب قبائل ان علاقوں میں تھے وہ نیم خود مختار تھے۔ ان کو نظر آگیا کہ ان کے ملک تبدیل ہو رہے ہیں اور ان کے لئے ملک برابری کا اصول جاری کرنا کر دین گئے اس لئے قبائلی سردار فکرمند ہو کر اکٹھے ہوئے کہ مسلمانوں کا سخت مقابلہ کریں۔

۴۔ جن علاقوں کو مسلمان اپنے ماتحت لاپچکے تھے وہاں کے لوگ البتہ خوش ہو گئے کہ اسلام میں برابری اور مساوات کے اصولوں کی وجہ سے ان کو اسلام میں کشش نظر آئی اور وہاں کے قبائل جو ق درجہ اسلام میں داخل ہونے لگے۔

۵۔ خالد کی اس کارروائی کا ہنی بال کی کنائی والی کارروائی کے ساتھ موازنہ ٹھیک نہ ہو گا کہ وہ ایک سیدھی سادھی جنگ تھی کہ ہنی بال کے رسالہ نے بازوؤں سے بڑھ کر پہلے دشمن کے رسالہ پر حملہ کر کے اس کو شکست دی اور پھر ہنی بال کے اشارہ پر رومن پیدل فوج پر حملہ آور ہوئے۔ ویسے کچھ مبصر عسکری تاریخ میں مشابہت اور موازنہ تلاش کرتے ہیں اور یہ ایک اچھے تجسس والا مطالعہ ہوتا ہے لیکن بقول کلاسوں کی ایک جگہ کے حالات دوسری جگہ کے عین مطابق نہیں ہوتے۔ اس لئے مشابہت کھ بجانے اور اصول تلاش کرنا چاہئے اور ان اصولوں کو اپنا غلام بنانا چاہئے ہمارا ایمان ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو کبھی نہیں دہراتی اور ہم مسند آواگون کے قائل نہیں اور وہ لوگ بھی کورور پانڈو کی جنگ یاد دہریا جنگوں کو نہ دہرا سکے چنانچہ خالد کے اس طریق کار سے ہمارے لئے بہت سبق اور اصول نکلتے ہیں اور اول سبق یہ ہے کہ وہ کس طرح رازداری کے ساتھ دشمن کے چھپے چھپے پہنچ جانے سے انہی فیصد کامیابی حاصل ہو جاتی ہے ہماری فوج میں ستمبر ۶۵ء سے پہلے اس طریقہ کا بڑا مطالعہ کیا گیا کہ دشمن کے پھلے علاقہ میں پہنچ کر اس کی توپوں پر حملہ کیا جائے لیکن افسوس اس میں پیش رفت

نہ ہونگی اور نہ ہم ستمبر ۶۵ء میں کبھی ایسا عملی طور پر کر کے ضرورت بڑی اہم ہے لیکن طریق کار بہت مشکل ہے اس کے لئے "کفن پوشوں" کی ضرورت ہوتی ہے اور کم تعداد کے لوگ بنیادی طور پر ایسی کارروائی کرتے ہیں اور ان کی کامیابی کو آگے بڑھانے کے لئے تدبیرات کو "طول" دیا جاتا ہے یہ بڑا دلچسپ علمی مضمون ہے جس کی مکمل وضاحت یہاں مشکل ہے۔

۱۰۔ اس جنگ نے اہل ایران کی سوچ میں تبدیلی پیدا کر دی۔ لہمن نے آگے بڑھ کر کوئی لڑائی لڑنے کی کوشش نہ کی۔ بادشاہ جو بستر مرگ پر تھا شکست کی خبر سن کر اس دنیا سے جلد رخصت ہو گیا۔

۱۱۔ بڑا سستی یہ ہے کہ قردن اولیٰ کے مسلمان غیرت مند تھے۔ ان کے ایمان جذبہ جہاد سے معمور تھے۔ وہ مرنا اور مارنا جانتے تھے اور جو قوم قرنا اور مارنا جانتی ہو وہ ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔

دسواں باب

امغیشیا اور اُلیس کی جنگ

مسلمانوں کی تدبیرات اور کارروائی کا جائزہ

نقشہ ششم کو غور سے دیکھنے سے ظاہر ہوگا کہ جب خالدؓ اپنی منزل مقصود پر پہنچنے والے تھے صرف امغیشیا کا علاقہ باقی تھا۔ یہاں تک بھی جناب شنی بن حارث کے قبیلہ کے لوگ پھیلے ہوئے تھے اور وہ نصرانی تھے اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے یہ لوگ بھی کسری ایران کے باجگذار تھے اور دلجو کی لڑائی میں حصہ لے چکے تھے اور وہاں سے کچھ لوگ جان بچا کر اپنے علاقہ میں پہنچ گئے تھے۔ یہ زرقیز علاقہ تھا اور با شندم بڑے امیر تھے۔ انہوں نے ایک فوجی حیاؤنی بنا رکھی تھی جس کو چوکی کہتے تھے۔ چوکی کا لفظ فوجی زبان میں ہمارے ہاں بھی عام ہے اس لئے ہم اس مقام کو اس کے اپنے نام اُلیس سے ہی موسوم رکھیں گے اور لشکر اسلام نے عراق کی فتوحات کے سلسلے کی جو تھی جنگ اس چھاؤنی میں لڑی

قادیں نے نوٹ کیا ہوگا کہ دلجو کی لڑائی سے بھاگتے ہوئے دشمن کا تعاقب نہیں کیا گیا تھا اور ظاہر ہے کہ جو تدبیرات اپنائی گئیں۔ ان کے تحت گھیرے میں آنے والے دشمن کے قلع قمع میں کافی دیر لگ گئی تھی ویسے تعاقب بھی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک فوری تعاقب جس کے ذریعہ سے فتح کے ”عطیات“ وصول کئے جاتے ہیں اور دوسرا حکمت عملی کا تعاقب کہ دشمن کو کسی اور اہم جگہ پر قدم جمانے کا موقع نہ دیا جائے لیکن دلجو کی لڑائی میں مسلمان لشکر کافی تھک چکا تھا اور کاظم سے لے کر جنگی حالات کے تحت اتنا لمبا سفر طے کر لیا تھا کہ اب منزل مقصود پر پہنچنے کے لئے پوری طاقت اور بھرپور وار کرنے کی ضرورت تھی۔

ابلہ اور بصرہ کے علاقوں کی اہمیت

پچھلے باب میں بیان کیا جا چکا ہے کہ جناب خالدؓ نے حضرت سوید بن مقرن کو ابلہ کے علاقے کا فوجی گورنر بنا دیا تھا اور وہ کچھ فوجی دستوں کے ساتھ حصر میں تعین تھے۔ دوسری جگہ پر بھی فوجی چوکیاں قائم

تھیں اور اس طرح لشکرِ اسلام کا پھیلاؤ کچھ زیادہ ہی ہو رہا تھا اور اپنی طاقت منتشر ہونے کا خطرہ تھا اس لئے جناب خالدؓ نے تمام فوجوں کو دلجہ میں اکٹھا کیا اور جو علاقے فتح کئے ہوئے تھے ان کا بندوبست وہاں کے دفادار قبائل کو سونپ دیا گیا۔ نقشہ ششم کو اگر غور سے دیکھیں تو نجاج سے حضیر والا راستہ مدینہ سے آمدورفت کے لئے بھی کافی لبا تھا اور دلجہ پہنچنے کے بعد نجاج سے زرد اور شراف والا راستہ نزدیک تھا اس لئے ابلہ کے علاقہ کی اہمیت مسلمانوں کے لئے اور کم ہو گئی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ خلیفہ اول نے خالد کو نچلے علاقہ سے بڑھ کر حیرہ پر قبضہ کرنے کا حکم دیا تھا کہ اس راستے فوجوں کی کفالت آسان تھی لیکن اب مسلمان زرخیز علاقوں میں پہنچ چکے تھے۔ ویسے مسلمانوں کے لئے حیرہ کی اہمیت بہت زیادہ تھی۔ خلیفہ وقت شام و فلسطین کی طرف بھی پیش قدمی کا فیصلہ کر چکے تھے اور اس کے لئے ضروری تھا کہ عراق کے محاذ والی فوجیں شام و فلسطین کے محاذ والی فوجوں کے نزدیک ہوں تاکہ بوقت ضرورت دونوں محاذ ایک دوسرے کی مدد کر سکیں ویسے حیرہ سے سیدھا راستہ مدائن بھی جاتا تھا۔

ابلہ اور حیرہ کے علاقوں کا موازنہ

طبری کی ایک روایت کے مطابق ابلہ کا علاقہ جناب خالدؓ کے زمانے میں فتح ہوا دراصل جناب ابو بکرؓ کے زمانے میں ابلہ تک علاقہ فتح تو ہو گئے تھے لیکن حکمتِ عملی کے تحت فارس یا خرمستان کی طرف مزید پیش قدمی نہ کی گئی کہ پہلے حیرہ تک جانا ضروری تھا کہ عراق اور شام کی فتوحات کے تانے بانے ملائے جائیں اس چیز کی مزید وضاحت اور خرمستان کی فتوحات کا ذکر پچیسویں باب میں موجود ہے اس لئے موجودہ ضرورت کے تحت اسلامی لشکروں نے حضیر کے مقام پر چوکی بنائی حضیر کی مسلمانوں کے لئے کچھ وقتوں میں اہمیت تھی مسلمانوں کی حکمتِ عملی کے لحاظ سے حیرہ اور ارمینیا کو زیادہ اہمیت تھی اس لئے فوجوں کا اجتماع وہاں پر کیا گیا ابلہ اور حضیر کو کم اہمیت دی گئی اور وہاں پر کارروائی دیکھ بھال تک محدود تھی دریاؤں کے سنگم سے خالدؓ نے فوج اوپر بلائی تو ابلہ کے علاقوں پر مسلمانوں کا کنٹرول باقی رہا حضرت عمرؓ کے زلمے میں یہاں جو کارروائیاں مرحلہ در مرحلہ ہوئیں ان کا ذکر آگے فتوحاتِ ایران کے تحت آئے گا۔

حیرہ اور ارمینیا کو کئی لحاظ سے بڑی اہمیت حاصل تھی یہ عراقی علاقوں کے نیم خود مختار قبائل کے اہم مرکز تھے کسی زمانے میں یہ علاقے تمدن اور تجارت کے بھی مرکز رہتے اور سب سے بڑھ کر ہمارے عظیم مجاہد حضرت

شنی کے قبیلے کا علاقہ تھا اس لئے ان قبائل کو اپنے ساتھ شامل کرنا ضروری تھا۔ شام و فلسطین کے محاذ کے ساتھ نزدیک ہونے کے علاوہ اگلے تمام واقعات سے ظاہر ہوگا کہ مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان جنگوں میں حیرہ کے علاقہ نے بڑا اہم کردار ادا کیا۔ یہاں ہی سے مسلمان دو مہاجندل، انبار اور فرافض پر چھانگے۔ یہاں ہی سے حضرت خالد نے شام کے لئے کوچ کیا اور اسی جگہ کے نزدیک قادسیہ کے مقام پر مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان جو جنگ ہوئی اُس نے ایرانی سلطنت کے پر فخر اڑادیئے۔ کوزہ کی چھانگنی بعد میں اسی جگہ کے نزدیک بنائی گئی۔

مسلمانوں کی پیش قدمی

ہمارے عظیم مجاہد جناب شنی بن حارث ہر آدل دستوں کی کمانڈ کر رہے تھے اور گودالچہ کے بعد فوری تعاقب تو نہ کیا گیا لیکن حکمت عملی کا تعاقب کیا گیا تھا۔ جناب خالد کو خبر مل رہی تھی کہ عرب قبائل آپس میں مل رہے تھے اور جناب شنی کے گشتی دستوں نے جلد اس خبر کی توثیق کر دی۔ جناب خالد کو البتہ فکر یہ تھی کہ بہمن جو اپنے کوچ کے دوران ولجہ کی شکست کی خبر سن چکا تھا کہ وہ اسیں نہ پہنچ جائے۔ بہمن نے یہ خبر سنی ضرور لیکن اُس نے خود وہاں پہنچنے کی بجائے اپنے ماتحت جرنیل جابان کو اسیں بھیج دیا اور خود مدائن واپس چلا گیا۔

ایرانیوں کے حالات

بہمن مدائن کیوں گیا؟ اس کی موزخیں نے کئی وجوہات بتائی ہیں کوئی کہتا ہے کہ صلاح مشورے کے لئے گیا کوئی کہتا ہے کہ وہ شہنشاہ کا لاپٹی کانگ تھا اور ہراڈی کانگ (ADC) کو بادشاہ کے دربار میں مقررہ دنوں میں حاضری دینا پڑتی تھی وہ اُس دن وہاں گیا تو بادشاہ زیادہ بیمار تھا وہ اُس کی تیمارداری میں لگ گیا یہ سب باتیں صحیح ہو سکتی ہیں لیکن ساتھ یہ بات بھی عیاں ہے کہ وہ موت سے ڈر گیا اور پہلے ایرانی جرنیلوں کے حالات سن کر وہ ذہنی شکست کھا چکا تھا اور جابان کو قربانی کا بکرا بنانا چاہتا تھا۔ جابان خود اس بات کا ثبوت پیش کرتا تھا کہ وہ ڈرا ہوا تھا کیونکہ ظہری کے مطابق اُس نے اسیں پہنچ کر اپنے لشکر کو بتا دیا کہ اُس کو کسی سپہ سالار سے اتنی وحشت یا دہشت کبھی نہیں ہوئی تھی

اُس دن خالدؓ سے ہو رہی تھی بطبری تو ہر قسم کی باتیں لکھتا رہتا ہے لیکن بلاذری اور اصفہانی وغیرہ عام طور پر ایران کے پرانے زمانے کی عظمتوں کے بڑے گن گاتے ہیں۔ ہمارے اس زمانے کے مبصر بھی ان پرانے مؤرخین کی مدد سے غیر مسلم ایرانی عظمت کے بڑے قائل ہیں وہ جان بوجھ کر جابان کے ان الفاظ کو گول کر گئے کیونکہ ایسے الفاظ لکھنے کے بعد ان کا سارا پلاٹ جس پر ان کی تحریر کی بنیاد ہے وہ ختم ہو جاتا۔ ویسے بھی ابنِ احن کے انگریز مترجم گلیم کا کہنا ہے کہ بلاذری جو طبری کی وفات سے تیس سال پہلے مر گیا تھا اُس نے اپنی تاریخ میں کوئی نئی بات نہیں لکھی اور اصفہانی کو تو خیر جانتے ہی کم لوگ ہیں۔

اللہ کی تلوارؓ

بہر حال شنی کی زبانی عرب قبائل کے جگمگنے کی خبر سن کر اللہ کی تلوارؓ اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئی حکمت عملی کے طور پر جناب خالدؓ کی کوشش تھی کہ جابان کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی وہ عرب قبائل کا قلع قمع کر دیں اور پھر جابان سے نپٹ لیں لیکن جابان وہاں پر اسلامی لشکر سے چند گھنٹے پہلے پہنچ گیا۔ لشکر کی تعداد کے بارے میں مؤرخین خاموش ہیں وہاں پہنچنے پر البتہ ایرانی لشکر کے لئے کھانا تیار کیا گیا جو ضرور عرب میزبانوں نے تیار کیا ہوگا وہ کھانا دسترخوان پر چن دیا گیا یا رکھنے کی تیار ہو رہی تھی۔ اور سپاہ کھانا کھانے کے لئے تیار ہو رہے تھے کہ جناب خالدؓ کا لشکر نصف بند ہو کر دشمنوں پر جھپٹنے کیلئے پہنچ گیا۔ بازوؤں پر جناب عدیؓ دعائم تھے۔ جابان نے اپنے لشکر والوں کو کہا کہ مسلمان اُن کو کھانا کھانے کی ہمت نہ دیں گے۔ بہتر ہے کہ کھانا میں زہر ملایا جائے لیکن اہل لشکر نہ مانے اور جلدی میں کھانے میں مصروف ہو گئے۔ کسی نے ایک نوالہ چکھا اور کسی نے دو کھانوں کے نعرہ تکبیر سے فضا گونج اٹھی

مسلمانوں کا حملہ

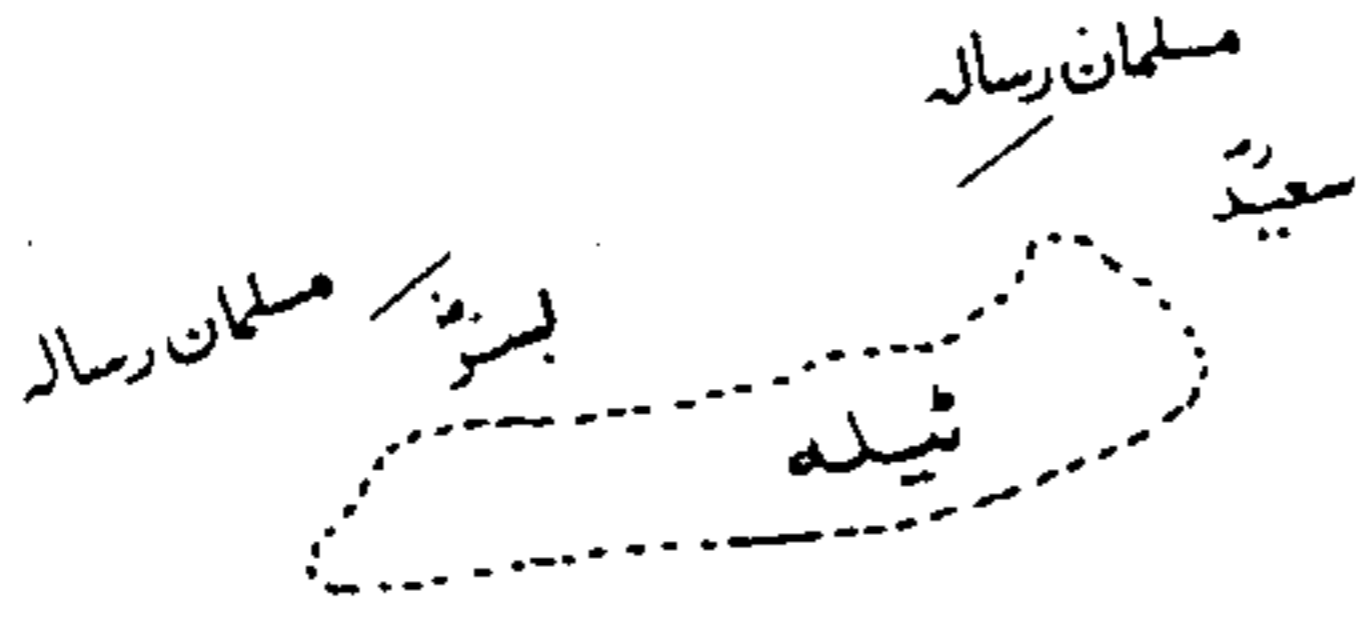
اللہ کی تلوار میدانِ جنگ میں دشمنوں کے سر پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئی۔ یہاں پر ایک وضاحت بھی ضروری ہے کہ حضور پاکؐ کا فرمان ہے کہ لے خالدؓ تم اللہ کی تلواروں میں سے ایک ہو۔ اس پہلو کو ہم دوسری کتاب میں یرموک کی جنگ کے بیان میں اور واضح کریں گے۔

جناب خالدؓ نے ایک دستہ مقرر کیا کہ ان کا پشت کی حفاظت کی جائے اور آپ آگے بڑھے اور انہوں نے

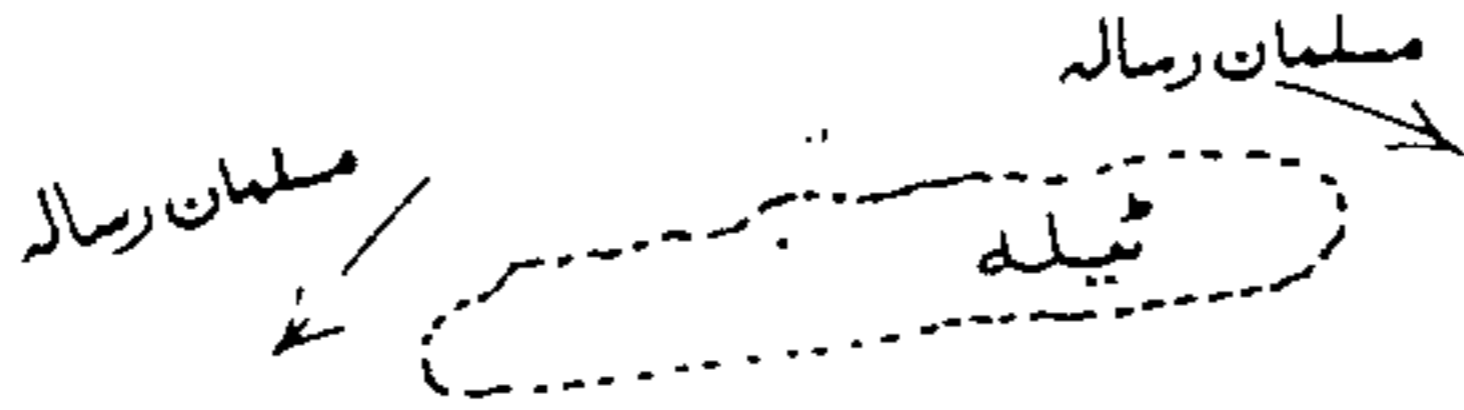
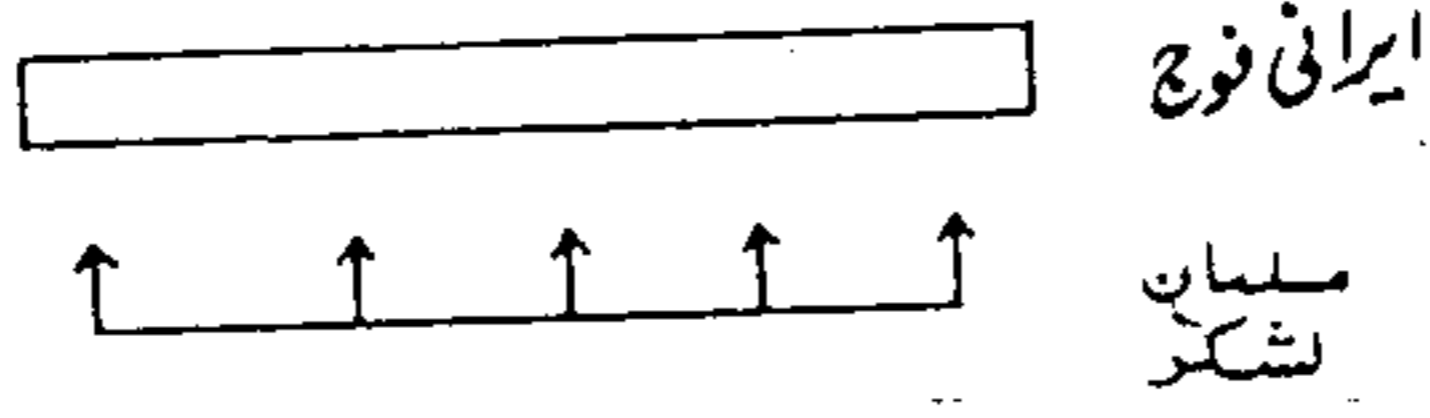
صفحہ ۱۳۳ د

نقشہ مفتوحہ
ولجہ کی جنگ کے تین مرحلے

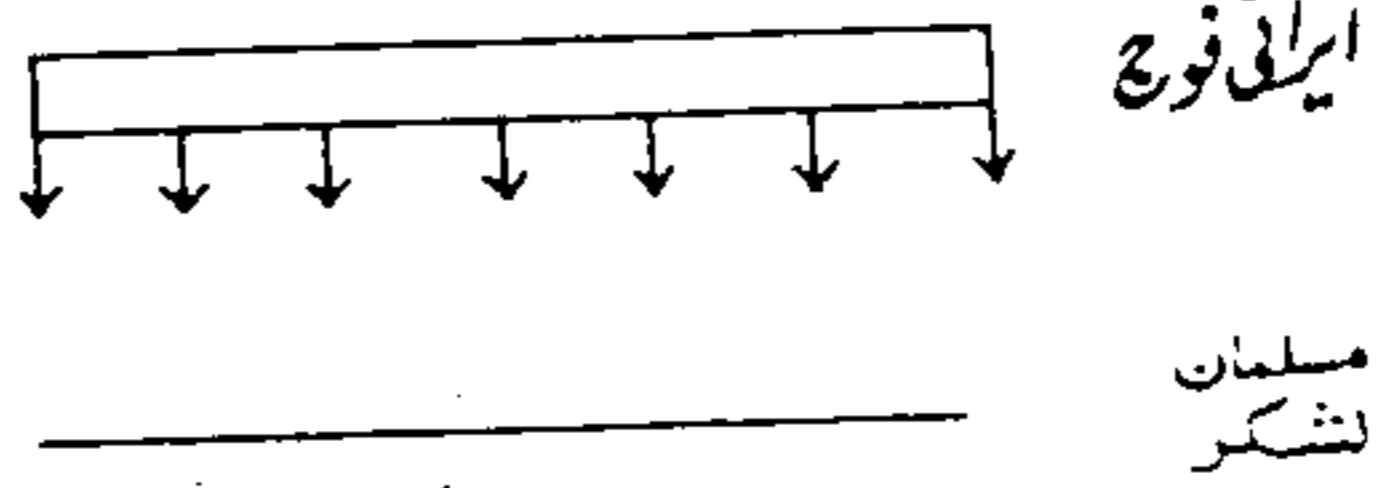
خاکے بغیر
سکیل کے



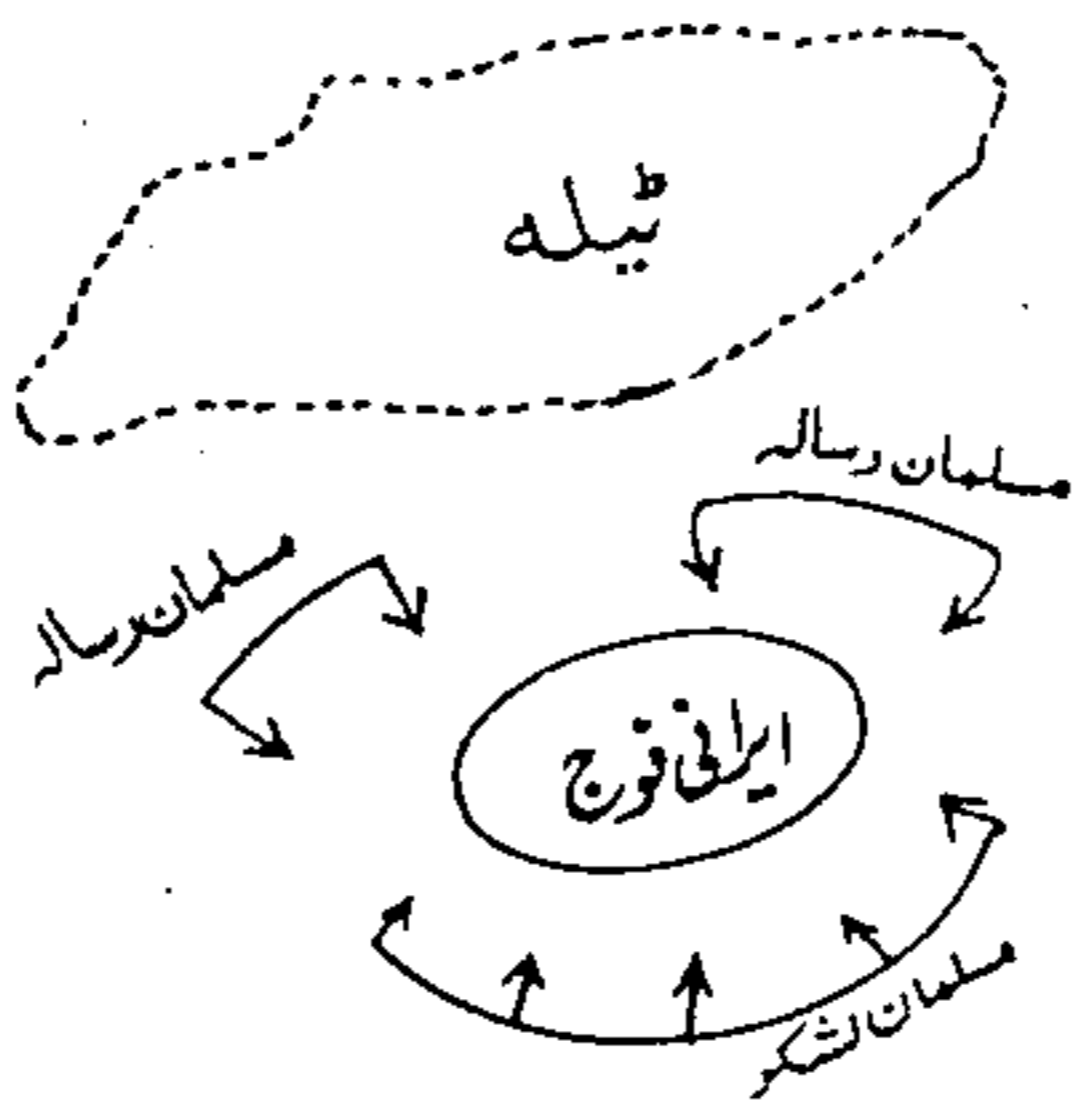
پہلا مرحلہ



دوسرا مرحلہ



تیسرا مرحلہ



عرب قبائل میں سے دشمنوں کے نام پکار کر ان کو اپنے مقابلہ میں آنے کی دعوت دی۔ ان میں سے صرف مالک کو آگے بڑھنے کی ہمت ہوئی اور جناب خالدؓ نے ایک ہی وار میں اُس کا کام تمام کر دیا۔ بازوؤں پر اسی قسم کی دعوت جناب عدیؓ اور جناب عاصمؓ دے رہے تھے لیکن اُن کے بالمقابل عبدالسود اور الجبرگے نہ آئے۔ عرب قبائل یہ سمجھتے تھے کہ جابان پہنچ گیا ہے اور بہمن پہنچنے والا ہوگا اور گروہ مبارزت کے لئے آگے نہ بڑھتے تھے لیکن ویسے ایرانی بہادری سے لڑ رہے تھے۔

خالدؓ نے یہ حمد بڑی تیزی سے کمزور دیا تھا۔ صف بندی پہلے ہی سے کر کے کوچ کر رہے تھے دشمن کے سامنے آئے تو سامان اتارنے کا حکم دیا اور فوراً حملہ کر دیا۔ مسلمان آگے بڑھ کر حملہ کر رہے تھے خالدؓ نے عرب قبائل کو راہِ راست پر لانے کے لئے بڑے پیغام بھیجے تھے لیکن وہ کسی غلط فہمی کا شکار تھے میدانِ جنگ میں جناب خالدؓ کے منہ سے یہ کلمات نکلے "اے رب العالمین یہ لوگ راہِ راست پر نہیں آ رہے تھے ہم تیرے نام پر خون کی ندیاں بہا دیں گے۔"

اب بات یہ بنتی کہ یہ جنگ ربیع الاول بارہ ہجری میں ہوئی اور مسیٰ یا جون کا مہینہ تھا۔ گرمی میں خون جم کر کھڑا نہیں ہوتا اور قتل و غارت سے واقعی خون ان مہینوں میں ایک طرف بہ نہ سکتا ہے اس زمانے کی جنگوں میں پھیلاؤ زیادہ ہوتا ہے اور پرانے زمانے کی حالت نہیں ہوتی تو کیا واقعی اس جنگ میں مسلمانوں کے تابڑ توڑ حملوں سے خون کی ندیاں بہ گئیں؟

موزخین مہسرن کی موٹنگانیاں

طبری کے مطابق ستر ہزار کفار اس جنگ میں مارے گئے لیکن یہ زیادتی ہے مسلمانوں کا لشکر اٹھارہ ہزار سے زیادہ نہ تھا اور دشمن کا لشکر کم از کم ایک لاکھ کے قریب ہوتا تو تب ستر ہزار کفار مارے جاتے اور دشمن کے لشکر کی اتنی تعداد کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ یہ "اضافہ" خون کی ندیوں والی بات کو پورا کرنے کے لئے بنایا گیا کہ شاید ستر ہزار آدمیوں کے خون سے ایک ندی بہ سکی ہوگی۔ اندازہ ہے کہ دشمن کی تعداد تیس ہزار سے زیادہ نہیں ہو سکتی اور مرنے والوں کی تعداد شاید اٹھارہ ہزار ہو۔ ویسے اٹھارہ سے بیس ہزار آدمی بھی ایک محدود جگہ میں اور ہر آدمی کا تقریباً سیر دو سیر خون بہہ جائے تو یہ جسی پانچ سو سے چھ سو من خون ہو سکتا ہے جو نو دس ہزار گیلن کے برابر ہو سکتا ہے اور اس سے خون کی ندی ضرور بہ گئی ہوگی۔

موزخین نے بات کا بتنگڑ بنا دیا ہے کسی نے لکھا کہ خالدؓ نے قسم اٹھائی کہ فتح کے بعد وہ لوگوں کے سر کاٹ کر خون کی ندیاں بہادیں گے اور لڑائی تمہم جانے کے بعد لوگوں کو پکڑ پکڑ کر لاتے تھے اور ان کے سر کاٹتے جاتے تھے لیکن خون چلنا نہ تھا اس لئے پانی چھوڑا گیا کہ خون کو بہا کر لے جائے اور ندی کے پانی کا رنگ سرخ کر دے تاکہ قسم پوری ہو۔ کسی نے لکھا کہ اُس ندی پر آہا پینے والی جو چکیاں تھیں وہ تین دن اسی خون کے ساتھ چلتی رہیں اور خالدؓ کے لشکر کے لئے اتنے من آہا پینا وغیرہ وغیرہ یہ اضافے تو نابلد لوگوں کے ہیں لیکن کئی سنجیدہ لوگوں نے بھی اس جنگ کو خونی دریا والی جنگ کا نام دیا اور یہ بھی لکھا کہ لڑائی کے بعد کسی قیدی کو زندہ نہ چھوڑا اور تعاقب میں لوگوں کو پکڑ پکڑ کر لایا گیا کہ خالدؓ کی قسم پوری ہو۔

قارئین! اندازہ لگائیں کہ لفظی والوں کو ایک تلمیح مل گئی اور اُس کے گرد اتنی کہانیاں بُن دیں کہ جنگ اُیس کے تمام واقعات پر پانی پھیر دیا اور حقیقی واقعات پر کچھ بھی نہ لکھا اسی جنگ کے مقابلے میں یمامہ کی جنگ کو لیں جہاں چودہ ہزار سے سات ہزار آدمی ایاز کے باغ میں مارے گئے تو اس کا نام خونی باغ رکھ دیا گیا لیکن مسلمانوں کے بارہ سو شہداء کا ذکر بھی کیا مگر یہاں پر مسلمانوں کے ایک شہید کا بھی ذکر نہیں اور دشمن کے ستر ہزار آدمی کے ختم کرنے کا ذکر کیا اس طرح پوری جنگ کو الفیل کی کہانی بنا دیا۔ یہی نہیں بلکہ اس اُیس کی جنگ کو ایک ایسی جنگ بنا کر پیش کیا گیا ہے اور جناب خالدؓ سے ایسے الفاظ منسوب کئے گئے جو حضرت خالدؓ کی شان گھٹانے کے مترادف ہے۔

انسوٹاک پہلو یہ ہے کہ جنرل اکرم اور جنرل گل ب جیسے مبصروں نے بھی اس بات کو تسلیم کر لیا۔ دوسری جنگ عظیم میں راقم نے کئی جگہیں دیکھیں جہاں پر چند سو جا پانی لاشیں پڑی تھیں تو انسان وہاں کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔ ستمبر ۶۵ء کی جنگ میں ڈوگری کے میدان جنگ سے بھارتیوں نے تقریباً سات سو لاشیں ہمارے سامنے سے فار بندی والے دن اٹھائیں جس کے دو سال بعد بھارت کے لوک سبھا میں بڑا بڑا اور بلا بھی مچا بے شک میدان جنگ بڑا بھیانک نظر آتا تھا تو ستر ہزار لاشوں کا تصور کرنے کو بھی جی نہیں چاہتا۔

جنگ کے نتائج

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ یہ جنگ بڑی سخت تھی کہ ہم ہر جنگ کے نتائج کا تجزیہ اُس کے اثرات سے کرتے ہیں اور یہ ایک ایسی شکست تھی جس نے ایرانی سلطنت کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا جابا

کسی طرح جان بچا کر بھاگ نکلا اس لڑائی کے بعد ایران کی کسی بڑی فوج کو خالدؓ کے سامنے آنے کی ہمت نہ ہوئی اور نہ ہی عرب قبائل اس کے بعد خالدؓ کے مقابلہ میں کوئی سخت کارروائی کر سکے یہ ایک بہت بڑی شکست تھی جس سے ایرانی اور دشمن عرب قبائل سہم گئے۔

امغیشیا کی فتح

الیس کی جنگ کے نتائج کے طور پر امغیشیا خود بخود فتح ہو گیا اور مسلمانوں کو االیس اور امغیشیا میں بہت سا مال غنیمت حاصل ہوا اور جناب خالدؓ نے جندل عجمی کو مدینہ بھیجا جنہوں نے مال غنیمت کا پانچواں حصہ خلیفہ اول کی خدمت میں پیش کیا اور تمام لڑائی کے واقعات صحیح تفصیل اور پختہ کاری سے سنائے جنہیں سن کر جناب صدیق اکبرؓ بہت خوش ہوئے اور ان سے نام پوچھا جب انہوں نے اپنا نام جندل بیان کیا تو جناب ابو بکرؓ نے فرمایا کہ تم تو "بلند" ہو یعنی پتھر کی طرح مضبوط اور پختہ۔ یہ واقعہ کھنے کا مقصد یہ ہے کہ قاصد یا خبر پہنچانے کا کام ہر آدمی صحیح طور پر نہیں کر سکتا یہ ایک فن ہے۔ اور خدا داد ہنر ہے۔ ہم اس سے پہلے جو "ایرانی وار لیس" کا ذکر کر چکے ہیں وہ کچھ افسانہ معلوم ہوتا ہے یہ کہہ سکتے ہیں کہ گورپانے زمانے میں وار لیس یا ٹیکیفون نہ تھے لیکن پیغام رساں چنیدہ آدمی ہوتے تھے اور یہ پہلو آج بھی اتنا ہی اہم ہے بہر حال جناب صدیق اکبرؓ جناب جندلؓ سے بہت خوش ہوئے۔ اور آپ نے مال غنیمت سے ایک لونڈی ان کو عطا فرمائی۔ میدان جنگ کے سپاہی کے لئے یہ ایک بہت بڑا انعام ہوتا ہے کہ اسلام دین فطرت سے کہ وہ جانوروں کی طرح جنسی تعلقات کو ختم کر کے ازدواجی رشتے والے راستہ کی راہ نکالتا ہے۔ انہی لونڈیوں اور کینزوں کے بطن سے بعد میں عظیم مجاہد اور فقیہ پیدا ہوئے پھر جناب ابو بکرؓ نے مسلمانوں کی اس فتح کی خوشخبری مسجد نبویؐ میں سنائی اور فرمایا: "مسلمانو! فتح مبارک ہو۔ ہمیں اسلام کے عظیم فرزند خالدؓ پر فخر کرنا چاہیے۔ ایسے فرزند بہت کم عورتیں پیدا کرتی ہیں اور بے شک ہمارے سر اللہ کے دربار میں جھک جائیں کہ اُس نے اپنا حبیب ہمارے پاس بھیج کر ہمیں یہ عزت بخشی۔"

جنگ کے نتائج و اسباق

خون کی ندیوں والی بات کو مورخین اور مبہرین نے ایک افسانے کا رنگ دے دیا یہ افسوسناک اور

شہِ مناک پہلو ہے لیکن زیادہ افسوس ہمارے اس زمانے کے ایک سنجیدہ مبصر یہ ہے جس نے اس جنگ کا نام ہی پرانی تاریخوں سے ہٹ کر - خونی دریا کی جنگ رکھ دیا۔

ایران کی فوج ذہنی شکست کھا چکی تھی ایرانی لشکر خواہ اس کی تعداد کتنی تھی لیکن وہ مسلمانوں کے اٹھارہ ہزار کے لشکر کے سامنے نہ ٹھہر سکا۔

۳۔ جنگ میں ایرانی افواج کی زیادہ بہادری والی بات کوئی نہیں۔ ان کی موت بھی بکریوں والی موت تھی۔ مگر اس کو غلط رنگ دے کر غیر مسلم ایران کی عظمت کو اسلام کے مقابلے یا موازنے کے لئے آگے لانا کسی سازش کے تحت ہی ہو سکتا ہے اور ان کے کارناموں پر فخر کرنا ایسا ہی ہے جیسے ہم راجہ داہریا انگ پال کے کاموں پر فخر کریں ایسے لوگوں کو مسلمان کہنا بھی باعثِ ننگ ہے۔ کیونکہ یہ دل سے مسلمان نہیں ہوتے۔

۴۔ پیش لفظ میں عرض کی گئی تھی کہ اضافوں سے کس طرح تاریخ کو غلط رنگ میں پیش کیا جاتا ہے اس پہلو کو متعدد مثالوں سے جگہ جگہ واضح کیا جا رہا ہے لیکن ایک اصول کو یاد رکھیں۔ مومن کا دل آئینہ ہے۔ اگر آپ مسلمان بنیں تو اسلام کے باغ سے خوشبو ہی خوشبو آئے گی اور غیروں کے فلسفوں میں کوئی بڑائی نظر نہ آئیگی لیکن اگر آپ کے اسلام کو رنگ لگ گیا ہے تو اس سے بڑی بد قسمتی اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

سینہ روشن ہو تو یہ سوزِ سخن عین حیات ہونہ روشن تو سخن مرگِ دوام لے ساقی (اقبال)

۵۔ ہمارے سامنے مثال موجود ہے اٹھارہ ہزار نہتے مسلمان اپنے گھروں سے دور اس وقت کی ایک عظیم سلطنت کی باقاعدہ فوج کو کس طرح تہس نہس کرتے جاتے ہیں اور خود بنیادِ مروض ہیں۔ ایک ایک نکتہ پر دھیان دیں۔ تیزی، جلد جملہ، دشمن کو تہس نہس کرنا، قاصد کی پختہ بیانی، دینِ فطرت کے ضابطے، انسانی زندگی کا مطالعہ، حق کو حق کہنا اور ضرورت کو ضرورت سمجھنا، بے شمار اسباق ان جنگوں میں موجود ہیں۔

گیارہواں باب فتح حیرہ

حیرہ کے حالات

اب وہ منزل نظر آنا شروع ہو گئی تھی جو خلیفہ اہل نے مقصود کے طور پر اللہ کی تلوار کے لئے مقرر کی تھی اور خالدؓ اس کی طرف رواں دواں تھے۔ اسلام متحرک فلسفہ ہے۔ یہ ساکن اور انفعالی کارروائیوں کو پسند نہیں کرتا اور حیرہ والے بھی کسی شک میں نہ تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ اب ان کی باری آچکی ہے اس لئے وہ تیاریوں میں مصروف تھے۔

حیرہ کا عرب بادشاہ برائے نام تھا اور اصلی طاقت ایرانی گورنر کے پاس تھی۔ جس کا نام آزاد تھا یہ پچاس ہزار درہم کی ٹوپی کا مالک تھا اور ایرانی فوج کے حشر سے باخبر تھا لیکن وہ کسی لگک کے بہار پر امید ضرور تھا اس لئے عام ایرانی طرز کی "بیٹھی" یا ساکن جنگ کی بجائے اس نے عرب قبائل سے سکھے ہوئے طریقوں پر جنگ کرنے کی کوشش کی۔ سب سے پہلے اس نے تمام لشکر کو شہر سے باہر نکالا اور وہاں پر پوزیشن سنبھالی۔ اس کے بعد اپنے بیٹے کو حیرہ سے دس بارہ میل دور نیچے بھیجا کہ دشمن پر کڑی نگاہ رکھے اور اگر دشمن کی پیش قدمی کی خبر دریا والے راستے سے ملے تو دریائے فرات کے پانی کو مقرر کے مقام کے پاس مکمل طور پر نہروں میں ڈال دیا جائے تاکہ دریائے فرات میں کوئی پانی باقی نہ رہ جائے یہ کام آزاد کے بیٹے نے وہاں پہنچتے ہی کر دیا۔

جناب خالدؓ کی پیش قدمی

جناب خالدؓ نے جس وقت حیرہ کا طرف پیش قدمی شروع کی تو آپ حالات سے مکمل طور پر باخبر تھے اور عام فوجی لحاظ سے پیدل فوج والی پیش قدمی کی بجائے انہوں نے کشتیوں کے ذریعے دریا کے بہاؤ کے خلاف ادھر کا سفر شروع کیا وہ ابھی منزل مقصود سے دور ہی تھے کہ ملاہوں نے خبر دی کہ دریا میں پانی کی سطح بہت کم ہو گئی ہے اور کشتیاں ادھر نہ جاسکیں گی۔ معاملات کی چھان بین کے بعد پتہ چلا کہ شاید

دشمن نے دریا کا پانی نہروں میں ڈال دیا ہے ورنہ موسم کے لحاظ سے یا کسی اور وجہ سے دریا کا پانی اس طرح کم نہیں ہو سکتا تھا۔

جناب خالدؓ کی کارروائی

بہر حال جناب خالدؓ نے اس سلسلے میں دشمن کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اُن کو جب یہ خبر ملی تو انہوں نے رسالہ کے چند دستوں کو اپنی کمانڈ میں سرپٹ طور پر حشر کے مقام کی طرف دوڑا دیا۔ انہوں نے اچانک چھا پہ مار کر دریا کے پانی کو نہروں سے کاٹ کر پھر دریا میں ڈال دیا اور ایرانی فوجی دستہ کا فائدہ کم کر دیا اور پھر جلد ہی ایک جھپٹا اور مارا اور باد قلی کے مقام پر آزادیہ کے لڑکے اور اُس کے متعدد ساتھیوں کو تہ تیغ کر دیا۔ شاید وہ چوکتے نہ تھے البتہ چند ایرانی جان بچا کر واپس پہنچے اور آزادیہ کو اُس کے بیٹے کے مرنے اور حالات کی خبر دی۔ اسی وقت ایرانی کسریٰ از دستیر کے مرنے کی خبر بھی پہنچی اور آزادیہ بغیر لڑائی کے وہ جگہ چھوڑ کر فرات کو عبور کر کے بھاگ گیا۔

تبصرہ

برانی ایرانی تہذیب کے مداح ایک مبصر نے واقعہ کو اس طرح بیان کیا کہ "آزادیہ ایران کا سچا اور عظیم ہیرو تھا اور حیرہ کے دفاع کے لئے سردھڑکی بازی لگانے کو تیار تھا" لیکن دوسرے صفحے پر جب یہ واقعات سامنے آتے ہیں تو لکھتے ہیں کہ "بے چارے آزادیہ کا دل ٹوٹ گیا اس لئے وہ فرات کو عبور کر کے مدائن میں بہمن کے پاس چلا گیا" ہمارے لئے عظمت صرف اسلام میں ہے اور لفاظی کے چکروں میں ہم کسی غیر اسلامی تہذیب و تمدن کے مردہ جسم میں جان ڈال کر اُس کو اسلام کے مقابلے میں لے آنے کو پسند نہیں کرتے۔ کچھ لوگ راجہ داہریا باطل فلسفیوں کو اجاگر کر کے پتہ نہیں کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں مگر یہ سب کچھ لاعلمی کے طور پر کیا جا رہا ہے تو ہم اُن کے لئے دعا کر سکتے ہیں اور اگر جان بوجھ کر کر رہے ہیں تو انہیں سبق سکھانا ضروری ہے۔

جناب خالدؓ کی کارروائی

ظاہر ہے کہ آزادیہ کے فرار کے بعد حیرہ میں اب عرب قبائل ہی باقی رہ گئے تھے۔ جناب خالدؓ کا ارادہ تھا کہ خوانق اور نجف کے درمیان کہیں پڑاؤ کریں لیکن صورتِ حال کی تبدیلی کی وجہ سے خالدؓ نے سب

سے پہلے اپنے لشکر کے تمام امیروں کو خوانق میں اکٹھا کیا۔ حالات کا جائزہ لیا اور خود آگے بڑھ کر اُس جگہ پڑاؤ کیا جہاں پر حیرہ سے نکل کر آزاہ نے پڑاؤ کیا ہوا تھا اور وہاں سے بھاگ چکا تھا۔ عرب قبائل کے الگ الگ قلعے تھے جن میں وہ قلعہ بند ہو گئے تھے اور جناب خالدؓ نے اپنے لشکر کو حصوں میں بانٹ کر امرار کو ان قلعوں کا محاصرہ کرنے اور انہیں سر کرنے کی ذمہ داری سونپی۔

دراصل خالدؓ اپنی منزل مقصود پر پہنچ چکے تھے۔ حیرہ کسی زمانے میں بڑا شہر تھا اور ہر لحاظ سے آباد تھا یہ جگہ نجف اشرف سے نزدیک ہے اور اب سننے میں وہاں کھنڈرات ہی باقی رہ گئے ہیں۔ حضور پاکؐ کے زمانہ میں اکثر مسافروں اور تجارت پیشہ لوگوں نے حیرہ کی خوبصورتی اور لوگوں کے رہن دسہن کے بارے میں حضور پاکؐ کی مجلس میں بھی ذکر کیا تو حضور پاکؐ نے فرمایا کہ اس شہر پر چند سال بعد اسلام کے جھنڈے لہرائیں گے۔

کرامت بنت عبدالمسیح

ایسی طرح حضور پاکؐ کی مجلس میں ایک دفعہ حیرہ کے ذکر میں کرامت بن عبدالمسیح کا ذکر بھی آ گیا۔ جن کی خوبصورتی اور گھڑ سواری کا ذکر زبان زد عام تھا اور وہ "حیرہ کی پری" یا "حیرہ کی بیگم" وغیرہ کے ناموں سے موسوم تھی۔ مجلس میں ایک دفعہ حضرت شویلؓ نے بڑی سادگی سے پوچھا۔ "یا رسول اللہؐ جب حیرہ فتح ہو جائے گا تو کرامت کا کیا بنے گا" حضور مسکرائے اور رحمت اللعالمین کو یہ سادگی اتنی پسند آئی کہ مسکرا کر فرمایا "اُس کو تم لے لینا" آج حضرت شویلؓ کی انظار کی گھڑیاں ختم ہو رہی تھیں۔ اُس کے آقا کے فرمان کے پورے ہونے کا وقت آ گیا تھا اور حضورؐ نے جو فرمایا اُس نے ہونا تھا۔ حیرہ پہنچ کر گو سب اہل لشکر خوش ہوں گے لیکن حضرت شویلؓ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ ہوگی۔

لڑائی والا معاملہ تو ختم تھا۔ "صفائی" والی بات باقی تھی۔ جناب خالدؓ نے حضرت شئیؓ، فرار بن الازر، فرار بن المقرنؓ، مقرنؓ اور فرار بن خطاب کو عرب قبائل کے چار قلعوں کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ جناب مقرنؓ کے دس بیٹوں میں سے جناب سویدؓ، معقلؓ، نعمانؓ اور عبداللہؓ کا ذکر آپ پڑھ چکے ہیں۔ آج پانچویں کا ذکر پڑھ رہے ہیں اور آگے چھٹے جناب نعیمؓ کا ذکر پڑھیں گے۔ باقی یا تو چھوٹے تھے یا عام درجے کے مجاہد کہ ان کا ذکر کہیں نظر سے نہیں گزرا۔ فرار بن خطاب حضرت عمرؓ کے بھائی نہ تھے یہ ایک

اور خطاب کے بیٹے تھے۔

عرب قبائل کے چار سرداروں میں زیادہ مشہور دو ہی تھے۔ اول ایاس بن قبیصہ طائی جو برائے نام یا باجگذا ابادشاہ تھا اور دوسرا کرامہ کا باپ عبدالمسیح بن عمر بن بقیلہ جو اکثر ابن بقیلہ کے نام سے مشہور ہے مؤرخین نے ہر قلعہ کے محاصرہ اور الگ الگ قبائل کے سرداروں سے بات چیت کو مفصل طور پر بیان کیا ہے لیکن ہمارا مطالعہ تدبیرات اور حکمت عملی کا ہے وہ کامیاب ہو چکی تھی۔ خوانق پہنچ کر جناب خالدؓ ایک طرح سے حیرہ کو گھیرہ ڈال چکے تھے اور کلاسوٹز نے ایسی کاروائیوں کے لئے جو الفاظ استعمال کئے ہیں ان کے مطابق خالدؓ اپنی ہم اور فتوحات کے عطیات و ثمرات وصول کر رہے تھے اور ہمارا جائزہ یہ ہے کہ تمام قبائل کی طرف سے عبدالمسیح ہی نمائندہ بن کر مسلمانوں کے ساتھ صلح کی شرائط طے کرنے کیلئے آیا۔

عبدالمسیح کی زہر کی

یہ آدمی دو سو سال بوڑھا تھا۔ نوشیروان عادل کا زمانہ دیکھ چکا تھا۔ کچھ کاہن قسم کا آدمی تھا یا تجربہ کے ذریعہ سے آنے والے واقعات کا ذکر بھی اشارتاً کر دیتا تھا۔ علم کلام کا ماہر مانا جاتا تھا۔ بڑا حاضر جواب تھا اور فلسفیانہ قسم کی باتیں کرتا تھا۔ تمام مؤرخین نے جناب خالدؓ اور اس کی گفتگو کو لفظ بلفظ لکھا ہے اور اس کی زیرکی اور دانائی کو ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا ہے۔ جناب خالدؓ نے البتہ تین شرطیں پیش کیں۔ اول اسلام لے آؤ اور ہمارے بھائی بن جاؤ اگر یہ بھی منظور نہیں تو جزیرہ یا ٹیکس دو کہ تمہاری حفاظت کا بندوبست کیا جائے اگر یہ بھی منظور نہیں تو فیصلہ تلوار کرے گی۔ اول تو یہ شرطیں سن کر عبدالمسیح کی ساری ذہانت جواب دے گئی کہ بقول علامہ اقبالؒ فلسفہ جو خونِ جگر سے نہ لکھا جائے اس کی بنیاد کوئی نہیں ہوتی اور عبدالمسیح کا زبانی کلامی فلسفہ تھا۔ لیکن خالدؓ نے اس کو اور زیادہ حیران کر دیا جب آپ نے اس کے خادم کی پیٹی کے ساتھ لٹکی ہوئی تھیلی کو کھولنے کا حکم دیا جس میں ایسا سخت زہر تھا جس کو سونگھنے سے بھی انسان زندہ نہ رہ سکتا تھا اور عبدالمسیح اس تاڑ میں تھا کہ یہ زہر کسی وقت خالدؓ کو بے خبری میں سنگھا دے لیکن خالدؓ کے پوچھنے پر جواب دیا کہ وہ یہ زہر اپنے لئے لایا تھا کہ معاہدہ میں ناکامی کے بعد اس زہر کے ساتھ خودکشی کرے گا۔ یہ بات قابل تسلیم نہ تھی۔ کیونکہ خودکشی کیلئے بڑے وقت موجود تھے لیکن خالدؓ نے اس کو اور ساری مجلس کو حیران کر دیا جب

یہ زہر عبدالمسیح کے خادم سے لے کر آپ نے بسم اللہ پڑھ کر منہ میں ڈال دی۔ اپنوں کے پاس بھی جناب خالدؓ کو روکنے کا وقت نہ تھا لیکن شاید لوگوں کو معلوم نہ تھا کہ اللہ کی تلوار پر دشمن یا باطل کا کوئی حربہ اثر نہ کر سکتا تھا اور جناب خالدؓ نے اس کا ثبوت پیش کر دیا۔ مکمل وضاحت دوسری کتاب کے گیارہویں باب میں ہے۔

عبدالمسیح کی زیر کی کو کافی دھچکا لگ چکا تھا۔ وہ تو شیرواں عادل جیسے بادشاہ کے دربار میں اپنی زیر کی کی داد لے چکا تھا اور عام ایرانی ارباب اقتدار تو اس کی دانائی سے مرعوب تھے لیکن یہاں اہل حق کے سامنے اس کی تمام تر دانائی حسنِ نجاشاک ہو رہی تھی اور جو تھوڑی سی کسر باقی تھی، وہ جناب شویلؓ نے پوری کر دی۔ وہ آگے بڑھے اور انہوں نے حضرت خالدؓ کو حضور پاکؐ کا فرمان یاد دلایا۔ خالدؓ حیران تو ہوئے لیکن اپنے آقاؐ کا فرمان سن کر خالدؓ پر برکت طاری ہو گئی اور عبدالمسیح کی ذہانت نے بھی ضرور جواب دے دیا ہوگا اور اس کی رہی سہی زیر کی مٹی میں مل گئی ہوگی۔ معاہدہ سے تو کچھ حاصل ہو گیا ہوگا لیکن عبدالمسیح سب کچھ کھو بیٹھا، کہ اپنی لڑکی کرامتہ کو حضرت شویلؓ کے حوالے کرنے والی بات کو معاہدہ میں شامل کرنا پڑا۔ باقی معاہدہ جزیہ تک محدود تھا۔

حضرت شویلؓ والا معاملہ بھی ہمارے آقاؐ کی شان کی یاد دہانی تھی ورنہ کرامتہ کی عمر اس وقت انسی برس ہو چکی تھی اور حضرت شویلؓ کو ہمارے آقاؐ کی فرمائش کے مطابق وہ مل ضرور گئی لیکن پہلے باب میں ہم نے صحابہؓ کی شان بیان کرتے وقت صحابہؓ کی سادگی کا بھی ذکر کیا اور جناب شویلؓ کا بھی۔ چنانچہ آج کے دن انہوں نے اس سادگی کا عملی نمونہ پیش کیا۔ کرامتہ جناب شویلؓ سے کہنے لگی کہ وہ بہت بوڑھی ہو چکی ہے۔ جناب شویلؓ اس کا ہدیہ لے لیں۔ جناب شویلؓ کو بات پسند آئی فرمایا "ایک ہزار درہم سے کم نہ لوں گا" کرامتہ بڑی مکار تھی اور حضرت شویلؓ کی سادگی سے واقف ہو چکی تھی۔ بڑے حیلوں کے بعد ایک ہزار درہم دے دیئے تو جناب شویلؓ نے اس کو آزاد کر دیا۔ جب لشکر والوں نے پوچھا تو حضرت شویلؓ نے ساری کہانی بڑی سادگی سے بیان فرمائی۔ اہل لشکر ہنس دیتے۔ کہ جناب شویلؓ کے خیال میں ہزار درہم زیادہ رقم ہو بھی نہ سکتی تھی۔

تبصرہ

اس تمام واقعہ کے بہت سے پہلو ہیں۔ حق کے سامنے باطل سرنگوں ہے۔ حق کا فلسفہ خون جگر سے لکھا جاتا ہے۔ اس کے سامنے باطل کی ذہانت، شہرت یا عزت کوئی بھی چیز کچھ معنی نہیں رکھتی لیکن یاد رکھیں کہ اسلام کا فلسفہ یا نظریہ اس وقت مکمل سمجھا جاتا ہے کہ تلوار اپنے پاس ہو اور عسکریت، اس فلسفہ کا اڑھنا بچھونا ہے ورنہ اسلام بھی بے جان فلسفہ رہ جائے گا۔ جلال مصطفیٰ کے ہر باب میں اس پہلو کی وضاحت کر دی گئی ہے اس لئے ہمارے دانشوروں اور ادیبوں کو چاہیے کہ اسلام کے جاندار فلسفہ کو اجاگر کریں اور محض امن پسندی کے نعروں سے قوم کو مردہ نہ کر دیں۔ بے شک مسلمان فتنہ پسند نہیں کرتے اور امن پسند ہیں لیکن امن کو جاری دساری کرنے کے لئے اپنے پاس تلوار ہونی چاہیے۔

اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ مسلمانوں کی ہمیشہ مدد کرے گا پھر ہماری مدد کیوں نہیں کرتا ہمارا اسلام منافقانہ اور زنگ آلود ہے۔ آڈ مل کر اصلی اسلام کو تلاش کریں ہم فریب خوردہ ہیں اور ہم شاہبازی سے بے خبر ہیں۔ اللہ ہمیں جذبہ جہاد اور ایمان و یقین عطا فرمائے۔
وہ فریب خوردہ شاہین کمر ہلا ہو کہ گسوں میں

اسے کیا خبر کہ کیا ہے زہرِ سہم شہبازی (اقبال)

نماز فتح

طبری نے اس فتح کے بعد آٹھ رکعت نماز فتح کا ذکر کیا ہے کہ تمام رکعت ایک ہی سلام سے ادا کی گئیں یہ نماز شکرانہ تھی۔ آٹھ رکعت والی بات عجیب لگی ہوگی ہماری بد قسمتی یہ ہے کہ ہم نے نماز کے فلسفہ کو سمجھنے کی کوشش کی نہیں۔ حضور پاک نے فتح مکہ کے وقت خانہ کعبہ میں نماز پڑھی اور بعض روایات کے مطابق تکبیریں کھین۔ مدائن کی فتح کے بعد جناب سعد بن ابی وقاص نے بھی نماز فتح ادا کی جس کا ذکر آئے گا۔ نماز باجماعت ادا کی گئی کیونکہ قرآن اولیٰ کے مسلمان نماز باجماعت کے سوا باقی تمام نمازوں کو صرف عبادت کا نام دیتے تھے اور مجبوری کی حالت میں ایسا کرتے تھے ورنہ نماز قائم توتب ہوتی ہے جب باجماعت پڑھی جائے۔

اے۔ جلال مصطفیٰ کے صفحہ ۱۵، اور ۱۶ سے استفادہ کریں۔

فتح حیرہ

مسلمان سب کچھ اللہ کے لئے کرتا ہے اور خالد کو جو زندہ داری سوچی گئی تھی وہ حیرہ پر قبضہ کے بعد ختم ہو جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس باب کو فتح حیرہ کا نام دیا گیا ہے جیسے جلال مصطفیٰ میں صرف ایک باب کو اہل حق کی فتح کا نام دیا گیا تھا اور وہ فتح مکہ ہے۔ ہر لڑائی کو اسلام نے فتح کا نام نہیں دیا اور حکمتِ عملی کے مبصروں نے یہ پہلو اب آکر سمجھا ہے کہ کئی لڑائیاں مل کر کوئی فتح ہو سکتی ہے فتح مقصد حاصل کرنے کے بعد ہوتی ہے اور جو کام کسی کو سونپا جائے اس کو مکمل کرنے کے بعد ہی فتح کا تصور کیا جاسکتا ہے۔ فتح کے بعد اللہ کا دربار میں عاجزی کی جاتی ہے اور اسلام جشن منانے کی اجازت نہیں دیتا۔ اگر ایسا ہوتا تو حضور پاکؐ بھی فتح مکہ کے وقت جشن مناتے یا مسلمان بھی کسی فتح کے بعد تو جشن مناتے۔ بات یہ ہے کہ مسلمان کچھ حاصل کر کے عاجزی کے ساتھ اللہ کے دربار میں جھک جاتا ہے اور شکر ادا کرتا ہے۔ اگر ہم بھی شکر کرنے کے سجدے پر قائم رہتے اور اس کے فلسفہ کو سمجھنے کی کوشش کرتے تو ہماری آج یہ حالت نہ ہوتی

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے

ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات (اقبال)

مسلمانوں کے ذمیوں کے ساتھ معاہدے

ہم اللہ کی تلوار اور مسلمان بجا ہڈوں کی خدمت میں پھر حاضر ہوتے ہیں۔ وہ حیرہ کے لوگوں کے ساتھ معاہدے کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کے سب معاہدوں کے الفاظ ایک جیسے ہوتے ہیں۔ ان کی بنیاد ان تین شرطوں پر ہوتی ہے۔ اسلام، جزیہ یا تلوار۔ اول یہ کہ آئیے آپس میں بھائی بھائی بن جائیں اور بین الاقوامی دنیا جس وحدت کی آج تلاش میں ہے۔ ہمارے آقاؐ اس طرز تمدن اور فلسفہ کی نشاندہی آج سے چودہ سو سال پہلے فرما چکے ہیں۔ دوم اگر یہ منظور نہیں تو ٹیکس ادا کر دو تمہارے اوپر حکومت کا بندوبست کیا جائے اور آج دنیا کی سب حکومتیں اپنی رعایا سے ٹیکس لے رہی ہیں۔ مسلمان اللہ کے احکام جاری کرنے کے لئے ذمیوں سے جزیہ (ٹیکس) لیتے تھے اور اس بدلے میں ان کی حفاظت کی ذمہ داری

لیتے تھے اس بنیادی وضاحت کے بعد آئندہ بھی جہاں معاہدہ کا ذکر آئے وہاں پر ان بنیادی باتوں کو ذہن میں رکھیں اور تواتر آخری شرط ہے۔

اردگرد کی صفائی

ہاں البتہ ان حالات میں صفائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ صفائی دور دور تک کرنی پڑتی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اپنے اردگرد صاف ستھرا ماحول ہو اور اس صفائی کی تفصیل یہ ہے۔ جناب شیخ، قعقاع، بسر بن ابی رحم، عتبہ بن النہاس اور تمیموں ضرار جن کا ذکر ابھی ہو چکا ہے کے ماتحت سات لشکر مقرر کئے گئے جناب خالدؓ نے ربیع الاول ۱۲ ہجری میں حیرہ فتح کیا تھا اور دو ماہ سے بھی کم عرصہ یعنی ربیع الثانی کے آخر تک ان مجاہدین نے دریائے فرات اور دجلہ کے درمیان والا سارا علاقہ فتح کر لیا تھا۔ ان امراء کا اپنا قیام آگے والی چوکیوں میں ہوتا تھا لیکن ان کے لشکر کئی متحرک دستوں میں بٹے ہوئے تھے اور جگہ جگہ اللہ اور اللہ کے رسول کا نام بلند کرتے پھرتے تھے اور عراق کی سر زمین کلمہ شہادت کی صدا سے گونج رہی تھی۔

رسول انٹظامیہ

حیرہ کے گرد نواح اور فوجی چوکیوں کے نچلے اور درمیانے علاقہ میں جناب خالدؓ نے جگہ جگہ عامل مقرر فرمائے۔ حضرت سوید بن مسروقؓ کو عتقر بھیجا جو اب بھی ان کی نسبت سے سوید عتقر کے نام سے مشہور ہے۔ عبداللہ بن دثیمہ کو فلاج کا عامل مقرر فرمایا اور عظیم صحابی جریر بن عبداللہ بھیلہ کو بالقیہ اور باسما پر مقرر فرمایا۔ اط بن ابی اظ کو روزستان کے علاقہ میں بھیجا گیا انہوں نے ایک نہر کو اپنا مستقر بنا لیا جو آج تک نہر اظ کہلاتی ہے۔

جناب خالدؓ کا اہل فارس کے نام پیغام

مفتوحہ علاقہ اور اردگرد کی صفائی کے بعد جناب خالدؓ نے اہل فارس کے امرائے حکومت اور متعدد قبائل کے سرداروں کو خط لکھے۔ ان تمام خطوط کا بنیادی مضمون وہی تھا جو ہم بیان کر چکے ہیں

دینِ فطرت میں اصول وہی رہتے ہیں۔ خالدؓ نے سب کو اسلام کی دعوت دی اور بھائی بھائی بننے کے فلسفہ کی وضاحت کی اگر یہ بھی منظور نہیں تو ہماری عملداری میں آجاؤ۔ ہم ان علاقوں میں اپنے خالق کے احکام کو جاری و ساری کریں گے اور یہ بھی منظور نہیں تو تیار ہو جاؤ۔ ہم آپ کے سامنے ایسی قوم لے آئے ہیں جو موت کے ساتھ اتنی محبت کرتی ہے جتنی تم لوگ زندگی سے محبت کرتے ہو۔ خطوں میں ایک دو الفاظ کا فرق ہو سکتا ہے۔ خط بکھتے وقت انسان کے اُس وقت کے مزاج کے مطابق لفظ نکلتے ہیں جن میں گاہے بگا ہے تبدیلی آتی رہتی ہے لیکن مسلمان کے اصولوں اور عقائد میں تبدیلی نہیں آتی اس لئے ہر خط کے مضمون کو دہرا کر ہمارا مقصد کتاب میں چند صفحات کا اضافہ کرنا نہیں۔ ہماری دلچسپی تو بامقصد تحریر سے ہے۔

نتائج و اسباق

پہلے یمانہ کے صحرا سے نکل کر نباج ہوتے ہوئے حضرت پہنچ کر پھر حضرت اور کاظم کے درمیان "تبادل" یا "متوازی" کوچ کیا پھر ایک اچانک بھٹا کاظم کے مقام پر اس طرح مارا کہ پہلے ہی دار میں باطل تہس نہس ہو گیا پھر صحرا سے آگے بڑھتے ہوئے دریا پر ایسے ٹھوک ماری کہ شنی اور نزار کے مقامات پر ذوقِ خدائی والوں کا بول بالا ہو گیا۔ پھر صحرا کو دوست بنا کر دریا کے ساتھ متحرک رہے اور دلچہ کے مقام پر حرکت کا گھیرا بنا کر دنیا کے سامنے جنگ کی تدبیرات کا ایک نیا طریقہ کار پیش کیا جو آج تک رائج ہے اور رائج رہے گا۔ رہی یہی کسرا لیس کے مقام پر نکال دی جہاں "خون کی ندیاں" بہہ گئیں لیکن غلطی دشمن کی تھی اپنی برتر تعداد کی وجہ سے کھانے میں مشغول یا لنگر پر "کوکوں" تھے۔ فتح تو اس دن حاصل ہو گئی تھی لیکن دریاؤں کے دل چیر کر حیرہ پہنچنا تھا اور دنیا کے دوسرے عظیم تر سپہ سالار اعظم اور جنگ کے ماہر جناب صدیق اکبرؓ کی حکمت عملی کے کئی مرحلوں میں سے "ایک مرحلہ" کو مثبت کاروائیوں سے پورا کر کے نماز شکرانہ یا نماز فتح بھی ادا کر چکے تھے۔

۲۔ اہل حق کا تافلہ رواں دواں تھا اور "صفائی کی ہمت" بھی شروع کر دی تھیں لیکن جناب خالدؓ نے اپنا ہیڈ کوارٹر حیرہ ہی میں رکھا۔ دریاؤں کے درمیان والے زرخیز علاقہ میں کیوں پیش قدمی نہ کی۔

مدائن پر کیوں حملہ آور نہ ہوتے۔ دریائی علاقوں میں اپنی کارروائیوں کو صرف متحرک رکھا لیکن علاقوں پر قبضہ نہ کیا۔ یہ خلیفہ اولؓ کی حکمت عملی کے راز تھے۔ اُس وقت تک مسلمان سب کارروائیاں اپنے ”دوست صحرا“ کی مدد کی آڑ میں کرنا چاہتے تھے۔ اُن کا مقصد اسلام پھیلانا تھا۔ وہ علاقے فتح کر کے دولت نہیں سمیٹنا چاہتے تھے۔ وہ مال غنیمت سے مکہ یا مدینہ میں محل تعمیر نہ کر دانا چاہتے تھے وہ وہاں پر ایسے Caste نہیں بنانا چاہتے تھے جیسے اہل یورپ نے دنیا کو لوٹ کر وہاں بنوائے ہیں۔ خلیفہ چہارم کے زمانے تک مسجد نبوی بھی کچی تھی اور وہی کھجور کی پھت تھی ہاں کچھ وسعت ہو گئی تھی۔

۳۔ یہ نیکے سمجھتے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اہل اسلام میں جنگ کا مقصد زرخیز زمین اور علاقوں پر قبضہ نہیں ہوتا۔ ایسا کیا بھی جائے تو وہ وقتی حکمت عملی کے تحت ہوتا ہے۔ ابلہ کی مثال دی جا چکی ہے۔ سارا مقصد اسلام کو پھیلانے کی حکمت عملی میں پنہاں تھا۔ اسی زمانے میں اسلام کی فوجیں شام و فلسطین کی سرحدوں پر بھی جمع ہو رہی تھیں اور خلیفہ وقت کی حکمت عملی ہی تھی کہ خاندان حیرہ سے آگے بڑھ کر انبار عین النمر، دومتہ الجندل وغیرہ کی طرف اُن علاقوں میں اللہ اور رسولؐ کا نام بلند کریں تاکہ دونوں انوار ایک دوسرے کی مدد کر سکیں اور اگلے بابوں میں انہی کارروائیوں کے مختصر ذکر ہوں گے اور نقشہ ہشتم کا ساتھ مطالعہ کرتے رہنا۔

۴۔ باطل کے فلسفہ والوں کے پاس فتح کا کوئی اختتامی مقام نہیں ہوتا اور آج تک اہل مغرب کے جنگی ماہر اور مبصر اس بھنور سے نہیں نکل سکے لیکن دینِ فطرت کی بامقصد جنگ کے ذریعہ اہل حق کا قافلہ رواں دواں ہے اور نتائج کے اثرات اور اثرات کے نتائج پر کارروائی کی جاتی ہے یا کارروائی کو آگے بڑھایا جاتا ہے اس لئے نتائج کو محدود نہیں کیا جاسکتا اور اہل بصیرت پیدا ہوتے رہیں گے۔ اور نتائج میں اضافے کرتے رہیں گے اور یہی حالت اسباق کی ہے۔

۱۔ حیرہ کی فتح اور تمام ہم کی کامیابی سے ہمیں متعدد سبق ملتے ہیں جن کی نشاندہی ساتھ ہی ساتھ کی جاتی رہی ہے لیکن آپ لوگ فوجوں کی تعداد اور مسلمانوں کے ہتھیاروں پر نظر ڈالیں آگے اس کا دشمن کی تعداد اور ہتھیاروں سے موازنہ کریں اور پھر جائزہ لیں مانا کہ ایران کی حکومت زوال پذیر تھی لیکن فوج میں اُس وقت تک کچھ نہ کچھ قریبی خوبیاں موجود تھیں۔ انہوں نے لڑائی بھر پور طریقہ سے کی اور اگر مرنے والوں کی تعداد کو ذہن میں رکھا جائے تو یاد رکھیں کہ لڑائی میں مرتادہ ہے جو لڑتا ہے اور اس میں ہمارے لئے سبق ہیں

ب۔ اس سبق کی تفصیل میں جائیں کہ بھاری بھر کم ایرانی فوج جو خوب لڑی اور تعداد میں بھی برتر تھی وہ کم طاقت اور نہتے مسلمانوں سے شکست کیوں کھا گئی جو اب اپنے دل میں تلاش کریں۔ موٹی موٹی دجڑہات یہ ہیں مسلمانوں کا اپنے فلسفہ حیات پر عمل، بہتر حکمت عملی، بہتر تدبیرات، بہتر سلیقہ، بہتر مزاج اور بالمشافہہ جنگ ہے۔

ج۔ ہم اس سے کیا سبق لیکھ سکتے ہیں یہ وسیع مضمون ہے۔ بنیاد البتہ موجود ہے کہ پوری قوم کو اللہ کی فوج بنانا ہوگا۔

”عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث

مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے“ (اقبال)

بارہواں باب

انبار، کلوازی اور عین التمر کے واقعات

پچھلے باب میں حیرہ کی فتح کے نتیجے کے طور پر بیان کر دیا گیا ہے کہ ایرانی فوج شکست کھا چکی تھی۔ مسلمانوں نے مدائن کا رخ نہ کیا کہ ان کی حکمت عملی کے لحاظ سے اس کا وقت نہ آیا تھا اور خلیفہ اول کے احکام سے اس حکمت عملی کی نشاندہی ہوتی ہے تو قدرتی بات ہے کہ جناب خالدؓ نے اب شمال کا رخ کیا۔ دریائے فرات کے عرب والی طرف دشمن کو چوکیوں کو ختم کرنا تھا اور فرات کے دوسری طرف اگر کوئی اہم مقام ہو تو اس پر بھی قبضہ کرنا تھا۔

جناب خالدؓ کی تجویز

نقشہ ہشتم کو غور سے دیکھیں تو متعدد شہر دریائے فرات کے مغرب کی طرف نظر آ رہے ہیں ان میں نزدیک ترین عین التمر ہے۔ باقی چھوٹی چھوٹی چوکیاں ہیں۔ حصید، خنافس اور ذومیل وغیرہ۔ ذرا در انبار ہے اور دریا کے مشرقی کنارے پر واقع ہے۔ جناب خالدؓ کی جنگ کی تدبیرات میں ان کا اپنا طریقہ ہوتا تھا۔ نزدیک سے عین التمر کے مقام سے دشمن کو ”ادھیڑنے“ کی بجائے جناب خالدؓ نے در انبار جا کر دشمن کو اکھیڑنے کا فیصلہ کیا۔ ایسی کارروائی کے لئے انگریزی میں بھی اصطلاحیں ہیں کہ ROLL... FORWARD یا ایک طرف سو دشمن کو ”رول“ کرنا یا ”ٹرننگ“ وغیرہ لیکن ہم نے جو اردو کی اصطلاحیں استعمال کی ہیں۔ نقشہ کو دیکھ کر آپ ان فوجی اصطلاحوں کے وسیع تر معانی میں بھی جاسکتے ہیں

طریق کار کی افادیت

انبار کو پہلا ہدف بنانے میں بڑے فائدے تھے اور حالات ایسے تھے کہ ”اکھیڑنے“ کی کارروائی کی جاسکتی تھی ورنہ عام حالات میں ”ادھیڑنا“ ہی بہتر رہتا ہے جس طرح جناب خالدؓ نے شنی سے آگے

حیرہ تک کاژدانی کی اُسے ادھیڑنا کہیں گے۔ انبار اُس زمانے میں تجارتی مرکز تھا۔ شام اور ایران کے دور دور علاقوں سے تجارتی قافلے وہاں آتے تھے۔ اور اُس جگہ پر قبضہ کرنے کے بعد دریائے فرات کے مغرب میں ایرانیوں کے لئے فوجی چوکیاں قائم کرنا مشکل ہو جاتا تھا اور ایسے ہی ہوا علاوہ انبار دریا سے دور بھی نہ تھا اور جناب خالدؓ اپنے آپ کو دریائی جنگ میں الجھا رہے تھے۔ دیکھنا علاوہ تھا۔ کسی جگہ سے دریا کو پار کر کے انبار کی کسی طرف سے حملہ آور ہو سکتے تھے۔

انبار کی طرف پیش قدمی

جناب خالدؓ نے کچھ فوج کو حیرہ میں رکھا اور جناب قعقاعؓ کو وہاں پر اپنا جانشین چھوڑا مشرق میں گشتی دستے پھیلے ہوئے تھے اور مدائن تک ایرانیوں کی تمام کارروائیوں پر حضرت منیٰؓ نظر رکھے ہوتے تھے۔ جناب خالدؓ نے دریا کے ساتھ پیش قدمی جاری رکھی۔ جون کاہینہ تھا۔ اور اسلامی کیلنڈر کے حساب سے ربیع الثانی ۱۲ ہجری تک کے درمیان کی کوئی تاریخ تھی۔ ایسے موسم میں ریگستان میں سفر کرنا مشکل ہوتا ہے۔ دریا سہارا ہے رہا تھا اور اپنا دوست ریگستان بھی ساتھ بائیں بازو پر موجود تھا۔ انہوں نے انبار سے تھوڑے فاصلہ پر نیچے دریا کو عبور کیا۔ فوج کی تعداد کوئی نو ہزار کے قریب ہوگی اور اتنی ہی فوج حیرہ اور باقی چوکیوں پر چھوڑ دی گئی تھی۔ دریا کو عبور کرنے کے بعد جب وہ انبار سے ایک دن کی منزل پر تھے تو کئی اونٹنیوں نے بچے دے دیتے۔ اقرع بن جابس جو ہراول دستوں کے کمانڈر تھے وہ وقت ضائع نہ کرنا چاہتے تھے۔ آپ نے حکم دیا کہ اونٹنیوں کے بچوں کو اونٹوں پر لاد دیا جائے اور اپنا سفر جاری رکھا جائے۔ اہل انبار نے جب دور سے یہ نظارہ دیکھا تو وہ سکتے تیس آگئے۔

انبار کے حالات

انبار میں ایران کی طرف سے فوجی گورنر سباط کار تیس شیرزاد تھا۔ مؤرخین کہتے ہیں کہ وہ بڑا عقلمند معزز اور ہردلعزیز آدمی تھا اور دانائی میں مشہور تھا۔ اُس نے جب یہ نظارہ دیکھا تو پہلے ہی کہہ دیا کہ اس طرح کی کارروائی وہ لوگ کرتے ہیں جو جان کی بازی لگا کر آتے ہیں لہذا وہ پہلے ہی صلح پر تیار

ہو گیا۔ خالدؓ جب انبار کے نزدیک پہنچے اور دیکھ بھال کی تو وہاں پر ان کو صرف ایک رکاوٹ نظر آئی اور وہ ایک ایسی خندق تھی جو قلعہ کے چاروں طرف کھودی گئی تھی اور اس میں پانی بھرا ہوا تھا۔ ہم اس کو کھائی کہیں گے۔ پرانے زمانے میں دریا کے نزدیک کے مقامات کا دفاع اسی طرح ہوتا تھا۔

جنگ سے نابلد لوگ

جناب خالدؓ نے انبار کے چاروں طرف چکر لگایا اور اپنے لشکریوں کو آگاہ کیا کہ انبار کے لوگ جنگ سے بالکل نابلد نظر آ رہے تھے۔ ظاہر ہے جناب خالدؓ جیسے جنگی ماہر ایک نظر میں سب کچھ بھانپ گئے۔ اس شہر کا حد دربعہ اور محل وقوع ایسا تھا کہ عرصہ سے متحارب گروہوں یا فوجوں کے لئے اس میں کوئی کشش موجود نہ تھی کہ مقناطیس کی طرح فوجوں کو اپنی طرف کھینچتا رہتا اور وہاں لوگ گھم گھما ہوتے رہتے یعنی عراق اور شام کی سرحدوں کا یہ علاقہ سوزر لینڈ کی طرح تھا۔ یا پاک ہند برصغیر کا کشمیر اس شہر کے لوگ قلعہ کی دیواروں پر چڑھ کر اسلامی لشکر کو اس طرح دیکھ رہے تھے جس طرح کوئی بارات کو دیکھتا ہے۔ جناب خالدؓ نے ایک ہزار تیر اندازوں کو ترتیب دیا اور ہر آدمی کے لئے ایک ہدف مقرر کیا اور حکم ملا کہ "فائر بانی آرڈر" ہو گا اور شہست دشمن کی آنکھ پر ہوگی۔ جناب خالدؓ نے اشارے مقرر کئے اور ایک ہی اشارے کے ساتھ ایک ہزار تیر اکٹھے نکلے جن میں سے زیادہ تر نشانے پر بیٹھے اور انبار کے سینکڑوں آدمی ایک آنکھ سے ہاتھ دھو بیٹھے اور یہ جنگ اسی وجہ سے "ذات العیون" کے نام سے بھی مشہور ہے لوگ جلدی سے قلعہ کی اوپر والی دیوار سے نیچے اترے۔ شیرزاد نے یہ حالات دیکھ کر صلح کی درخواست کی لیکن شرائط چونکہ مسلمانوں کے اصولوں پر پوری نہ اترتی تھیں اس لئے جناب خالدؓ نے نامنظور کر دیں

مذبحہ جانوروں کا پل

بہر حال قلعہ کو سر کرنے سے پہلے کھائی یا خندق کو پار کرنا ضروری تھی۔ مسلمانوں میں تیراک بھی کم تھے اور کشتیاں بھی موجود نہ تھیں۔ جناب خالدؓ نے کمزور اور بوڑھے ادنیوں کو ذبح کر کے خندق کی ایک تنگ جگہ میں پھینک دیا اور مسلمانوں نے کھائی کو پار کر لیا جو دشمن سامنے آتا تھا وہ مولی گاڑ کی طرح کٹ جاتا تھا کیونکہ لوگ لڑائی کے فن سے پورے طور پر واقف نہ تھے۔ شیرزاد نے پھر درخواست

کی کہ چند سواروں کیساتھ بغیر کسی سامان کے اُس کو قلعہ سے نکل کر مدائن جانے کی اجازت دیجئے
شیرزاد برائے نام "شیر کا بچہ" تھا۔ اُس کے پاس دانائی تو تھی "توانائی" نہ تھی۔ جناب خالدؓ نے اُس کو
قلعہ سے نکل کر مدائن جانے کی اجازت دے دی۔ اس میں حکمت عملی کی بات یہ تھی کہ مدائن میں خوف
وہراس پیدا ہو گا اور بغیر لڑائی کے انبار خالی ہو جائے گا۔ شیرزاد جب بہمن کے پاس پہنچا تو اُس نے
اُس کی سخت بے عزتی کی لیکن بہمن خود مسلمانوں کے ساتھ جنگ سے کترار ہا تھا۔ اس لئے شیرزاد کو بھی
جواب دینے کی ہمت ہو گئی پھر اُس کے پاس بہانہ بھی تھا کہ انبار کے لوگ لڑاکے نہ تھے۔

صلح کا عہد نامہ

انبار کے تمام قبائل نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اہل کلوازی، اہل بوازینخ اور باتقیا کے نزدیک والے
علاقوں کے لوگوں نے مسلمانوں کے ساتھ صلح کر لی بلکہ اہل بالقیا اور اہل بوازینخ تو مسلمانوں سے تین
مناظر ہوئے کہ بعد میں جب مسلمانوں کو یہ علاقے خالی کرنا پڑے تو پھر بھی یہ لوگ وقادار رہے۔ اہل
سواد کے جو علاقے ادھر نزدیک تھے وہاں کے لوگوں نے بھی مسلمانوں کو خراج دینا منظور کیا۔

عین التمر

جناب خالدؓ نے انبار کے علاقے پر جناب زبرقان بن بدر کو ناظم مقرر کیا اور پھر واپس کوچ
کیا اور دریائے فرات کو عبور کر کے کچھ عرصہ کے لئے دریا کے کنارے کے ساتھ ساتھ چلتے رہے جب
عین التمر کے سامنے آئے تو پھر اپنا رخ ادھر پھیر دیا وہاں کا ایرانی فوجی گورنر ہران بن بہرام تھا
اور فرات کے مغرب کی طرف یہ آخری بڑی چوکی تھی جہاں ایرانی فوج تھی اور خالدؓ اس کو "اکھیرٹنے"
کے لئے رواں دواں تھے وہاں کئی عرب قبائل تغلب، نمبر اور ایاد وغیرہ آباد تھے جن کا سردار عقبہ بن
الباقر تھا جو کافی بہادر آدمی تھا۔ وہ ہران سے کہنے لگا کہ مسلمانوں کا تعلق عرب قبائل سے ہے اور عقبہ
کے عرب قبیلے مسلمانوں کے طریقہ جنگ کو جانتے ہیں اور ایرانی نہیں جانتے اس لئے عربوں کو اجازت دی جائے
کہ وہ مسلمانوں سے پیٹ لیں۔

ہران بڑا خوش ہوا اور عقبہ کی دلجوئی کی گو اُس کے باقی ساتھی حیران تھے۔ ہران نے البتہ اپنے لوگوں

کو بتایا کہ اگر عتق کامیاب ہو گیا تو وہ ایران کی کامیابی ہے اور اگر ہار بھی گیا تو مسلمانوں کا کچھ نہ کچھ تو نقصان کرے گا اور بعد میں ایرانی فوج آسانی سے مسلمانوں کا مقابلہ کرے گی۔ یہ تجزیہ اصولی طور پر غلط ہے۔ بقول کلاسوٹز ایسا کرنا چیتھڑوں سے تلوار کا کام لینا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہیران ذہنی طور پر شکست کھا چکا تھا۔ جناب خالدؓ کی حیرانی کی کوئی حد نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ عین التمر سے ایک دن کی منزل پر ان کے مقابلہ کے لئے صرف عرب قبائل صف آرا ہیں اور کوئی ایرانی نظر نہیں آ رہا تھا

عتق کی گرفتاری

جناب خالدؓ نے اندازہ لگایا کہ ایرانی جنگ سے کترار ہے ہیں یا بھاگ چکے تھے اور عرب قبائل کو قربانی کا بکرا بنایا گیا ہے۔ اس لئے جناب خالدؓ نے صف بندی کا حکم دے دیا اور احکام یہ دیئے کہ دشمن پر حملہ کرنے کی بجائے اس کے حملہ کو صرف رد کے رکھیں لیکن درمیان جہاں خالدؓ خود تھے وہاں کچھ ویچے بھی ہٹے یا خاموشی سے وار سہتے رہے۔ عتق حیران تھا کہ کیسی جنگ ہے لیکن اس کی حیرانی جلدی ختم ہو گئی کہ خالدؓ نے چند محاذوں کے ساتھ ایک جھپٹا مارا اور عتق کو گرفتار کر لیا اور پھر بازوؤں والی فوج نے زبردست حملہ کر دیا۔ عرب قبائل اپنے بازوؤں والے سرداروں سمیت جو بجب اور ہذیل تھے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گئے۔ ہیران نے جب یہ خبر سنی تو وہ عین التمر سے فرار ہو گیا اور کسی طرح بچ بچا کر مدائن پہنچ گیا۔

عین التمر پر قبضہ

عین التمر کے لفظی معنی کھجوروں کی آنکھ یا چشمہ ہے۔ عین التمر ریگستانی علاقہ میں واقع ہے اور نخلستان کی وجہ سے یہاں پر آبادی ہے خانہ بدوش اس جگہ آکر اپنے جانوروں کو پانی پلاتے تھے اس علاقہ کے عرب قبائل جنگجو ضرور تھے لیکن دنیا جہاں سے زیادہ واقف نہ تھے اور نہ ہی وہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے کتنا عروج دے دیا تھا۔

وہ لوگ بڑی جنگوں سے ناواقف تھے ان کے خیال میں جنگ بھی ایک قبائل کی دوسرے کے خلاف چڑھلاؤ اور لوٹ مار تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ جناب خالدؓ بھی لوٹ مار کر کے چلے جائیں گے اس لئے وہ قلعہ بند ہو گئے۔ لیکن جنگ نے طول پکڑا اور جب انہوں نے اپنے مغرور سردار عتق اور باقی لوگوں کو مسلمانوں کے قبضہ میں

پایہ نہ خیر دیکھا تو وہ گھبرا گئے اور صلح پر تیار ہو گئے اور مسلمانوں کی شرائط پر صلح کر لی ہاں البتہ عتق اور اس کے ساتھی صلح سے پہلے تہ تیغ ہو چکے تھے۔

عین التمر کے پادری

عین التمر کے اندر پادریوں کی ایک بند قسم کی خانقاہ یا درسگاہ تھی جس میں چھوٹے چھوٹے تفسیراً چالیس بچے ایک طرح کی قید کی زندگی گزار رہے تھے ان کو خرید کر لایا جاتا تھا اور زبردستی پادری بنایا جاتا تھا ان لڑکوں کا تعلق مختلف عرب قبائل سے تھا اور یہ سب ذہین لڑکے تھے جن کو چن چن کر خریدا گیا تھا جناب خالدؓ نے ان بچوں کو آزاد کر دیا اور مختلف مسلمان امراء نے ان بچوں کی پرورش اپنے ذمہ لے لی۔ یہ تمام بچے از خود یا بعد میں ان کی اولاد سے کئی عظیم الشان مسلمان ہو گزرے ہیں انہی میں ایک بچہ نصیر تھا جن کے بیٹے موسیٰ نے جناب طارق بن زیاد کے ساتھ بل کر اور ان کے اعلیٰ مشیر کی حیثیت سے سپین کو فتح کیا جن عظیم صحابہ یا اہل لشکر نے ان بچوں کی پرورش کی ان میں خلیفہ سوم جناب عثمان بن عفان، حضرت شریک بن حسد اور حضرت معنی بن عمارت شامل تھے۔ حضرت بشر جیل کا ذکر جنگ یمامہ میں ہو چکا ہے اور حضرت معنی بن جناب شریک کے چھوٹے بھائی تھے۔

نتائج و اسباق

جناب خالدؓ کی یہ دونوں جنگیں لڑائیاں کم ہیں اور حربی مظاہرے زیادہ ہیں یہ کارروائیاں از خود حیرہ اور اسیس کی جنگ کے نتائج کے اثرات کے تحت تھیں ہاں البتہ ایک نتیجہ جو نکلا وہ یہ تھا کہ ایرانی فوج کا کوئی بڑا دستہ اب دریائے فرات کے مغربی یا جنوب مغربی کنارے کے کسی شہر میں باقی نہ رہا اور دوسرا بڑا نتیجہ یہ تھا کہ وہ حکمت عملی جو جناب صدیق اکبرؓ نے تعین فرمائی تھی پوری ہوئی تھی اسلام کا فاتح لشکر عراق کو فتح کرنے کے بعد شام و فلسطین کو فتح کرنے والے لشکر کی مدد کے لئے ان علاقوں کے اور نزدیک پہنچ گیا تھا۔

۲۔ جہاں تک اسباق کا تعلق ہے وہاں قدم قدم پر سبق ہیں اسلام غیرت کی زندگی گزارنے کا دوسرا نام ہے ذرا اپنے بارے سوچیں کہ منہ سے تو ہم اپنے آپ کو اللہ کے حبیب کا غلام کہتے ہیں اور دراصل

شمال



نقشہ ہشتم۔ حیرہ کی فتح کے بعد خالد

کی اہم کارروائیاں اور مشہور مقامات
جہاں لڑائیاں ہوئیں۔

شیراز
رومی اور
ایرانی لشکر
خالد

مضیح
ہذیل
مہواذن

رہ خالد
رہ تثنیٰ
رہ ربیعہ

عتاب
اور
بشر خالد
ہذیل

مہواذن
عروہ
حنافس
ذرمہر
ابولیلی

انبار
شیرزاد
خالد

نخالد الرضاب
ہلال

ذرمہر
آذابہ
حصید
قعاغ
اعبد

عین التمر
عقہ
مہران
خالد

دریائے
فترات

وضاحت

- ۱۔ دشمن کے سپہ سالاروں کے نام کے نیچے لکیر ہے۔
- ۲۔ وہ شہر جہاں لڑائی ہوئی۔

رہ خالد
رہ قعاغ
حیرہ

سکیل ۱/۱ RF

غلامی باطل فلسفوں اور باطل حکمرانوں کی کر رہے ہوتے ہیں اور کبھی ہتھیاروں کا بہانہ بنا کر غیروں کی آغوش میں جاتے ہیں اور کبھی سائنس اور ٹیکنالوجی کا بہانہ بنا کر غیروں کی غلامی میں چلے جاتے ہیں۔ فدا سوچیں کہ جناب خالدؓ کے پاس کون سے ہتھیار تھے اور قلعوں کو سر کرنے کے لئے کون سے Siege Equipment تھے لیکن وہ ہمیشہ کامیاب رہے اللہ اپنے بندوں کی اسی طرح مدد کرتا ہے۔

۳۔ گرمیوں کا موسم تھا تو دریا کے ساتھ والا راستہ اختیار کر کے پہلے دور والے مقصود کو حاصل کیا پھر جب راستے سے واقفیت ہو گئی تو لوق و دوق صحرا کے سختان عین التمر پہنچے اور اس کو بھی سر کیا۔ پانی والی خندق یا کھائی پار کرنا پڑی تو کشتیوں کی بجائے مذبوہ اونٹوں کو استعمال کیا جنگ سے نابلد آدمیوں کے ساتھ واسطہ پڑا تو ایک ہی وار سے کئی آدمی ناکارہ کر دیئے۔ ”فائر بانی آرڈر“ یعنی فائر میسرے حکم پر ہو گا یا اشارہ پر ہو گا۔ فوجی تدبیرات اور ہنر کا ایک اعلیٰ اصول ہے جس کے صحیح استعمال سے حیران کن کارروائی کی گئی۔

۴۔ ہمارا مدعا تاریخ کا با مقصد مطالعہ ہے بد قسمتی سے ہم نے غیروں کی نقالی میں تاریخ برائے تاریخ پڑھنا شروع کر دی۔ غیروں کے باطل تمدن اور آثار قدیمہ کی پوجا شروع کر دی ہے۔ اپنی تاریخ کو غیروں کی عینک سے دیکھنا شروع کر دیا ہے۔ اہل اسلام نہ تو کسی مقامیت کے قائل ہیں اور نہ ملکوں یا جغرافیہ کے چکر میں پڑتے ہیں۔ داہل حق کا کارواں ہے جو صراطِ مستقیم پر گامزن رہتا ہے۔

” تو ابھی رہگذر میں ہے قیدِ مقام سے گزر

مصر و حجاز سے گزر پارس و شام سے گزر (اقبالؑ)

تیرھواں باب

دومتہ الجندل

اسلام کا اجتماعی سورج، شیرب کے مستقر پر اپنی کرنوں کی روشنی ڈال کر اس روشنی سے دنیا کے اندھیرے کو ختم کرنے کی بسم اللہ کرنے کے بعد پہلے ہی چند سالوں میں دومتہ الجندل پر جا کر کئی دفعہ چمکا۔ باطل نے کئی دفعہ اکٹھا ہو کر اہل حق کا مقابلہ کرنا چاہا۔ جلال مصطفیٰ میں دومتہ الجندل کا ذکر کئی بار آیا ہے حضور پاکؐ نے خود پانچ ہجری میں اس طرف ایک ہم کی کمانڈ فرمائی۔ چھ ہجری میں جناب عبدالرحمن بن عوف ایک ہم لے کر دومتہ الجندل تک گئے۔ یہ سب حربی مظاہرے تھے۔ بڑی ہم البتہ تبوک کی ہم تھی۔ حضور پاکؐ نے خالدؓ کو دومتہ الجندل کے سردار اکیڈر کی سرکوبی کے لئے بھیجا اور جناب خالدؓ اس کو گرفتار کر کے لے آئے جو مسلمانوں کا باجگذار بن گیا۔

خلیفہ اول کی کارروائی

حضور پاکؐ کی وفات کے بعد دومتہ الجندل کے اردگرد کئی لوگ باغی یا مرتد ہو گئے تھے اور حضرت اسامہؓ کے لشکر کے حربی مظاہرے سے بھی کئی لوگ بھاگ کر دومتہ الجندل چلے گئے تھے علاقہ بڑا وسیع ہے اور ریگستان ہے دومتہ الجندل کے اردگرد نخلستان ہیں اور لوگ وہاں پٹاؤ کرتے ہیں بارش ہو جائے تو علاقے میں بڑی گھاس آگ آتی ہے اور خانہ بدوش قبائل کے لئے دومتہ الجندل میں ہمیشہ بڑی کشش رہی جناب صدیق اکبرؓ نے گیارہ لشکروں میں چوتھا لشکر جو حضرت عمرو بن عاصؓ کا تھا اس کو دومتہ الجندل کی دیکھ بھال کیلئے بھیجا اور جنگ یا مسکے بعد شرجیلؓ بن حسنہ کو بھی ادھر بھیج دیا لیکن ان کا رخ زیادہ تر تبوک کی طرف رہا۔ وجہ یہ تھی کہ اہل روم مسلمانوں کی عراق کی فتوحات سے باخبر ہوئے تھے اسلئے انہوں نے حفظہ ماتقدم کے طور پر شام و فلسطین کے علاقوں میں اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں ادھر حضرت عمرو بن عاصؓ، حضرت شرجیلؓ اور حضرت خالد بن سعیدؓ، رومیوں کی تاک اور دیکھ بھال میں زیادہ مصروف ہو گئے اس دوران تمام وسط عرب کے باغی قبائل نے دومتہ الجندل کو اپنا گڑھ بنا

لیا اور اکیدر نے تمام قبائل کی سرداری کو قبول کر لیا۔ اور باغی ہو گیا۔

حضرت عیاض بن غنم

دومتہ الجندل ریگستانی علاقوں کا ایک اہم مقام ہے اور مسلمان جو کچھ کرنا چاہتے تھے اُس ساری کارروائی اور حکمتِ عملی کے تحت دومتہ الجندل پر مسلمانوں کے مکمل قبضہ کی بہت ضرورت تھی چنانچہ جناب صدیق اکبر نے حضرت عیاض بن غنم کو دومتہ الجندل پر فوج کشی کا حکم دیا اور لشکر کا ایک دستہ دیا جسکی تعداد چار یا پانچ ہزار تھی یہ اُس وقت کی بات ہے کہ جناب خالدؓ ابھی حیرہ سے کافی دور تھے خلیفہ اول نے جناب عیاض بن غنم کو یہ حکم بھی دیا کہ دومتہ الجندل پر قبضہ کرنے کے بعد وہ آگے بڑھیں اور حیرہ میں جناب خالدؓ سے رابطہ قائم کریں اور اگر خالدؓ سے پہلے حیرہ پہنچ جائیں تو اور بہتر ہے یہ جناب عیاضؓ کی ذمہ داری تھی جس کو ہم THANK کہتے ہیں آگے کیا ہوتا ہے اور جو کچھ ہوا اُس پر بحث سے پہلے یہ بتادینا ضروری ہے کہ یہ ایک مشکل مہم تھی اور حیرہ کے لئے سیدھا راستہ ضرور تھا لیکن کسی بڑے لشکر کا اس راستے کو استعمال کرنا مشکل تھا کہ کفالت اور بحالی کے زیادہ ذرائع راستے میں موجود نہ تھے۔ ویسے دومتہ الجندل کی اہمیت کئی لحاظ سے اہم تھی کیونکہ متعدد خانہ بدرش قبائل کا یہ مرکز تھا اور حیرہ سے آگے عین التمر یا عراقِ دشام کی سرحد پر فراض کے علاقوں اور مدینہ شریف کے سیدھے راستے پر دومتہ الجندل وغیرہ کے گرد و زواح کے علاقوں پر مسلمانوں کا مکمل کنٹرول ہو۔ نقشہ پنجم کو دوبارہ دیکھیں جہاں خلیفہ اول کی حکمتِ عملی کی وضاحت کی گئی ہے تو یہ پہلو اور اچھی طرح سے سمجھ میں آسکے گا۔ حکمتِ عملی کے تحت تو مکمل واقعات کے تجزیہ کی ضرورت ہوتی ہے لیکن جو راوی صرف واقعاتی حالات بیان کر دیتے ہیں وہ معاملات کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتے اُن میں کسی نے یہ سن لیا کہ جناب خالدؓ کو نچلے عراق سے حیرہ پہنچنے کا حکم ملا انہوں نے اپنے پاس سے یہ اضافہ بھی کر دیا کہ جو حیرہ پہلے پہنچ جائے گا وہی سپہ سالارِ اعظم ہوگا۔ دومتہ الجندل والا راستہ فتوحات کیلئے استعمال کے قابل نہ تھا اور آگے جب ایران کی فتوحات کی تیاری ہوئی تو جناب سعدؓ نے ملک کے ساتھ نجا، رزود اور شرف والا راستہ اختیار کیا جو نقشہ ششم پر اور زیادہ واضح ہے اس لئے جن راویوں نے جناب عیاضؓ کو دومتہ الجندل والے راستے حیرہ یا عراق فتح کی غرض سے بھیج دیا یہ اُن کے ذہن کی پختگی کو ظاہر نہیں کرتا ساتویں باب میں اس سلسلہ میں اشارہ کر دیا گیا ہے۔

جناب عیاض کا دومتا الجندل کا محاصرہ

چنانچہ ہم اپنی پرانی رائے پر قائم ہیں کہ جناب عیاضؒ کے پاس نہ اتنا بڑا لشکر تھا اور نہ اللہ کی تلوار والی جنگی تدبیر۔ اس لئے راویوں کے اس اضافے کے سلسلے میں مزید بحث بے معنی اور فضول ہوگی اور واقعات ایسے ہوئے کہ عیاضؒ جب وہاں پہنچے تو انہوں نے دومتا الجندل کا محاصرہ کر لیا لیکن محاصرہ کچھ غیر مکمل تھا یعنی کچھ علاقہ میں مضبوط چوکیاں قائم کی ہوئی تھیں اور کچھ علاقہ کی صرف دیکھ بھال کر سکتے تھے دشمن باہر بھی موجود تھا اور باہر کے علاقہ پر بھی مسلمانوں کا مکمل کنٹرول نہ تھا۔ دومتا الجندل کا کوئی ایک قلعہ نہ تھا یہاں قلعہ جات تھے اور باہر بھی دور دور تک قلعے تھے بلکہ کئی ایسی چوکیاں تھیں جن پر جب حضرت عیاضؒ کا قبضہ ہو جاتا تو بیچ میں باغی قبائل گھس بھی جلتے تھے اور حضرت عیاضؒ کا اپنی چوکیوں کے ساتھ رابطہ ٹوٹ جاتا تھا یا رابطہ قائم رکھنے کے لئے کچھ فوجیے کارروائی کرنا پڑتی تھی۔

مؤرخین نے اس جنگ کے بارے میں لکھا ہے کہ مسلمانوں نے دشمن کا محاصرہ کیا ہوا تھا اور دشمن نے مسلمانوں کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ عام مبصر اس اصطلاح کو سمجھ بھی نہ سکے۔ جنگ میں ایسا بہت کم ہوتا ہے لیکن دوسری جنگِ عظیم میں ہر محاذ پر ایسے واقعات ہوئے اور وہاں اوسان قائم رکھنے پڑتے تھے۔ ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ میں ہماری دو کمپنیوں کا دشمن کے ایک برگائیڈ نے محاصرہ کر لیا لیکن کچھ وقت کے لئے دشمن کی ایک پلٹن کی ایک طرف ہم تھے اور دوسری طرف ہماری کچھ امدادی فوجیں تو اس طرح دشمن کا بھی محاصرہ ہو گیا اگر ہمارے اوپر والے بروقت کارروائی کر لیتے تو دشمن کی ایک پوری پلٹن قید ہو جاتی۔ ایسا تو نہ ہوا لیکن دشمنوں کی لاشوں سے میدانِ جنگ بھر گیا۔

حضرت عیاضؒ کی کارروائی

چنانچہ حالات ظاہر کرتے ہیں کہ حضرت عیاضؒ کی کارروائی بھی بروقت نہ تھی اور انہوں نے خواہ مخواہ اپنے آپ کو الجھا دیا لیکن وہ بہادر انسان تھے اور ہر جگہ سے مسلمانوں کی فتوحات کی خبریں سن رہے تھے اس لئے وہ بھی محاصرہ اٹھا کر کسی ایک طرف چل پڑنے کو تیار نہ تھے کہ مسلمانوں کے نام پر دھبہ لگ جائے گا اس لئے مقابلہ کے لئے ڈٹ گئے۔ اور جنگ طوں کھینچتی گئی۔ اس کے آگے راویوں نے مختلف بیانات دیئے ہیں۔ جن سے

روایات کو ہم زیادہ صحیح سمجھتے ہیں اُن کے مطابق واقعات کچھ اس طرح ہیں کہ حیرہ اور انبار کی فتح کے بعد جناب خالدؓ نے حضرت ولیدؓ بن عقبہ کو مالِ غنیمت کے ساتھ اور قاصد کے طور پر مدینہ بھیجا۔ آپ نے درمیان راستہ اختیار کیا اور گودمنا الجندل کے مقام سے گزرنے کا کوئی ثبوت نہیں لیکن وہاں کہیں نزدیک سے گزرے۔ خلیفہ اول کے پاس دو ممتاز الجندل کے حالات کی خبریں پہنچ رہی تھیں اور جناب ولیدؓ بن عقبہ راستوں سے خوب واقف تھے چنانچہ جناب صدیق اکبرؓ نے ولیدؓ کو ایک دستہ ہتیا کیا کہ وہ دو ممتاز الجندل میں حضرت عیاضؓ کی مدد کریں اور دونوں لشکروں کے درمیان رابطہ پیدا کریں کہ حضرت ولیدؓ کو جناب خالدؓ کے حالات کی بھی واقفیت تھی۔ جناب ولیدؓ جب حضرت عیاضؓ کے پاس پہنچے تو حالات کا مطالعہ کرنے کے بعد ایک تیز رفتار قاصد کے ذریعہ عین التمر والے راستے جناب خالدؓ کے ساتھ رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی اور خلیفہ اول کے اُن احکام سے آگاہ کیا کہ اگر بوسکے تو جناب خالدؓ حضرت عیاضؓ کی مدد کریں۔ قارئین نقشہ پنجم اور ہشتم کی مدد سے جغرافیائی حالات کا مطالعہ کریں تو یہ حالات اور بہتر طور پر سمجھ آجائیں گے۔

خوش قسمتی سے جناب خالدؓ اُس وقت عین التمر کو فتح کر کے وہاں قیام کر رہے تھے تو انہوں نے پھر ایک دفعہ صحرا میں اپنے گھوڑے ڈال دیئے تیرہ میں جناب قعقاعؓ کو دکھا کہ وہ کچھ دن اور غیر حاضر رہیں گے اور جناب قعقاعؓ اہل ایران اور دشمنوں پر نظر رکھیں اور اللہ کی تلوار نے لشکر کا تیسرا حصہ عین التمر میں چھوڑا اور باقی چھ ہزار کے ساتھ وہ روانہ ہو گئے۔

کر سکتا ہے وہ ذرہ مدد نہر کو تاراج
یہ سوزاگر ہو نفسِ سینہ دراج - اقبالؒ

دے دلوں شوقِ جسے لذتِ پرداز
مشکل نہیں یارانِ جن معرکہ باز

جناب خالدؓ کا خط

جناب خالدؓ نے حضرت عیاضؓ کی طرف پہلے ہی قاصد روانہ کر دیا جس کو خط دیا۔ جس میں عربی زبان میں کچھ شعر بھی لکھے ہوئے تھے جو خالدؓ کے اپنے تھے۔ جناب خالدؓ ادیب اور شاعر بھی تھے اُن کے شعروں کا اردو ترجمہ کچھ اس طرح کا ہو سکتا ہے۔

”اے میرے رفیق، تھوڑا انتظار کر لو۔ ہمارے گھوڑے آب کی طرف سرپٹ دوڑ رہے ہیں اور آپکو معلوم ہے کہ ان گھوڑوں کی پیٹھ پر کون سوار ہے یہ وہ مجاہد ہیں جن کے ہاتھوں میں چمکتی تلواں ہیں وہ گروہ دہ گروہ رواں

ددا سے میں۔“

دشمن کا ردِ عمل

البتہ دشمن کو بھی جناب خالدؓ کے اس طرف کی کوچ کی خبر مل گئی تو انہوں نے بھی مدد کے لئے قاصد ددرا دیئے اس کے بعد بنو عنان و بنو کلب کے کئی لوگ ان کی مدد کو پہنچ گئے جس سے حضرت عیاضؓ پر دباؤ بڑھ گیا اور مسلمان دن رات جناب خالدؓ کے لشکر کے بردقت پہنچنے کے لئے دعائیں کر رہے تھے البتہ دشمن بھی ددگرد ہوں میں بٹا ہوا تھا۔ اول اکیدر کی سرداری کے تحت جس کا ذکر ہو چکا ہے اور ددم جو دی بن ربیع کے تحت۔ اکیدر جناب خالدؓ کو جانتا تھا اور اُس کو بہت نہ تھی کہ وہ جناب خالدؓ سے مقابلہ کے بارے کچھ سوچ بھی سکے۔ اُس نے دد سردوں کو بھی سمجھایا کہ ہتھیار ڈال دینے جائیں لیکن جب دد سردوں نے طانت کی گھمنڈ پر اُس کے مشورہ کو ٹھکرا دیا تو اُس نے راہ فرار اختیار کی اگر امان طلب کرتا تو شاید بچ جاتا لیکن اُس کے دن پورے ہو چکے تھے اور حضرت عاصمؓ بن عمرو کے ایک دستہ نے اُس کو گرفتار کر کے جناب خالدؓ کے سامنے پیش کیا۔ اُس کی بغاوت اور غداری ایک سے زیادہ دفعہ تھی جناب خالدؓ نے اُس کو سر اڑا دینے کے احکام صادر کئے۔

جناب خالدؓ نے رومستانہ بندل پہنچ کر دیکھ بھال کر کے حالات کا جائزہ لیا اور لڑائی کی تجویز بنائی۔ انہوں نے جناب عیاضؓ کی فوجوں کو بھی اپنی ماتحتی میں لے لیا کہ کمانڈ کی وحدت جنگ کا ایک ضروری اصول ہے تو جناب خالدؓ نے پورے لشکر کے ساتھ محاصرہ اس طرح کیا کہ جناب عیاضؓ کو جنوب کی طرف کی ذمہ داری سونپی اور باقی تین اطراف میں اپنے ساتھ لائے ہوئے لشکر کو قلعوں سے کافی پیچھے رکھا۔ دشمن کا خیال تھا کہ جناب خالدؓ قلعہ جات کی دیواروں پر حملہ کر کے پہلے دیواروں میں ننگ کر دیں گے اور وہ اس قسم کے دفاع کے لئے تیار ہو رہے تھے لیکن جناب خالدؓ ایک تماشائی کی طرح آرام کر رہے تھے اتنے لمبے سفر کے بعد فوج کا آرام بھی مقصود تھا۔ جو دی نے ننگ آکر ایک لخت قلعہ سے باہر نکل کر دد اطراف میں حماہ کر دیا۔ مقصد یہ تھا کہ جس طرف کامیابی زیادہ ہوگی، اُس راستے سے فرار اختیار کیا جائے گا۔ جنوب میں جناب عیاضؓ نے تو حملہ کو بلد سپا کر دیا لیکن جناب خالدؓ نے حملہ آوردوں کو بڑھنے دیا اور جو دی بھی اُس طرف آگیا۔ جناب خالدؓ نے جھپٹا مارا اور جو دی کو گرفتار کر لیا اور مجاہدین اسلام قلعہ کے دروازہ تک پہنچ گئے۔ قلعہ کے اندر والوں نے دروازے بند کر دیئے اور کافی لوگ باہر رہ گئے اور یہ زیادہ تر جو دی کے قبیڈ کے لوگ تھے اور جو دی سمیت یہ لوگ مسلمانوں کے ہاتھوں مولیٰ کا جو کی طرح کٹ گئے۔

اس کے کچھ دن بعد تک محاصرہ جاری رہا لیکن قلعہ کے اندر حالات بہت خراب ہو گئے تھے اور کچھ دنوں کے بعد قلعہ سر ہو گیا۔ مورخین نے تفصیل نہیں لکھی۔ صرف اتنا لکھا ہے کہ بنو کلب کو کچھ رعایت مل گئی کہ جناب تعقاعؓ اور عاصمؓ کے قبیلہ تمیم کے یہ لوگ پرانے حلیف تھے اور قبیلہ تمیم کے جناب اقرعؓ بھی جناب خالدؓ کے لشکر میں تھے۔ قلعہ کے اندر حالات اتنے خراب ہو گئے کہ محاصرہ ختم ہوا تو لوگوں نے اپنی عورتوں اور لڑکیوں کو بیچنا شروع کر دیا۔ جن لڑکیوں کو نیلام کیا جا رہا تھا ان میں جو دی کی لڑکی بھی تھی اور خوش شکل تھی۔ قیمت کچھ زیادہ تھی تو جناب خالدؓ نے پوری رقم ادا کر کے یہ لڑکی خرید لی۔ اگر خالدؓ نہ خریدتے تو کوئی اور خرید لیتا۔ لڑکی کی قسمت اچھی تھی کہ اللہ کی تلوار کی زوجیت میں آئی۔ اسلام دینِ فطرت ہے اور ایسی باتوں کو بیان کرنے میں شرم کی کوئی بات نہیں ہوتی۔ مسلمان جانوروں کی طرح لوگوں کی عورتوں پر ناجائز قبضہ یا غلط جنسی تعلقات کو گناہِ کبیرہ قرار دیتے ہیں۔

ذاتی مشاہدہ

جنگ میں کیا ہوتا ہے۔ راقم نے بہت کچھ دوسری جنگِ عظیم میں دیکھا کہ کس طرح غیرت مند لوگوں کی عزت پر ہاتھ ڈالا جاتا ہے اگر تمام مشاہدات کا ذکر کروں تو ایک انگ کتاب بن جائے گی۔ دور کیوں جائیے کیا قوم کو معلوم نہیں کہ ۱۹۴۷ء میں آزادی کے وقت کیا ہوا اگر ہم عورتوں اور بچوں کی عزت بچانا چاہتے ہیں تو غیرت مند قوم بننا پڑے گا اور غیرت کے لئے طاقت اور قربانی کی ضرورت ہوتی ہے اور ہمیں اپنے اندر بذبہ جہاد پیدا کرنا ہوگا۔

یہ اعجاز ہے ایک صحرائی کا
بشیری ہے آئینہ دارِ ندیری
اس میں حفاظت ہے انسانیت کی
کہ ہوں ایک جنیدی وارِ دشری اقبالؒ
جناب خالدؓ نے چند دن اور دو مہ الجندل میں قیام کیا اور مختلف جگہ پر عامل مقرر کئے اور پھر حضرت عیاضؓ کو بھی ساتھ لے کر حیرہ روانہ ہو گئے۔

سارے واقعات کی چھان بین کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ خلیفہ اڈل نے دو مہ الجندل کے علاقہ بھی جناب خالدؓ کی ذمہ داری میں دے دیا اور جو کارروائی جناب خالدؓ نے کی وہ خلیفہ کی طرف سے احکام کے تحت کی اور پوری ذمہ داری سے نبھانے کے بعد حضرت عیاضؓ کو بھی اپنے ساتھ لے گئے یا مکمل طور پر اپنی کمانڈ میں لے لیا۔ تو ظاہر ہے کہ ساتویں باب میں ہم نے جن مورخین کے حوالے سے ذکر کیا تھا کہ جناب عیاضؓ بھی خالدؓ

کے برابر کے سپہ سالار تھے اور حیرہ کے فتح کرنے میں دونوں میں مقابلہ تھا۔ تو وہ روایت صحیح نہیں اور نہ یہ کہ جناب خالد بن ولیدؓ، جناب عیاضؓ کی دعوت پر دومتہ الجندل آئے۔ سب حکمت عملی خلیفہ اول کی تھی۔

نتائج و اسباق

اس جنگ کے نتائج ایک طرف نقشہ ہشتم کا مطالعہ کر کے نکالیں اور بنیادی طور پر نقشہ پنجم پر غور کریں کہ کس طرح مسلمانوں کی شمالی سرحدیں مشرق میں خلیج فارس سے لے کر دریائے فرات کے ساتھ ساتھ اور دومتہ الجندل سے تونک اور موتہ تک اور آگے بحیرہ قلم تک محفوظ ہو گئیں اب مسلمان اگلی کارروائی کے لئے پر تول رہے تھے۔

۲۔ یاد رہے کہ کسی کو محاصرہ میں لینا یا خود محاصرہ میں آجانا یہ دونوں بڑی مشکل جنگی کارروائیاں ہیں اور گو آج کل قلعہ جات نہیں ہیں لیکن پھر بھی کئی پوزیشنیں (دفاعی) ایسی ہوتی ہیں جن کو گھیرا پڑ جاتا ہے جب ہمیں گھیرا پڑ جائے تو پھر تدبیرات کے علاوہ حکمت عملی کے باسے میں سوچنا پڑتا ہے کہ دشمن کی فوج کو ہم کتنے دن الجھائے رکھیں گے اور اس کیلئے کتنی قربانی دینا پڑے گی اور کیا اتنی قربانی کی ضرورت ہے اور دی جاسکتی ہے وغیرہ۔ یہ بھی یاد رہے کہ گھیرا ڈالنے کے لئے بہت زیادہ فوج کی ضرورت ہوتی ہے اور اگر ہم دشمن کی کسی فوج کو گھیرا ڈالنے کی سعی کرتے ہیں تو اس دشمن کو جلد ختم کرنا چاہیے ورنہ جناب عیاضؓ کی طرح ہم خود الجھ کر رہ جائیں گے یا اپنا مفوق نقصان کرانا پڑے گا ویسے آجکل کے زمانے میں گھیرے میں زیادہ دیر ٹھہرنا ناممکن بھی ہوتا ہے۔ علاقہ محدود ہوتا ہے اور دشمن تو پتھانہ یا سیدھے فائر کرنے والے ہتھیاروں کی مدد سے اس علاقہ کو جہنم بنا دیتا ہے۔

۳۔ دومتہ الجندل پر قبضہ کے بعد خلیفہ اولؓ نے شام و فلسطین کی ہمہ کی اجازت دے دی اور جناب ابو عبیدہؓ بن جراح، یزید بن ابوسفیانؓ، عمرو بن عاصؓ اور شریک بن حسہ کے لشکر مقرر فرمائے جن کو ذمہ داری کے علاقے سونپے کچھ تبدیلیاں بھی کیں۔ جناب خالد بن سعید کو تبدیل کیا اور اس علاقے میں حضرت عمرو بن عاصؓ کو بھیجا گیا۔ بہر حال اس سب کارروائی کو دوسری کتاب میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔ کہ کس طرح مجاہدین نے اپنا رخ ایک اور طرف کر دیا۔

چودھواں باب

حصید، خنافس اور مضع وغیرہ کی تسخیر

پچھلے باب میں بیان کیا جا چکا ہے کہ جناب خالدؓ کو دو مہاجر الجندل میں کچھ زیادہ عرصہ ٹھہرنا پڑ گیا چنانچہ طرح طرح کی باتیں مشہور ہوئیں کہ آپ مدینہ واپس چلے گئے۔ یہ ہوا اور دن ہوا وغیرہ۔ باطل نے شہریندوں کو ابھارا اور ایران کے ارباب نلو مت جو خالدؓ کے نام سے کانپ جاتے تھے ان میں کچھ جان آئی۔ دیسے ہینا کہ نقشہ ہشتم سے ظاہر ہے کہ شمال میں دریائے فرات کے مغرب کی طرف چند ایک علاقے یا چھاؤنیاں ایسی تھیں۔ یہاں تک مسلمان نہ پہنچ سکے تھے علاوہ عین التمر سے عقبہ بن ابوعقبہ کے قبیلہ کے لوگ بھی وہاں سے بھاگ کر ان شمالی علاقوں میں پہنچ گئے تھے ایرانیوں نے عرب قبائل کو بھڑکایا اور بہمن نے کچھ فوج بھی تیار کی کہ جہاں تک مسلمان نہ پہنچ سکے تھے وہاں وہ فوج بھیج دی تاکہ ایسے فوجی قبائل کے ساتھ مل کر مسلمانوں کا مقابلہ کریں۔

ایرانی فوج کا فرات کو عبور کرنا

جناب خالدؓ ابھی دو مہاجر الجندل ہی میں تھے کہ دو ایرانی لشکر مدائن سے نکل کر اپنی منزلوں کی طرف چل پڑے ایک روز کے تحت حصید کی طرف کیا اور دوسرا زہرہ کے ماتحت خنافس گیا۔ نقشہ ہشتم دیکھیں کہ یہ مقامات انبار کے مغرب اور عین التمر کے شمال میں ہیں۔

انبار کے عامل حضرت زبیرؓ نے اس کی اطلاع حضرت قعقاعؓ کو تیرہ میں دے دی اور انہوں نے حفظہ ما تقدم کے طور پر ان اذواج اور دستوں میں سے کچھ کو حیرہ میں اکٹھا کر لیا جو دونوں دریاؤں کے درمیان جد تک گشت کرتے رہتے تھے اور دوسرے ایک حضرت اعبدہ کے تحت اور دوسرا حضرت عمروؓ کے تحت حصید اور خنافس کے علاقوں میں بھیج دیئے کہ دشمن پر نظر رکھیں۔

چنانچہ ماہ رجب ۱۲ ہجری میں جب جناب خالدؓ حیرہ پہنچے تو یہ حالات دیکھے۔ بہمن نے البتہ ایرانی فوجوں کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنی کاروائیاں دفاعی حدود کے اندر رکھیں اور عرب قبائل کو تیار ہونے دیں کہ وہ لوگ بھی کافی بڑے لشکر تیار کر رہے تھے ان میں ایک تو ہذیل تھا جو مضع میں لشکر تیار کر رہا تھا اور دوسرا بیعہ تھا جو شنی اور بشر میں لشکر تیار کر رہا تھا۔ ربیعہ بکیر کا بیٹا تھا۔ قارئین کو یاد ہو گا کہ عین التمر کی جنگ میں عقبہ کے بازوؤں پر ہذیل اور بکیر تھے اور وہاں

سے بھاگ چکے تھے۔ بہمن کا خیال تھا کہ یہ تمام لشکر الگ الگ مقامات پر رہیں اور جب طاقت پکڑ جائیں تو پھر مسلمانوں کے ساتھ بھرپور جنگ لڑی جائے۔

مورخین کے تبصرے

مورخین کا خیال ہے کہ جناب خالدؓ جو دومرہ الجندل سے حضرت عیاضؓ کو بھی ساتھ لے آئے تھے وہ ایرانی پاپیہ تخت بلائن یاد باری کے پار بغداد دینیرہ کے علاقے میں کوئی بھرپور کارروائی کرنے کا ارادہ کر کے آئے تھے لیکن خلیفہ کی اجازت نہ ہونے کی وجہ سے اور کچھ حالات کی تبدیلی کی وجہ سے ایسا نہ کیا گیا ممکن ہے کہ جناب خالدؓ ایسی بات ذہن میں رکھے ہوئے ہوں لیکن ہمارا جائزہ یہ ہے کہ خلیفہ اذل کے لحاظ سے ابھی اس کا وقت نہیں آیا تھا۔ یاد رکھیں کہ دونوں خلفاء راشدین حکمت عملی کے تعین میں اپنا مقام نہ رکھتے تھے کہ حضور پاکؐ کے رفقاء خاص تھے وہ ایرانی طاقت کو فرات کے مغرب میں میا میٹ کرنا چاہتے تھے اور ان کے لحاظ سے حیرہ اُس کے گرد نواح و نجف، اور تادسیہ وغیرہ ہی اہم مقامات تھے جہاں ایک فیصلہ کن جنگ کی ضرورت تھی اور دو سال بعد ایسا ہی ہوا بلکہ اُس علاقہ کی اہمیت اتنی تھی کہ بعد میں کوز کی چھاؤنی بھی ادھڑی بنائی گئی بہر حال جو کچھ بھی تھا ابھی ایران کی سلطنت کا نی جاندار تھی کہ ان کو فرات کے اس پار بھی فوج بھیجنے کی ہمت پڑ گئی۔

جناب خالدؓ کا طریق کار

جناب خالدؓ کیلئے فرات کے مغرب کی طرف کے علاقے ایک شکار گاہ کی حیثیت رکھتے تھے اس لئے انہوں نے حالات کے مطالعہ کے بعد فیصلہ کیا کہ ان فوجوں کو ایک جگہ اکٹھے نہ ہونا دیا جائے اور الگ الگ مقامات پر ان کا قلع قمع کیا جائے یہ افواج اگر اکٹھی ہو جاتیں تو مل کر کوئی بھرپور جنگ تو نہ لڑ سکتیں کیونکہ قبائل کی جنگ کا وقت گزر چکا تھا اسلامی لشکر اب ایک مانی ہوئی قوت تھی چنانچہ جناب خالدؓ نے حضرت عیاضؓ کو حیرہ میں نائب مقرر کیا اور کچھ دستے ان کے پاس چھوڑ دیئے۔ باقی فوج کو لے کر جناب خالدؓ عین التمر پہنچ گئے وہاں پر آپ نے اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ کی کمانڈ جناب قعقاعؓ کو دی کہ وہ حضرت اعبدؓ کے دستوں کے ساتھ مل کر حصید فتح کریں۔ دومرے حصہ کی کمانڈ حضرت ابولیلیٰؓ کی دی کہ وہ جناب عودہؓ کے ساتھ مل کر فناض فتح کریں تیسرا حصہ اپنے پاس رکھا اور عین التمر ہی میں ٹھہرے کہ عرب قبائل اگر نشئی یا بشر سے آگے بڑھ کر کوئی کارروائی کریں تو اس کا علاج کیا جائے۔

چھوٹے لشکروں کی کارروائیاں

جناب خالدؓ اس طرح ایک طرف تو ضرورت کے مطابق فوج کو استعمال کر رہے تھے اور ساتھ ہی چھوٹے کمانڈروں کو خود مختار طور پر کام کرنے یا جنگ لڑنے کی تربیت بھی دے رہے تھے چنانچہ جناب قعقاعؓ کا لشکر عین النمر سے پہلے چلا اور اور ابولیلیٰؓ کا بعد میں۔ جناب قعقاعؓ کا رخ حصید کی طرف تھا اور وہاں کا کمانڈر روزبہ ان حالات کی اطلاع پا کر گھبرا گیا اور زرہر سے مدد کی درخواست کی۔ زرہر کو خنافس چھوڑنے کا حکم نہ تھا بہن اس جگہ مزید کمک بھیج کر کسی بڑی جنگ کی تیاری کی سوچ میں تھا اس لئے زرہر نے ہبوزن کو خنافس میں اپنا نائب بنایا اور خود روزبہ کے پاس حصید چلا گیا کہ حالات کا گہرا مطالعہ کرے۔

حصید کی فتح

جناب خالدؓ کے ماتحت لشکر کے سب سرداروں کے بہت اونچے مقامات ہیں اور جناب قعقاعؓ کو جو مقام حاصل ہے وہ بہت بلند ہے۔ انہوں نے اللہ کی تلوار سے ایک ہنریہ سیکھا تھا کہ بجلی کی طرح کوند کر اپنی مرضی کے وقت دشمن کے سردوں پر پہنچ جاؤ اور جناب قعقاعؓ تیزی سے دشمن کے سر پر حصید پہنچ گئے زرہر نے خالدؓ کو لشکر میں نہ دیکھتے ہوئے مبارزت طلب کی اور جناب قعقاعؓ نے آگے بڑھ کر اس کا کام تمام کر دیا۔ روزبہ نے بھی زرہر کی نقل کی اور وہ حضرت عصفہؓ بن عبداللہ کے ہاتھوں مارا گیا۔ حضرت عصفہؓ ہمارے تھے اور آپؓ کے تمام قبیلہ نے ہجرت کی تھی اس لئے برہہ کہلاتے تھے بہر حال دونوں ایرانی سرداروں کی لاشیں اب مسلمانوں کے قدموں کے نیچے ترپ رہی تھیں اور انہوں نے بھر پور حمد کر دیا۔ ایرانیوں کے قدم اکھڑ گئے ان کی لاشوں کے ڈھیر سے میدان جنگ ندرع خانے کی شکل میں تبدیل ہو گیا اور کچھ ایرانی جان بچا کر خنافس کی طرف بھاگ گئے۔

خننافس کی فتح

لیکن خنافس میں آسمان سے گرا اور کھجور میں اٹکا " والی بات ہو گئی۔ ادھر حصید کے بھگوڑے پہنچے کہ ادھر حضرت ابولیلیٰؓ کا تازہ دم لشکر خنافس پر حملہ کرنے کے لئے سرپٹ آگے بڑھتا ہوا نظر آیا۔ ایک مبصر و مقلد ہیں ہبوزن سمجھدار آدمی تھا۔ اس نے وہاں سے بھاگ کر کسی بہتر جگہ پوزیشن لینے کے بارے سوچا ویسے تو

اُس کے نزدیک شنی اور بشر میں بھی عرب قبائل ربیعہ کے ماتحت مسلمانوں کے خلاف اکٹھے ہو رہے تھے لیکن اُس نے مضع میں جا کر پناہ لی جہاں پر ہذیل لشکر اکٹھے کر رہا تھا خنافس تو جلدی فتح ہو گیا اور مسلمانوں کو حصید اور خنافس دونوں جگہوں سے بے شمار مالِ غنیمت حاصل ہوا لیکن دشمن کی کمبل سر کوئی ابھی باقی تھی۔ نقشہ ہشتم کی مدد سے ہر مقام کا جائزہ لیں تو ابھی شنی، بشر اور مضع میں دشمن باقی تھا اور ”محمدار“ ہبوزن اتنی دور موت کے ڈر سے بھاگا یا حکمتِ عملی کے تحت ہم اس پر تبصرہ نہیں کریں گے۔

جناب خالدؓ کی چھلانگ

ہبوزن، جناب خالدؓ کے بارے کافی سن چکا تھا اور دور جانے میں اُس کا مقصد یہ تھا کہ خالدؓ جب شنی اور بشر کی سر کوئی کر لیں گے تو اُن کو مضع سے بھاگنے کا موقع مل جائے گا لیکن خالدؓ ہمیشہ جنگ کے طریق کار میں ہر دفعہ ایک نئی طرح ڈالتے تھے اس دفعہ انہوں نے تیر گھڑ ایک لمبی چھلانگ لگا دی خالدؓ کے لئے اب دو ممکن طریقے کار تھے۔ اول یا تو بشر اور شنی پر جھپٹا مارتے اور ربیعہ کا قلع قمع کرتے یا تیر کی طرف ایک لمبی چھلانگ لگا کر مضع پہنچ جاتے جہاں شکار بھی زیادہ تھا وہاں ہبوزن بھی پہنچ چکا تھا خالدؓ نے دوسرے طریقہ کو اپنایا۔

مبصر کی رائے

ہمارے ایک مبصر کی رائے کے مطابق ان دو ممکنات کے علاوہ ایک تیسرا طریقہ بھی تھا کہ خالدؓ مدائن پر حملہ کر دے کہ ایرانی فوج کا کافی حصہ مضع یا فرات کی اس طرف تھا قارئین پچھلے سارے نقشے دیکھیں۔ حالات کا جائزہ لیں اور آگے ایران کے فتوحات کے سلسلہ میں مسلمانوں اور ایرانیوں کی جو جنگیں ہوئیں اُن کو بھی سرسری طور پر دیکھ لیں کہ ابھی تک ایرانیوں کو مکمل شکست دینے کے لئے کتنی بڑی طاقت کی ضرورت تھی تو امید واثق ہے کہ مدائن کی طرف حملہ کی بات اُس وقت تک بعید از قیاس ہوگی ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ دوسرے الجندل کی فتح کے بعد جناب خالدؓ نے اس سلسلہ میں شاید کچھ سوچا ہو لیکن ابھی اس کا وقت نہ آیا تھا۔ خلیفہ اول کی حکمتِ عملی کسی اور سمت کی طرف بڑھ رہی تھی۔ خالدؓ ہمارے لئے بڑے عظیم ہیں لیکن یارِ غار کی عظمت کے سامنے جناب خالدؓ کو لے آنا اور سب کامیابیوں کے سہرے جناب خالدؓ کے سر باندھ دینے والی بات صحیح نہیں ہم اس موضوع کو آگے چل کر اس سلسلہ کی دوسری کتاب میں زیادہ بہتر طور پر بیان کریں گے کہ خلیفہ اول دریلے

خزات سے آگے جلنے سے پہلے کچھ اور کرنے کا ارادہ رکھتے تھے اور جناب خالدؓ اُن کی ہدایات پر کام کر رہے تھے۔
آنے والے تمام واقعات، اُن کے نتائج اور اُن نتائج کے اثرات اسی سوچ اور حکمت عملی کے ثبوت میں جانیں گے
ہمارے مبصر لفاظی اور بے دقت کی ”اونچی سوچوں سے اپنی کتابوں کو بھر کر اپنی حربی اہلیت کو اجاگر کرنے کے
کوشش کرتے ہیں

صرف دو ممکنات

ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ جناب خالدؓ کے سامنے صرف دو راستے ”یا ممکنات“ تھے کہ مضعج جائیں یا بشر اور
ثنیٰ۔ انہوں نے لمبی چھلانگ لگا کر مضعج جانے کا فیصلہ کیا کہ وہ ایرانیوں کے اس طرف ختم کرنے کو ترجیح دیتے
تھے انہوں نے جناب قعقاعؓ اور ابولیلیٰؓ کے لشکروں کو اپنی کمانڈ میں لیا اور وہ مضعج کی طرف روانہ ہو گئے۔

مضعج کی طرف پیش قدمی

مضعج کافی دور بیت اور وہاں پہنچنے کے لئے بشر اور ثنیٰ دونوں کو اپنے بائیں ہاتھ پر چھوڑنا تھا لیکن جناب
خالدؓ جلدی میں تھے یہ شعبان ۱۲ ہجری کا واقعہ ہے۔ اکتوبر، نومبر کا مہینہ تھا تو جناب خالدؓ نے حکم دیا کہ
سواری صرف اونٹوں پر کی جائے۔ گھوڑے خالی پیٹھے ساتھ چلیں کہ تھک نہ جائیں۔ جناب خالدؓ نے یہ بھی حکم
دیا کہ تمام لشکر فلاں تاریخ تک مضعج سے تقریباً ایک منزل دور فلاں جگہ پہنچ جائیں اور جنگ کے باقی انجام
دہیں جاری ہوں گے۔ مورخین اس سلسلہ میں اتنی تفصیل میں نہیں گئے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مقررہ دن
پر خالدؓ کے قینوں لشکر سورج کے غروب ہونے کے وقت مضعج سے چند گھنٹے کے فاصلہ پر تھے۔ اہل مضعج کو سب معلوم
تھا اور دوسری صبح وہ لڑائی کے لئے ہر قسم کی صف بندی کرنے کو تیار ہو رہے تھے اُن کا اندازہ تھا کہ مسلمان
دوسرے دن صبح اُس پراڈے سے آگے بڑھیں گے اس لئے وہ رات انہوں نے شراب و کباب میں گزار دی۔ ہونے والی
شادیاں رپائیں۔ شعر و شاعری کی۔ وہ سب کچھ کیا جو زندگی سے محبت کرنے والے موت اور زندگی کی کش مکش میں کسی فیصلہ
کن گھڑی کا انتظار کر رہے ہوں۔ مسلمان کا رویہ البتہ مختلف ہوتا ہے اُس کے لئے موت ایک دروازہ ہے۔

مشہور

جناب خالدؓ کو اس سب کا اندازہ تھا اس لئے انہوں نے رات کو مشہور مارنے کا فیصلہ کیا لشکر تین حصوں

میں تقسیم کیا ہر لشکر کو اس کا مقصود اور رخ بتایا اور یہ مشکل کاروائی تھی۔ چاند رات کو آدھی رات کے قریب نکلتا تھا اور نومبر کا چاند عرب اور عراق کے ان علاقوں میں اس موسم میں بڑی ٹھنڈی اور پیاری چاندنی دیتا ہے چنانچہ چاند نکلنے سے پہلے جناب خالدؓ کے تینوں لشکر اپنے مقام اتصال (RV) پر اندھیرے ہی میں پہنچ چکے تھے جیسے ہی چاند طلوع ہوا اور چاندنی کی کچھ مدد ملی تو لشکروں نے آگے بڑھ کر حملہ کر دیا۔ آگے کیا ہوا مؤرخین خاموش ہیں سوائے اس کے دشمن کا جرمولی کی طرح کٹ گیا ہمارے مبصر کا کہنا ہے کہ ان کا سمجھدار ایرانی جنرل مہربازن لاپتہ ہو گیا۔ کہاں گیا، کیسے لڑائی لڑا، اور ایرانی فوج نے کہاں جا کر دم لیا۔ اس سلسلہ میں کوئی صاحب زیادہ روشنی نہیں دلتے۔ بس یہی کہا جاسکتا ہے کہ کچھ مر گئے اور کچھ بھاگ گئے۔ ہاں ہذیل البتہ جان بچا کر عتاب کے پاس بصر پہنچ گیا

کفار کے مسلمان ہمان

اس جنگ میں دو ایسے مسلمان بھی عظیم صحابی حضرت جریرؓ کے ہاتھوں شہید ہوئے کہ وہ وہاں پر کفار کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ان کے رشتہ داروں نے ان کا خون بہانا لگا۔ خلیفہ اولؓ نے فرمایا کہ یہ حادثاتی موت ہے اور مسلمان کفار کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے۔ جنگ سے پہلے کہیں فرار کیوں نہ اختیار کیا یا کیسے فوت ہوئے۔ اس کا کسی مسلمان مجاہد کو ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ حکومت البتہ خون بہا ادا کر دے گی کہ ان کے بال بچوں کی کفالت حکومت کا فرض ہے۔ بات ادھر ہی ختم ہوگی اور طبری سمیت کوئی مؤرخ اس پر حاشیہ آرائی نہیں کرتے لیکن ہمارے مبصر جن کو ہر پہلو میں حضرت عمرؓ اور حضرت خالدؓ کا اختلاف کہیں سے مل جاتا ہے دیکھتے ہیں کہ ”حضرت عمرؓ غفقتے سے خلیفہ اہل کے پاس گئے اور کہا کہ خالدؓ بڑا ظالم ہے مسلمانوں کی جان کی حفاظت نہیں کرتا۔“

تبصرہ

بات بے معنی ہے اور ایسا ناممکن ہے یہ اس مبصر کا اپنا ذہنی اختراع ہے۔ یہ الفاظ ان مبصر کو کہاں سے ملے جن لوگوں نے جنگ میں حصہ لیا ہو وہ تو ایسے تبصرہ اور الفاظ کو کوئی وقعت نہ دیں گے ہاں جنہوں نے

صرف جنگ کو پڑھا ہو یا ”دیکھا“ ہو وہ شاید ایسی بات کہہ سکتے ہیں جنگ کا ”دیکھنا“ بھی دو قسم کا ہوتا ہے
 نقشے پر ”دیکھنا“ اور میدان جنگ میں ”دیکھنا“ کچھ جنگ کو صرف نقشے پر دیکھتے ہیں اور کچھ زمین پر بہر حال
 ”دیکھنے“ اور ”لڑنے“ میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ کمانڈرز جنگ لڑتے ہیں۔ سٹاف افسر صرف دیکھتے ہیں۔
 کلاسوٹنز اپنی پہلی کتاب کے آٹھویں باب میں لکھتا ہے کہ ”لڑائی کے معاملات کو سمجھنے کے لئے ان لوگوں
 سے تربیت حاصل کر دو جو لڑائی لڑ چکے ہیں اگر اپنے ملک میں ایسے لوگ نہ ملیں تو غیر ملکوں میں جا کر ایسے لوگوں
 سے لڑائی کی باتیں سیکھو۔ خود کلاسوٹنز کا تعلق جرمن جنرل سٹاف سے تھا لیکن وہ ان سٹاف افسروں کیساتھ
 سخت نفرت کرتا تھا جو عملی نہ ہوتے یا رجمنٹل کام سے جی چراتے تھے۔ ایک پٹن میں بھی ایک پٹن یا کمپنی کمانڈر
 جنگ کے معاملات کو ایجوٹنٹ یا کوارٹر ماسٹر صاحب سے بہتر طور پر سمجھے گا۔ یہ انگ بات ہے کہ کوئی ایجوٹنٹ یا
 کوارٹر ماسٹر جنگ میں گشتی دستوں کی کمانڈ بھی کرتا رہے اور ایسا ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے تو ایسی باتیں
 خوش قسمت ہوگی جس کے ایجوٹنٹ اور کوارٹر ماسٹر اسلام کے مایہ ناز سپوت ہوں۔

نتائج و اسباق

- ۱۔ ان تینوں جنگوں کا بڑا نتیجہ یہ ہوا کہ ایرانی بڑی طرح شکست کھا گئے اور فرات کے عرب والے رخ پر
 بالکل نہ ٹھہر سکے۔
- ۲۔ دوسرا نتیجہ یہ نکلا کہ عراق کی فاتح مسلمان فوج، شام و فلسطین کی سرحدوں کے نزدیک پہنچ گئی چنانچہ
 خلیفہ اڈل کی حکمت عملی ان راستوں پر بالکل اسی طرح چل رہی تھی جس طرح انہوں نے آس کا تعین کیا تھا
- ۳۔ مسلمانوں کو اللہ کی ذات اور اپنے آپ پر مکمل بھروسہ تھا اور اب اہل ایران ان کو اپنے برابر کی ایک طاقت
 سمجھ رہے تھے اور اس سوچ میں تھے کہ مسلمانوں کے ساتھ کیسے پنٹا جائے۔

سبق

دشمن پر بردقت دار، تیزی، ضرورت کی مطابق لشکروں کی بانٹ، استعمال، حالات کا صحیح جائزہ، حکمت عملی، تدبیرات
 رات کی کارروائی اور حیران کن اثرات، مقصد کا پہلے سے مقرر کرنا وغیرہ۔ تمام معاملات صاف طور پر طے کرنے ضروری

نما: تفصیل کے لئے کلاسوٹنز کے فلسفہ جنگ حصہ اول اردو کے صفحہ ۲۰۰ سے استفادہ کریں۔

ہوتے ہیں وہ مسلمانوں کی بڑی سوچی سمجھی ہوئی حکمت عملی اور تدبیرات تھیں جن سے ہم آج بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں
 ”زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توجیہ کبھی

آج کیا ہے؟ فقط ایک مسئلہ علم کلام اقبال

پندرہواں باب

عرب قبائل کی سرکوبی، جنگ فراض اور متفرقات

مضیع کی تسنیع کے بعد شنی اور بنسہ (ذومیل) کے قبائل کی سرکوبی ضروری تھی اور اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے کہ جناب خالدؓ نے ترتیبی طور پر ان مقامات کے بجائے پہلے مضیع کا رخ کیا۔ مؤرخین جس طرح تاریخی بیانات کا تسلسل قائم نہیں رکھتے، اسی طرح مقامات کے بارے جو کچھ سنا دہ مکھ دیا وہ مقامات جو آج کل موجود ہیں یا اس زمانے میں موجود تھے جب تاریخ لکھی گئی تو ان کے سائے حالات کے تانے بانے کچھ آسانی سے جوڑے جاسکتے ہیں لیکن وہ مقامات جو اب کھنڈرات کی شکل میں ہیں یا بالکل موجود نہیں ہیں انکے بارے میں غلطیاں بھی ہو سکتی ہیں ہمارے اس خطے کے مؤرخین نے جناب محمود غزنویؒ کے بھادیہ پر حملہ کو بھیرہ پر حملہ بنا دیا۔ حالانکہ عتیٰ جو لشکر میں موجود تھا اس کے بیان کے مطابق بھادیہ کا یہ قلعہ موجودہ کوہستان نمک میں تھا اس طرح عرب مؤرخین نے مقامات کے بارے اگر کوئی غلطی کی ہو تو یہ اتنی بڑی بات نہیں۔ علاوہ وہی تھا اور ہماری حکمت عملی کے جائزہ میں کوئی فرق نہیں آتا۔

مقامات کا محل وقوع

نقشہ ہشتم کا پھر مطالعہ کریں تو حیرہ، عین التمر اور ذومیل (بشر) کے محل وقوع میں کسی پر شک نہیں کیا جاسکتا۔ ان تینوں جگہوں کے کھنڈرات موجود ہیں اور انگریزوں کے سر دے کے چھوٹے نقشے پر بھی یہ مقامات موجود ہیں۔ حصید اور خانس کے بارے چند میلوں کا فرق ہو سکتا ہے لیکن ہمارے نقشے پر نشانات عین التمر سے پیش قدمی اور جناب قعقاعؓ اور ابولیلیؓ کے الگ الگ رخ سے ہیں کہ یہ مقامات وہیں کہیں ہیں۔ آگے مضیع کی تسنیع کیلئے لشکروں کی روانگی ان مقامات کے قریب سے ہوئی تو جن مؤرخوں نے ان مقامات کی کارروائی کے مطابق تشاندہی کی اس کو صحیح تسلیم کیا گیا۔ اسی طرح حصید اور خانس کیلئے جو ایرانی فوجیں آئیں اور ان کی خیر انبار کے مسلمان عامل نے دی اس سلسلہ میں ان مقامات کا انبار علاوہ کے نزدیک ہونے کا ثبوت تاریخی طور پر ہمارے پاس موجود ہے۔ شنی کے محل وقوع پر کھٹک ہے لیکن ظاہر ہے کہ وہ مضیع اور بشر کے کہیں درمیان میں ہوگا کہ مضیع سے واپسی پر

پہلے شنی پر حملہ ہوا اور بعد میں بشر یا ذومیل پر۔ بہر حال شنی کا محل وقوع چند میل ادھر ادھر ہو سکتا ہے۔

وضاحت کی ضرورت

اس وضاحت کی ضرورت اس لئے پڑی ہے کہ کچھ مورخین نے ان مقامات کو دریائے فرات کے انبار والی اطراف میں ہی بتا دیا اگر ایسا ہوتا تو اسلامی لشکر کو دریائے فرات پار کرنا پڑتی اور کارروائی کا یہ تسلسلہ نہ رہ سکتا جو ہم نے بیان کیا ہے اور نہ اتنے عرصہ میں یہ مہمات سر ہو سکتیں۔ دوسری ضرورت یہ ہے کہ یہ نقشے ہم کسی سکیل کے ساتھ پیش کر رہے ہیں اور یہ سکیل جانے پہچانے اور موجود مقامات کی حد تک ٹھیک لگو ہے لیکن کسی جگہ کچھ میلوں کا فرق ہو سکتا ہے اور تجسس دانے کئی صاحبان اپنی تحقیق RESEARCH کے وقت ہم پر غلط نشانہ ہی کا بہتان لگا سکتے ہیں یہ اعتراضات ہمارے سر آنکھوں پر۔ ہم نے اپنے نقشوں کو خاکہ یا بغیر سکیل دانے نقشوں کا نام دینا پسند نہ کیا۔ پرانے زمانے کے مورخ نقشہ نہیں بتاتے تھے بلکہ آج کل بھی غیر فوجی نقشہ نہیں بناتے۔ حدود اربعہ بیان کر دیتے تھے بلکہ پرانے زمانے میں جغرافیہ بھی آج کل کا سر دے شدہ جغرافیہ نہ تھا۔ چوتھی صدی میں مشہور مسلمان مؤرخ اور جغرافیہ دان البردنی نے جغرافیہ کو کچھ موجودہ ناپ تول کی شکل دی اور پرانے زمانے کے جغرافیہ کے نقشے کسی سکیل کے ساتھ نہ ہوتے تھے کچھ بھی شکل بنادی جاتی تھیں۔ فاصلے اور زمینی حالات قلم سے لکھے جاتے تھے تاریخ کے بالمقصد مطالعہ کے لئے فاصلوں کا صحیح ہونا ضروری ہے لیکن امید داشت ہے کہ ہماری چھوٹی موٹی غلطی کو درگزر کیا جائے گا

جناب خالدؓ کی پیش قدمی

رمضان ۱۲ ہجری کے پہلے ہفتہ میں جناب خالدؓ شنی کی طرف روانہ ہوئے یہاں بھی وہی کچھ ہوا یا کیا گیا جو مضع میں کیا۔ صرف چاند کا فرق تھا کہ وہ پہلی رات کا تھا لیکن ایک دفعہ عملی تجربہ کے طور پر یہ کام کیا ہوا تھا اس کے علاوہ شنی میں دشمن بھی کم تھا بہر حال طریق کار کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے وہاں دشمن کا سردار ربیعہ بن جبیرہ مارا گیا۔ ربیعہ کی لڑکی کو جناب خالدؓ نے باقی لوندیوں اور غلاموں کے ساتھ مدینہ شریف بھیج دیا۔ سردار کی لڑکی تھی جناب ابوبکرؓ نے جناب علیؓ کو گزارش کی کہ اس کو زوجیت میں قبول کریں اور انہوں نے منظور کر لیا طبری نے اس شادی کے علاوہ حضرت علیؓ کی اس سلسلہ میں اولاد کا بھی ذکر کیا ہے کہ بیٹی کا نام رقیہ بنت رسولؐ اور زوجہ عثمانؓ کے نام پر رکھا اور لڑکے کا نام حضرت عمرؓ کے نام پر رکھا۔ آپ کا صرف یہ بیٹا

اور محمد بن حنیفہ جنگِ کربلا میں نہ شریک ہو سکے اور ان سے آگے اولاد چلی۔ ورنہ آپ کے متعدد بیٹے جن میں ایک کا نام ابو بکرؓ تھا اور ایک کا عثمانؓ وہ بھی کربلا میں شہید ہوئے۔
اب لطف کی بات یہ ہے کہ ایسی باتیں آج کل ہماری کتابوں سے خارج ہوتی جاتی ہیں کہ صحابہ کی ایک دوسرے سے محبت کے تمام ذکروں کو ختم کر دیا جائے۔ حتیٰ کہ جنرل اکرم اپنی کتاب اللہ کی تلوار میں اس شادی کا ذکر کرتا ہے لیکن حضرت علیؓ کے بیٹی اور بیٹے کے نام کا ذکر نہیں کرتا۔

بشر پر حملہ

ربیعہ کا قلع قمع کرنے کے بعد جناب خالدؓ الزمیل یا بشر کی طرف اس تیزی سے پیش قدمی کر رہے تھے کہ وہاں کے قبائل کو شنی کے حالات کا پتہ نہ چل جائے۔ ہذیل نے بھی بھاگ کر وہاں پناہ لی ہوئی تھی اور بشر میں عتاب ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ فز دکش تھا۔ اس مقام پر بھی جناب خالدؓ نے تین اطراف سے آگے بڑھ کر شیخون مارا۔ اور اس معرکہ میں اتنے دشمن کھیت رہے کہ اس سے پتہ کسی ایک میں نہ ہوئے تھے اور بے شمار مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا یہاں پر بنو تغلب آباد تھے جو کئی اور مقامات پر بھی مسلمانوں کے ساتھ لڑ چکے تھے لیکن یہ ان کا مرکز تھا۔ یہ لوگ بڑی طرح شکست کھا کر تتر بتر ہو گئے۔

الرضاب پر چڑھائی

جناب خالدؓ بشر سے الرضاب کی طرف بڑھے خبر ملی تھی کہ عین التمر کے عقد کے خاتمہ کے بعد، اس کا بیٹا ہلال کچھ عرب قبائل کو اکٹھا کر کے مسلمانوں سے اپنے باپ کا بدلہ لینا چاہتا تھا لیکن جب اسلامی لشکر وہاں پہنچا تو تمام قبائل منتشر ہو گئے۔ حسید، خنافس، مضع، شنی اور بشر کے حالات سن کر ان کے مزاج خود بخود درست ہو گئے ہوں گے اور ان کو پتہ چل گیا ہو گا کہ یہ قبائل کا عام قسم کی جنگ نہ تھی۔ مسلمان ایک عظیم طاقت کے طور پر ابھر رہے تھے جن کے خوف سے ایرانی بھی کانپ رہے تھے۔

مسلمانوں کے جنگی مقاصد

جناب خالدؓ وہ سب کچھ کر چکے تھے جو ان کے سپہ سالار ہوتا تو زندگی کے باقی دن میرہ

یا کسی سخت افزا، مقام پر بڑے مزے سے بادشاہ کی طرح گزارتا۔ اہل ایران دوبارہ ملائیں میں دیک کر بیٹھ گئے تھے عرب قبائل تتر بتر ہو چکے تھے اور کوئی دنیاوی حکومت ہوتی تو وہ یہ کہتی کہ جو کچھ حاصل کر لیا تھا اُس کو ہضم کر دین فطرت کے بوریائشینوں کے کسی جگہ کے وہ مقاصد نہیں ہوتے جو باطل طاقتوں کے ہوتے ہیں۔ اللہ کی نوج رواں دواں اور مسلسل حرکت میں رہتی ہے۔ اُن کا تعلق ایک متحرک قافلہ سے ہے جو صراطِ مستقیم پر آنے کی دعوت دیتا ہے جس نکتہ کو یاد رکھنے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ تلوار کو ہاتھ میں رکھنا ضروری ہے ہاں کسی مرد کو تلوار دکھا کر اُسکو زبردستی کلمہ پڑھوانا فسوں حرکت ہے۔ ہمارا کام اللہ تعالیٰ کے راستے کی دعوت دینا ہے اور اللہ کی زمین جس کے ہم وارث ہیں۔ اُس پر اللہ کے دین کو جاری و ساری کرنا ہے اگر کسی جگہ کوئی ہمارے کردار سے متاثر ہو کر یا ہمارے بزرگوں کی نگاہ کے اثر سے اسلام لے آتا ہے تو فہما۔ اس میں یاد رکھنے والی بات پیش لفظ میں عرض کر دی گئی ہے کہ حضور پاک کے جہاں و جلال کا چشمہ جاری ہے۔ اللہ کی دین ہے اور اللہ کی عطا ہے۔ کسی اولیا اللہ میں حضور پاک کے جمال کی جسک پیدا ہوئی اور اُس کی نگاہ میں حضور پاک کے جمال کا اظہار ہوا تو لوگوں کو رحمتہ اللعالمین کی غلامی نصیب ہو گئی جیسے فقرا کی آمد سے اس خطہ میں ہوا۔ جلال کا چشمہ ابھی جاری ہے اور مسلمانوں کے کردار کی جسک سے لوگ دین اسلام میں داخل ہوتے جاتے ہیں لیکن اس کام کے لئے متحرک امیر کارواں کی ضرورت ہے۔

نگاہ بلند سخن دلنواز جان پُرسوز

یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لئے اقبال

جناب خالد کی فرائض کی طرف پیش قدمی

حضرت خالد اپنے لشکر کو لے کر ایک اور لمبے سفر پر رواں دواں ہو گئے۔ ہینہ رمضان کا تھا اور آخری ہفتہ تھا۔ مسلمانوں کے نعرہ تکبیر کی صدا میں دونوں دریاؤں کے درمیان گونج رہی تھیں۔ جناب شنی اور دوسرے شاہسوار دجلہ کے کنارے اس طرح چکر لگا رہے تھے کہ ایرانی دجلہ کے بھی دوسرے کنارے پر محدود ہو کر رہ گئے تھے صرف سباط کی طرح کی چند مضبوط چھاؤنیاں یا چوکیاں اُس طرف قائم تھیں لیکن ایک جگہ دریائے فرات کے کنارے پر بھی ایرانی فوج کا کوئی دستہ موجود تھا یہاں پر اہل روم اور اہل ایران کی سرحد ملتی تھی اور اس جگہ کا نام فرائض یا الفرائض ہے چنانچہ جناب خالد نے الرضاب کی کلیائی کے بعد جلد وہاں کا رخ کیا۔ واپس حیرہ آئے یا راستے سے ادھر ٹر گئے یہ معاملہ کچھ صاف نہیں بہر حال

اس سرحد پر اہل ایران اور اہل روم دونوں کے فوجی دستے تعینات تھے اور دونوں ممالک جو کچھ عرصہ پہلے ایک دوسرے کے ساتھ حالات جنگ میں رہ چکے تھے، اس زمانے میں ایک دوسرے کیساتھ امن کیساتھ رہ رہے تھے۔ اہل ایران مسلمانوں کے ہاتھ سے بھی مزہ چکھ چکے تھے اور ان میں اب وہ پہلے والی سکت باقی نہ رہ گئی تھی لیکن اہل روم کی اس وقت تک باری نہ آئی تھی وہ ویسے خوش تھے کہ مسلمان اور ایرانی آپس میں لڑ کر کمزور ہو جائیں گے تو ان کو کسی ایک سے بھی خطرہ باقی نہ رہ جانے کا لیکن روم کے دستے کے اعلیٰ افسانے نے جب دیکھا کہ ایرانی مسلمانوں سے ہم گئے ہیں تو اس نے ایرانیوں کو تیار کر لیا کہ دونوں اہل اسلام کی لشکر کے ساتھ جنگ کریں۔ مسلمان فرات کے اس طرف تھے اور وہ دونوں لشکر دوسری طرف اور کوئی چھ ہفتہ تک طوفان اسی حالت میں رہے۔ مورخین نے لشکروں کی نفری بہت زیادہ بتائی ہے اور انہوں نے لکھا ہے کہ جنگ میں اور بعد میں مسلمانوں نے دشمن کا تعاقب کر کے لاکھوں آدمیوں کو قتل کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے لاکھوں کا لفظ بشارت کلمے استعمال ہوا یہ حقیقت نہیں خیال ہے کہ جناب خالدؓ کے پاس اپنا آدھا لشکر یعنی دس ہزار کی نفی ضرور ہوگی اور دونوں دشمنوں کی تعداد طاکر ان سے دگنی ہو سکتی ہے یہ اندازہ حالات اور واقعات کے تجزیہ کی مدد سے لگایا جا رہا ہے۔

فراض کی جنگ

رومی لشکر مسلمانوں کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنا چاہتا تھا اور وہ بار بار جناب خالدؓ کو جنگ کی دعوت دے رہے تھے۔ جناب خالدؓ ان دونوں کو دریا پار کرنے کی دعوت دے رہے تھے اس زمانے کے لحاظ سے ایسا ہوتا رہتا تھا کہ جنگ بھی ایک قسم کی ایک اجتماعی مبارزت ہی ہوتی تھی۔

بہر حال رومیوں نے کسی طرح دریا عبور کر ہی لیا اور ایرانیوں کو بھی دریا عبور کرنے پر مجبور کیا جناب خالدؓ تاک میں تھے وہ شیر کی طرح دونوں دشمنوں پر اس وقت جھپٹ پڑے جب وہ تجویز ہی بنا رہے تھے کہ مسلمانوں کا مقابلہ مل کر کریں یا الگ الگ اور اتنے دشمن کھیت رہے کہ مورخین نے بے شمار کی جگہ لاکھوں کا لفظ استعمال کیا۔ مسلمانوں نے دشمن کا دور دور تک تعاقب بھی کیا اور جگہ جگہ دشمنوں کو تین تین کر مارتے رہے بہت کم نفری اپنے ملکوں میں واپس پہنچی یہ ذی قعد کا مہینہ تھا اور اس حربی مظاہرے اور لڑائی کے بعد جناب خالدؓ نے اپنے لشکر کو حیرہ واپس جانے کے احکام دے دیئے۔

جناب خالد رضی کی فریضہ حج کی ادائیگی

جناب خالد رضی نے شکر کی کمانڈ جناب عاصم بن عمرو کے حوالے کی اور شکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا جسے ہم آج کل بھی کرتے ہیں۔ ہر اول یعنی ایڈولنس گارڈ۔ قلب یا دل یعنی مین باڈی عقب یا ساق۔ یعنی ریئر گارڈ۔ ہر دستہ کا ایک کمانڈر مقرر کیا گیا اور ساق پر ایک ہم رازدان شجرہ بن لائبر کو مقرر کیا اور یہ تاثر دیا کہ خالد رضی کے ساتھ آرام آرام سے سفر کریں گے اور باقی لوگ اور کمانڈر اپنی ذمہ داری سے خوب چوکے رہیں جناب خالد رضی کا ارادہ حج کرنے کا تھا اور وہ یہ کام چپکے سے کرنا چاہتے تھے کہ پہلے کی طرح اہل عراق و ایران کو پتہ نہ چل جائے اور وہ کوئی گڑبڑ نہ کریں۔ مؤرخین کا خیال ہے کہ لشکر کے کوچ کے بعد راستے میں جناب خالد رضی کی ذمہ داری سے لشکر سے نکل گئے اور مکہ کی راہ لی لیکن ممکن ہے کہ جناب خالد رضی بھی کوچ ہی والے دن یا پہلے رازداری سے نکل کر جا چکے ہوں۔ قارئین نقشہ پنجم کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ جناب خالد رضی نے مومۃ الجندل، بزد قایا نقرہ یا خنیر والہ راستہ استعمال کیا ہو گا اور مدینہ کے قریب سے ذوقص کے پاس سے گزرے ہوں گے۔ مؤرخین اس سلسلہ میں خاموش ہیں لیکن اگر فاصلے سیدھے طور پر ناپے جائیں تو جناب خالد رضی کا سفر فرائض سے مکہ اور پھر حیرہ تک اگر ناپا جائے تو وہ فرائض سے حیرہ کے سفر کے مقابلہ میں چھ گنا ہے۔

خلیفہ وقت سے اجازت لی یا مدینہ کے پاس سے گزرتے ہوئے پیغام بھیج دیا جناب خالد رضی حج پر چھپ کر کیسے رہ سکتے تھے اور وہ کیسا حج ہو گا جو حاکم وقت کی اجازت کے بغیر کیا جائے یا چھپ کر کیا جائے معلوم یہ ہوتا ہے کہ جناب خالد رضی نے پہلے اجازت نہ لی ہو گی اور بعد میں جب ارادہ حج کا ہو گیا تو مدینہ سے گزرتے وقت اطلاع دی ہو گی یا اجازت مانگی ہو گی اور خلیفہ وقت نے حکم دیا ہو گا کہ حج رازداری سے کیا جائے طبری کے حوالے سے مؤرخین کہتے ہیں کہ خلیفہ وقت نے یہ بات ناپسند کی۔ طبری کے اپنے الفاظ یہ ہیں کہ ابو بکر رضی نے خالد رضی پر عتاب کیا اور عتاب یہ کیا کہ ان لوگوں کو شام بھیج دیا۔ اگلے باب میں خلیفہ اول کے اس خط کو اختصار کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے جس میں آپ نے جناب خالد رضی کو شام جانے کا حکم دیا اور اس خط کو پڑھ کر قارئین خود اندازہ لگائیں کہ خط میں عتاب یہ یا عزت افزائی۔ واقعات آگے ثابت کریں گے کہ جناب خالد رضی کی شہرت

لے ہر اول دستوں کو ہمیشہ المقدم بھی کہتے ہیں

مک شام میں پہنچ کر دوبالا ہو گئی اور فی الحال ہم اسی پر اکتفا کریں گے کہ شام میں جا کر جن لشکروں کے آپ سپہ سالار اعظم بن گئے اُن میں ایک لشکر کی کمانڈ جناب امین الامت ابو عبیدہ بن جراح کر رہے تھے جناب خالد کی اپنی شان ہے لیکن جو لوگ امین الامت کی شان کو سمجھتے ہیں ان کو معلوم ہے کہ جناب خالدؓ کی اس سے زیادہ کیا عزت افزائی ہو سکتی ہے کہ حضور پاکؐ کے بدن مبارک سے اپنے منہ سے خود کے ٹکڑے نکالنے والے پر کمانڈ کرنے کا موقع ملے۔ جناب ابو عبیدہ عشرہ بشرہ میں شامل ہیں۔ کتابوں کے سلسلہ کے حصہ دوم میں آپؐ کے ساتھ اکثر ملاقات ہوگی اور جلال مصطفیٰ میں آپ کی شان کی جھلکیاں اکثر ابواب میں موجود ہیں۔

جناب خالدؓ نے یہ سفر اکیلے نہ کیا۔ چند اہم رازداروں اور شہسواروں کے ساتھ بل کر فریضہ حج ادا کیا۔ افسوس کہ ٹورخین نے نہ تو ساتھیوں کے نام لکھے نہ سفر کے حالات پر کوئی تبصرہ یا تجزیہ کیا۔ صرف یہ لکھا کہ جب اہل لشکر واپس حیرہ پہنچے تو خالدؓ بھی اسی دوران پہنچ گئے اور انہوں نے چھ گنا سفر اسی عرصہ میں طے کر لیا۔

”وہی ہے صاحب امر و زجس نے اپنی ہمت سے

زمانے کے سمندر سے نکالا گوہرِ سردا اقبالؒ

نتائج و اسباق

اس باب میں متفرق کارروائیاں ہیں۔ ایک طرف ایرانی اور دشمن عرب قبائل کافرات کے عرب دالی طرف سے مکمل صفایا ہو گیا تو دوسری طرف مسلمان لشکر مشرق کی طرف سے بھی شام کی سرحدوں پر پہنچ گئے جنوب سے تین لشکر تو پہلے سے اہل روم کی دیکھ بھال پیرنگے ہوئے تھے اب وہاں پر نئی تنظیم کے تحت چار لشکر تیار ہوئے اور انہوں نے بے فکری سے کام شروع کر دیا کہ اُن کو مشرق کی طرف سے کسی دشمنانہ حرکت کا کوئی ڈر باقی نہ رہا۔

۲۔ ایرانی سہم گئے وہ دیک کر مدائن اور بڑے شہروں میں بیٹھ گئے۔

۳۔ شیخوں کی اس کارروائی کا اس باب اور پچھلے باب میں ذکر ہے۔ شیخوں مار کر بہتر نتائج حاصل کئے اس

سے دشمن پر زیادہ رعب بیٹھ گیا کہ ایسی قوم کے ساتھ مقابلہ ہے جس کا دن رات ایک ہے رات کی کارروائی بڑی مشکل ہوتی ہے اور بڑی تربیت اور ضبط و ضبط کی ضرورت ہوتی ہے۔ شیخوں مارنے کے لئے تمام تر باقاعدہ فوج اور مجاہدین جب تک کفن پوش نہ بنیں کامیابی مشکل ہوتی ہے۔ بڑا وسیع تجربہ چاہیے کیونکہ ہر مختلف زمینی حالات کے لئے طریق کار مختلف اختیار کرنا پڑتا ہے۔

۴. صحابہ کرام کی ایک دوسرے کے ساتھ الفت کو خاص کر واضح کیا گیا ساتھ ہی یہ ثبوت بھی پیش کر دیا گیا کہ اس زمانے میں بھی اچھے مہلے سمجھدار لوگوں میں کئی ایسے ہیں کہ الفت والی باتوں پر پردہ ڈال دیں گے اور آنسو والی باتیں بغیر وجہ آگے لے آئیں گے اور بے معنی تفرقات کو بھی خواہ مخواہ بیان کریں گے ہمارے لئے سبق یہ ہے کہ ہر ایسی تحریر سے بچیں جو اختلافی مواد ہم وحدت کے راستہ پر چلیں۔ پیش لفظ میں بیان کر دیا گیا تھا کہ باقعات کو ان کے نتائج اور اثرات سے پرکھیں اور پھر اپنے دل سے پوچھیں کہ کیا یہ عمل ان لوگوں کے ہیں جو ہمارے آقا کے رشتہ تھے؟ اگر آپ کا دل صاف ہے تو بہرہ پر آپ کو صاف نظر آئے گی۔

سولہواں باب

فاتحین عراق کا عراق کو الوداع

مرتدین کی کارروائیوں کے سلسلہ میں پہلے چار ابواب کی کارروائیوں کا تعادم بھی پیش کیا گیا تھا کہ مختلف وقتوں میں مختلف لشکر مختلف مقامات اور جگہوں پر برسرِ پیکار ہے ان اگلے بارہ ابواب میں عراق کی فتح کے واقعات تسلسل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں اور باب بھی چھوٹے ہیں چونکہ پہلے سالارِ عظیم بھی ایک تھے تو واقعات میں از خود تسلسل ہے اور مدد کے لئے جو نقشے شامل کئے گئے ہیں وہ حالات کی مزید وضاحت کرتے ہیں۔ جناب خالدؓ کے لشکر کی تعداد کوئی اٹھارہ ہزار کے قریب بنتی ہے اور اگر تمام آنے جانے والے مسلمان مجاہدین کو شامل کیا جائے جو کسی نہ کسی طرح عراق کی جنگ میں شریک ہوئے تو پھر بھی کل مسلمان جنہوں نے اس جہاد میں شرکت کی ان کی تعداد بیس پچیس ہزار سے زیادہ نہ ہوگی جناب خالدؓ نے اس لشکر کے ساتھ کم از کم ایک درجن کے قریب بڑی لڑائیاں لڑیں اور جھڑپوں کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

دشمن کی تعداد اور نقصانات

مسلمانوں کے مقابلہ میں اہل ایران لاکھوں جوانوں کو میدانِ جنگ میں لے آئے تمام ایرانی اڈ عرب قبائل جنہوں نے مسلمانوں سے جنگ لڑی ان کی کل تعداد پانچ لاکھ سے کم نہیں بنتی۔ دشمن کے جتنے لوگ کھیت رہے ان کی تعداد بھی لاکھوں میں جاتی ہے ان جنگوں کے واقعات کو تسلسل سے بیان کئے بغیر اگر خالی یہ نامہ دیا جائے کہ اٹھارہ سے بیس ہزار کے لشکر کے ساتھ جناب خالدؓ نے بارہ بڑی جنگوں میں ایرانیوں کو شکست دی اور ہر جنگ میں ایرانیوں کی تعداد پچاس ہزار سے کم نہ تھی اور اتنا بڑا وسیع علاقہ فتح کیا تو عسکری تاریخ کا کوئی بھی طالب علم اس بات کو تسلیم نہ کرے گا اور ہے یہ حقیقت۔ بات یہ ہے کہ عسکری تاریخ کا طالب علم ہر چیز کو سو فیصدی دنیا دی پھیپوں سے ناپے گا لیکن دینِ فطرت

کے ساتھ یہ پیمانے نہیں چل سکتے یہاں ان ہونی کو بہت بڑا دخل ہے یہاں اس چیز کو ہم اپنی زبان میں معجزہ کہتے ہیں۔

ایک سوال

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا معجزہ سقوطِ بغداد کے وقت کیوں نہ رونما ہوا۔ محمد شاہ ننگیلے کے زمانے میں کیوں نہ رونما ہوا اور آج کل کیوں رونما نہیں ہو رہا صرف اسی زمانے میں کیوں رونما ہوا تو اس کا جواب یہ ہے ایسے معجزے صرف اسی وقت رونما ہوتے ہیں جب ہمارے مقاصد زندگی ہمارے سامنے ہوں اور ہم اسلامی فلسفہ حیات پر عمل کر رہے ہوں۔

جناب خالدؒ کا طریق کار

جناب خالدؒ نے وہی طرزِ جنگ اپنایا جو ہمارے آقاؐ سکھا گئے تھے۔ طرزِ جنگ، تدبیرات، سلیقہ، ہنر، فن سب زلے ہیں کہ ان کی بنیاد اسلام کے فلسفہ حیات پر باندھی جاتی ہے۔ ایرانیوں نے قدامت پسند قسم کی لڑائی لڑ کر جگہ جگہ مار کھائی۔ تعداد میں برتری کے باوجود کسی ایک جگہ بھی جارحانہ کارروائی نہ کر سکے جناب خالدؒ ان تمام فتوحات کو حاصل کرنے کے بعد بھی خاموشی سے نہ بیٹھے تھے۔ متحرک دین کے شیر، عراق کے شہروں پر پھلپے پہ چھاپہ مار رہے تھے یہ پھلپے زیادہ تر جناب شنیؒ کے ماتحت ہوتے رہے لیکن ایک پھلپے میں خود جناب خالدؒ بھی شریک ہوئے اور یہ چھاپہ بغداد کی منڈی اور بازار پر تھا لیکن اللہ کی تلوار نے اب دنیا کی ایک اور سلطنت کو تہس نہس کرنا تھا چنانچہ نئی بھری یعنی تیرھویں بھری کے چوتھے ہینے میں وہ ملک شام کی طرف روانہ ہوئے اور فاتحین عراق، عراق کو الوداع کہہ رہے تھے جناب خالدؒ اکیلے نہ تھے فاتحین کی آدھی تعداد ان کے ساتھ تھی اسی وجہ سے اس باب کو ان سب کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

خلیفہ اول کا خط

چند دن پہلے جناب خالدؒ کو خلیفہ اول کا خط ملا جس کے بارے میں پچھلے باب میں لکھا تھا کہ طبری نے اس خط کے لئے عتاب کا لفظ استعمال کیا لیکن خط میں ہمیں تو کوئی عتاب والی بات نظر نہیں آتی طبری نے

اس خط پر اور کوئی تبصرہ نہیں کیا لیکن ہمارے اس زمانے کے مبصر طبری کے "عتاب" کے لفظ کو اپنی زبان میں بیان کر کے اضافی لفظوں کی ذمہ داری خواہ مخواہ طبری کے سر ڈال دیتے ہیں "کھتے ہیں خالدؓ نے تھوڑا سا نط رٹھا تو بڑاے لیکن جب خط آگے پڑھا تو دل باغ باغ ہو گیا۔"

تبصرہ

ہم عام طور پر کوئی بیان لکھنے کے بعد اس پر تبصرہ کرتے ہیں۔ لیکن یہاں تبصرہ پہلے ہی پیش کر رہے ہیں کہ وہ کونسا ایسا راوی بیٹھا تھا جس نے جناب خالدؓ کو بڑبڑاتے دیکھا جس کے بارے واقفہ کے تین سو سال بعد طبری کو تو پتہ نہ چلا لیکن چودہ سو سال بعد ہمارے مبصر کو پتہ چل گیا۔ دوم اس میں عتاب نہ تھا بلکہ عزت افزائی تھی اب مکمل خط فارمین کے مطالعہ یا جائزہ کے لئے پیش کرتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بنام خالدؓ بن ولید

از جانب اللہ کا بندہ عتیق بن ابرق قحاذ

اسلام علیکم سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں اور ہم اللہ کے رسول جناب محمد مصطفیٰؐ پر درود و سلام بھیجتے ہیں آپ کوچ کریں یہاں تک کہ آپ مسلمان مجاہدین کے شام کے علاقہ میں اجتماع والے مقامات تک پہنچ جائیں میں آپ کو مسلمان مجاہدوں کی افواج کا سپہ سالار مقرر کرتا ہوں اور حکم دیتا ہوں کہ اہل روم کیساتھ جنگ کریں آپ ابو عبیدہؓ اور اس کے ساتھ والوں کے بھی اعلیٰ افسر یا کمانڈر ہوں گے۔

تیزی کے ساتھ بڑھو اور مقصد کو سامنے رکھو۔ اے ابوسلیمانؓ :- اللہ کی مدد سے اپنی ذمہ داری کو پورا کر دو کیونکہ اللہ کی شان بہت بلند ہے ہمیشہ ان میں سے رہو جو اللہ والے ہیں اور یہ حرکت جو تم نے اب کی ہے آئندہ کبھی تم سے سرزد نہ ہو۔ اپنی فوج کو برابر دو حصوں میں تقسیم کر دو اور آدھی فوج شامی کو دے دو کہ وہ عراق کے سپہ سالار ہوں گے نہ تمہارے پاس زیادہ فوجی جائیں نہ اس کے پاس زیادہ۔ فتح کے بعد آپ عراق واپس آئیں گے اور پھر کمانڈر سنبھال لیں گے۔

یہ خدا کا فضل ہے کہ تمہارے سامنے دشمن کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں اور تم مسلمانوں کو دشمن کے زخموں سے صاف بچا لاتے ہو۔ اے ابوسلیمانؓ! میں تمہارے خلوص اور خوش قسمتی پر تمہیں مبارک باد دیتا ہوں اب اس ہم کو پایہ تکمیل تک پہنچاؤ۔ اللہ تمہاری مدد فرمائے گا۔ تمہارے دل میں فخر پیدا نہ ہونا چاہیے کیونکہ فخر کا

انجام خسارہ اور رسوائی ہے اور نہ اپنے کسی فعل پر نازاں ہونا کیونکہ فضل ذکر م کرنے والا صرف خدا ہے اور ہی اعمال کا صلہ دیتا ہے۔

قارئین کا فیصلہ

اب یہ فیصلہ قارئین کریں کہ اس میں عتاب والی بات کون سی ہے اس لئے طبری کے تبصرہ والی بات تو ادھر ہی ختم ہو جاتی ہے لیکن ہمارے تبصرے سے پوچھیں کہ خط کے شروع میں ایسی کون سی بات تھی جس کو پڑھ کر جناب خالدؒ کو حضرت عمرؓ پر غصہ آیا اور آخر میں کون سی بات تھی جس کو پڑھ کر جناب خالدؒ کا دل باغ بان ہو گیا اگر کوئی خوشی کی بات تھی تو خط کے شروع میں ہے کہ شام کی امارت ملی اور ابو عبیدہؓ پر کمانڈ کیونکہ خالدؒ جناب ابو عبیدہؓ کی شان کو سمجھتے تھے اور جناب صدیق اکبرؓ نے اسی وجہ سے جناب ابو عبیدہؓ کا نام لکھا کہ وہ بھی جناب ابو عبیدہؓ کی شان کو سمجھتے تھے اور خالدؒ کو عزت افزائی کی ساتھ ہی مبارک دے رہے تھے کہ ان کو کتنی بلندی مل رہی ہے۔ خط کے آخر میں جو نصیحتیں ہیں ان میں بھی ہمیں تو کوئی عتاب والی بات نظر نہیں آتی۔ ہاں البتہ ایک فقرہ ہے اور وہ خط کے عین درمیان میں کہ "یہ جو تم نے حرکت کی ہے آئندہ کبھی تم سے سرزد نہ ہو" مؤرخین کا خیال ہے کہ یہ خالدؒ کے حج پر بغیر اجازت جانے کے سلسلہ میں تشبیہ تھی ہمارا یہاں پر مؤرخین کے ساتھ اختلاف ہے کہ اگر حج بغیر اجازت کرتے تو تشبیہ محرم یا صفر کے ہینہ میں ہوتی یہ خط ربیع الاول کے آخری ہفتہ یا ربیع الثانی میں ملا یہ حج اجازت کے بغیر نہیں کیا یہ تشبیہ تھی صرف خالدؒ کو ایک مشورہ تھا کہ وہ اپنی حفاظت کا خیال رکھیں اور درجا کر بغداد میں چند محافظوں کے ساتھ چھاپہ مارنے کا جو کام پہ سالارِ اعظم کی حیثیت سے کیا تھا وہ نہیں کرنا چاہیے تھا اور اس سلسلہ میں کوئی مفصل خط شاید پہلے بھی لکھا ہو وہاں تو ہر ہفتہ خط آتے ہوں گے حج کے سلسلہ میں چار ماہ بعد تشبیہ والی بات بھی اتنا ہی افسانہ جتنا حج پر بلا اجازت جانکی بات

شکر کی تقسیم

شکر کی تقسیم اور مجاہدین کے الوداع کے واقعات وہ ہی بیان کر سکتے ہیں جس نے ایسا نظارہ کبھی خود دیکھا ہو۔ آپ لوگوں نے خود کئی دفعہ اپنی یونٹوں سے لوگوں کو دوسری یونٹ میں جاتے وقت الوداع کیا ہوگا۔ کئی افسران کو اس پیز سے واسطہ پڑتا ہے زندگی میں ایسے کئی واقعات سے واسطہ پڑا بلکہ محاذ جنگ پر

سے کئی لوگوں کو الوداع کہنا پڑا ہے بلکہ خود اقم نے بھی دودھ نماز جنگ پر اپنے ان ساتھیوں کو الوداع کہا جن کیساتھ دشمن کے فائر کے نیچے رہا۔ خاص کر فروری ۱۹۶۶ء میں جب میں اپنے عزیز ساتھیوں کو بی آر بی پر الوداع کر رہا تھا اور مجاہدین کی ایک اور بٹالین کو کنٹرا کر کے محاذ پر لانے کے لئے تیار ہو رہا تھا تو وہ گھڑیاں اور الوداع مجھے کبھی نہیں بھول سکتا۔

جناب خالدؒ کی لشکر کی تقسیم

جناب خالدؒ نے لشکر بالکل آدھا آدھا بانٹ دیا لیکن جن کو زیادہ جانتے تھے اور صحابہ کرام کو زیادہ تر اپنے لشکر کا ہی حصہ بتایا اور پھر جناب ثنیٰؒ کو لشکر کی تقسیم کے بارے میں بتایا۔

جناب ثنیٰؒ کی عرضداشت

جناب ثنیٰؒ پہلے مسکرائے پھر عرض کی "اے سالار لشکر! آپ نے خلیفہ اولؓ کے خط سے مجھے صحیح طور پر آگاہ کیا اس کیلئے میں آپ کا شکر گزار ہوں اے سالار لشکر کی بانٹ ویسے ہی ہونا چاہیے جیسے خلیفہ اولؓ نے لکھی ہے اور آپ نے مجھے پڑھ کر سنائی پھر آبدیدہ ہو کر عرض کی "اے سالار لشکر۔ بخدا صحابہ کرامؓ کے بغیر مجھے دشمن پر کامیاب ہونے کی امید نہیں ہے۔ آپ مجھے ان حضرات سے کیوں محروم کرتے ہیں؟"

تبصرہ

خدا کا شکر ہے کہ کسی مبصر نے دو عظیم سالاروں کی اس گفتگو یا واقعہ کو تفرقہ بنا کر پیش نہیں کیا لیکن ہمارے لئے جناب ثنیٰؒ کے الفاظ میں بڑا سبق ہے کہ وہ صحابہ کرامؓ کی شان کو سمجھتے تھے اس لئے ہمیں بھی صحابہ کرامؓ کی وہی عزت کرنا چاہیے جو ثنیٰؒ جیسے عظیم مجاہد کو اللہ تعالیٰ نے نصیب فرمائی۔

جناب خالدؒ کا جواب

جناب خالدؒ یوں گویا ہوئے۔ اے ابن حارث! بے شک آپ صحیح فرماتے ہیں میں غلط تھا اب بانٹ اسی طرح ہوگی کہ اگر عقدا میرے ساتھ جائیں گے تو ان کے بھائی عاصمؓ آپ کے ساتھ رہیں گے جناب مقرر کے

تھنے بیٹوں میں سے جن کو چاہو اپنے پاس رکھ لو اور اتنے ہی مجھے دے دو اگر ضرور بن ازور میرے ساتھ جائینگے
تو بوسیا صحابہ کرام سے جن کو چاہو اپنے پاس رکھ لو وغیرہ

شکر کی دوبارہ بانٹ

بہر حال شکر اس طرح بانٹا گیا کہ جناب شنی کو پوری تسلی ہو گئی کہ اسلام کے لحاظ سے بندوں کو
تلا کرتے ہیں گنا نہیں کرتے جس کا کردار بتدہود ہی اللہ کے ہاں برتر ہے اور صحابہ کرام کی شان کسی اور کو حاصل نہیں
ہو سکتی جناب شنی کے شکر میں مذکور صحابہ کے علاوہ حضرت فرات بن حیان، حضرت بشر بن الحفاصہ، حضرت حارث بن
حسان، حضرت عبداللہ بن ابی اوفی، حضرت حارث بن بلال اور حضرت معبد جیسے جلیل القدر صحابہ بھی موجود تھے

جناب خالد کا کوچ

جناب خالد کے عراق سے کوچ کے نظارہ کو اور سفر کے حالات کو دوسری کتاب میں بیان کیا جائے گا۔ جناب
ثنیٰ نے کئی سو میل اپنے عظیم سپہ سالار کے ساتھ سفر کیا اور قراقرم گئے لیکن اللہ کے حبیب کے غلاموں کا یہ سفر
جو ایک فتح عظیم کے بعد کئی فتوحات کو اپنے اندر رکھے ہوئے ایک مکمل باب کے طور پر حصہ ددم کی زینت بنے گا
خالد اور ثنیٰ کی الوداعی بغل گیری اور اس سفر میں دونوں کی رفاقت کو ہمارے مؤرخین نے بڑے مختصر الفاظ میں بیان
کیا ہے۔ قارئین کو یاد ہو گا کہ یہ عظیم مجاہد سب سے پہلے نجاچ میں ملے جہاں پر حضرت ثنیٰ نے اللہ کی تلوار کو خوش
آمدید کہا۔ وہاں عراق کی سرحد شروع ہوتی تھی۔ آج شام کی سرحد پر قراقرم کے مقام پر ایک دوسرے کو الوداع کر
رہے تھے شہادت میں جناب ثنیٰ کو سبقت حاصل ہو گئی لیکن اللہ کی تلوار کو دشمن کی تلوار گزند نہ پہنچا سکی یہ بیان دوسری
جلد میں کچھ مکمل ہو گا لیکن اب ذرا ہم اپنے دل میں جھانک کر دیکھیں کہ کیا ہم اسی قوم سے تعلق رکھتے ہیں جس نے
جناب خالد اور جناب ثنیٰ جیسے عظیم فرزند پیدا کئے۔ افسوس کہ ہم اسلام کی جگہ دنیاوی چکر میں ہیں۔

”کھو نہ جا اس سحر د شام میں اے صاحب ہوش

اک جہاں اور بھی ہے جس میں نہ فرزا ہے نہ دوش“ اقبال

بستر ہواں باب بابل کی جنگ

مثنیٰ بن حارث

جناب خالدؓ کا عراق سے کوچ اور شام کی طرف روانگی کو دشمن سے چھپایا نہ جاسکا۔ ایرانی خوش تھے کہ اب مسلمان اہل روم کے ساتھ اُلجھ کر رہ جائیں گے۔ اس لئے ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ مسلمانوں کو عراق سے باہر نکال دیں گے۔ اس میں شک نہیں کہ جناب مثنیٰؓ کو وہ مقام حاصل نہیں جو اللہ کی تلوار کو حاصل ہے اور یہ اللہ کی دین اور عطا ہے لیکن فوجی بصیرت، غیر تمندی اور نبض شناسی کے لحاظ سے جو مقام جناب مثنیٰؓ کو حاصل ہے، دنیا کی عسکری تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اسلام کے یہ عظیم فرزند دنیا کے عظیم ترین فوجی ماہرین میں شمار کئے جاسکتے ہیں۔ ان صفات کے علاوہ عالی حوصلگی، شجاعت، دلیری، ثابت قدمی اور میدان جنگ میں چوکنے رہنے میں بھی ان کے مقابلے کے بہت کم لوگ نظر آتے ہیں۔

جناب مثنیٰؓ بن حارث کی وفاداری، اطاعتِ امیر، اسلامی فلسفہ کی غلامی، اسلام کے پرچم کو بلند رکھنے کی کوشش اور اسلام کی خدمت میں اس طرح رواں دواں رہنا کہ اسلام اور عسکریت ان کا اور ہنسا بچھونا بن جانے۔ ایسی خصوصیات ہیں جو انسان کو بے حد متاثر کرتی ہیں۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران اور اس کے بعد جب دوسروں کی عسکری تاریخ کچھ عرصہ تک میرے مطالعے میں رہی تو اسلام کے جن عظیم مجاہدین کے سامنے مجھے غیروں کے بڑے بڑے جرنیل بونے نظر آئے ان مجاہدین میں جناب مثنیٰؓ بھی شامل ہیں۔ خاص کر آنے والے واقعات اور حالات کو برزقت بھانپ لینے کا عکہ جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمایا تھا اس کی مثال نہیں ملتی۔ جناب مثنیٰؓ کی نظر ہر آنے والے واقعہ کو سمجھنے کی جو بصیرت رکھتی تھی اور پھر وہ آنے والے واقعات کے ساتھ دوچار ہونے کے لئے جو تجویز بناتے تھے اور جو پیش بینی انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت ہوئی تھی وہ سنہری الفاظ میں لکھنے کے قابل ہے۔

تبصرہ

آنے والے واقعات کا صحیح اور برزقت تجزیہ کر کے حالات کے ساتھ دوچار ہونے کی ضرورت ہر سطح پر

ہوتی ہے اور جس قوم کے فرد ہر سطح پر ایسی سوچ رکھتے ہوں یا ان میں ایسی سوچ پیدا کی جائے تو وہ قوم کبھی ناکام نہیں ہوتی۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم نے اس سلسلہ میں کبھی کوئی کوشش نہیں کی کہ آنے والے واقعات کا جائزہ لیں اور اپنے ذمہ دار آدمیوں کو اس کی تربیت دیں کہ وہ بروقت کارروائی اور حالات کے ساتھ کامیابی سے دوچار ہونے کے لئے تیار ہوں۔ جس قوم کے رہنما ماضی کے حالات کا تجزیہ کر کے اپنے حالات درست نہیں کرتے کہ مستقبل کے حالات ان کی مرضی کے مطابق چلیں۔ وہ قوم زیادہ دن عزت کی زندگی نہیں گزار سکتی۔ وہ غیروں کے اشاروں پر ناپختہ رہتے ہیں اور ان کی سب کارروائیاں رد عمل کے طور پر ہوتی ہیں۔ ان تمام اگلے ابواب میں یا تو جناب مثنیٰ رضی اللہ عنہ کے اپنے عمل ہیں یا ان کی سوچ کے مطابق خلفاء راشدین نے جو حکمت عملی مقرر کی وہ کامیاب رہی اور جو کچھ اس وقت تک ہوا اس حکمت عملی کے تعین میں بھی جناب مثنیٰ رضی اللہ عنہ کی سوچ اور اسے لے کر میدان جنگ کی کارروائی کی سطح تک شامل تھی کیونکہ حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ واقعات سے آگے آگے چلتے تھے۔

فوجی چوکیوں کا اہتمام

جناب خالد رضی اللہ عنہ کے شام کی طرف کوچ کے بعد حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے ”خالی جگہوں“ کو پر کیا اور تجربہ کار اسرا کو آگے والی چوکیوں پر متعین کیا۔ اپنی چوکی پر اپنے بھائی جناب معنی رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔ یہ اہم مقام تھا اور دریائے دجلہ کے کنارے سب کے علاقہ میں واقع تھا۔ ضرار رضی اللہ عنہ بن الازور کی جگہ اپنے چھوٹے بھائی جناب مسعود کو متعین کیا۔ ایک اور خاص مقام پر جناب مدعور رضی اللہ عنہ بن عدی کو مقرر کیا۔ آپ کا تعلق بنو عجل سے تھا۔ جناب ضرار رضی اللہ عنہ بن خطاب کی جگہ آپ نے عظیم صحابی حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ بن النہاس کو مقرر کیا۔

حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ کا جائزہ

حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ کی دور رس نگاہ بھانپ چکی تھی کہ جناب خالد رضی اللہ عنہ کے چلے جانے کے بعد ایرانی ضرور کوئی بھرپور کارروائی کریں گے۔ اس لئے اگر مسلمان فوجی دستے اپنی چوکیوں میں دبک کر بیٹھ گئے تو یہ ایک انفعالی دفاع ہوگا اور پھر عراق میں مسلمان زیادہ دیر نہ ٹھہر سکیں گے۔ اس لئے انہوں نے حکم دیا کہ متحرک ہو جاؤ اور جگہ جگہ دشمن پر چھاپے مارتے رہو۔ یہ چھاپے اور پرانبار کے علاقے میں تو محدود علاقوں میں تھے لیکن واسط اور مدائن کے علاقوں میں ان کو تیز تر کر دیا گیا۔ ایرانی اس طرز جنگ میں تو مسلمانوں کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے اور ہلکے پھلکے مسلمان دستوں نے

ان کا ناک میں دم کر دیا۔ ایرانیوں کے لئے ان حالات میں بہتر تھا کہ وہ کسی لشکر کے ساتھ مسلمانوں کے مرکز پر حملہ آور ہوں۔ جنگ کے اصولوں کے لحاظ سے یہ صحیح طریق کار ہے کہ ”بمنع“ کو ختم کر دو۔ لیکن حضرت ثنیٰ رضی اللہ عنہما سے ایک قدم آگے تھے۔ انہوں نے سوچا ہوا تھا کہ ایرانیوں کے پاس اس کے بغیر اور کوئی چارہ کار باقی نہیں اور وہ اس کے لئے تیار تھے۔

کسریٰ کا جناب ثنیٰ کو خط

ایران کے بادشاہ کے پاس کچھ نہ کچھ فوج تو موجود رہتی تھی کہ مسلمانوں کے خلاف کوئی کارروائی کرے۔ لیکن ایران کے بادشاہ شہر بزار نے بے دقتی یہ کہ اپنی طرف سے ایک ”ذلت آمیز“ قسم کا خط بھی جناب ثنیٰ رضی اللہ عنہما کو لکھ دیا، جس کے الفاظ کچھ اس قسم کے تھے۔

”یہ خط شہر بزار کی طرف سے ثنیٰ رضی اللہ عنہما کو لکھا جاتا ہے۔ تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ میں تمہارے مقابلے کے لئے اہل فارس کی رذیل اور کمینہ فوج بھیج رہا ہوں یہ لوگ مرغیاں اور خنزیر پالنے والے ہیں۔ میں تمہیں انہی لوگوں کے ہاتھ سے قتل کراؤں گا۔“

حضرت ثنیٰ رضی اللہ عنہما کا جواب

اب اسلام کے عظیم فرزند کا جواب سنیں!

”یہ خط ثنیٰ رضی اللہ عنہما کی طرف سے شہر بزار کے نام لکھا جاتا ہے۔ جو تم نے لکھا ہے تم خود بھی وہی ہو۔ اس لئے اس میں تمہارے لئے برائی اور ہمارے لئے بھلائی ہے۔ یا تم بھوٹ بول رہے ہو مگر یاد رکھو کہ اگر بادشاہ بھوٹا ہوتا ہے تو وہ زیادہ لڑا کا حق دار ہوتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کی نظر میں ذلیل ہوتا ہے۔ تمہارے خط سے ہم یہ مفہوم نکالتے ہیں کہ تم ان ڈبلیوں اور کمینوں سے کام لینے پر مجبور ہو گئے ہو۔ لہذا ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں جس نے تمہارے کبر و مکر کو بجز بیاں، مرغیاں اور خنزیر پالنے والوں تک پہنچا دیا۔“

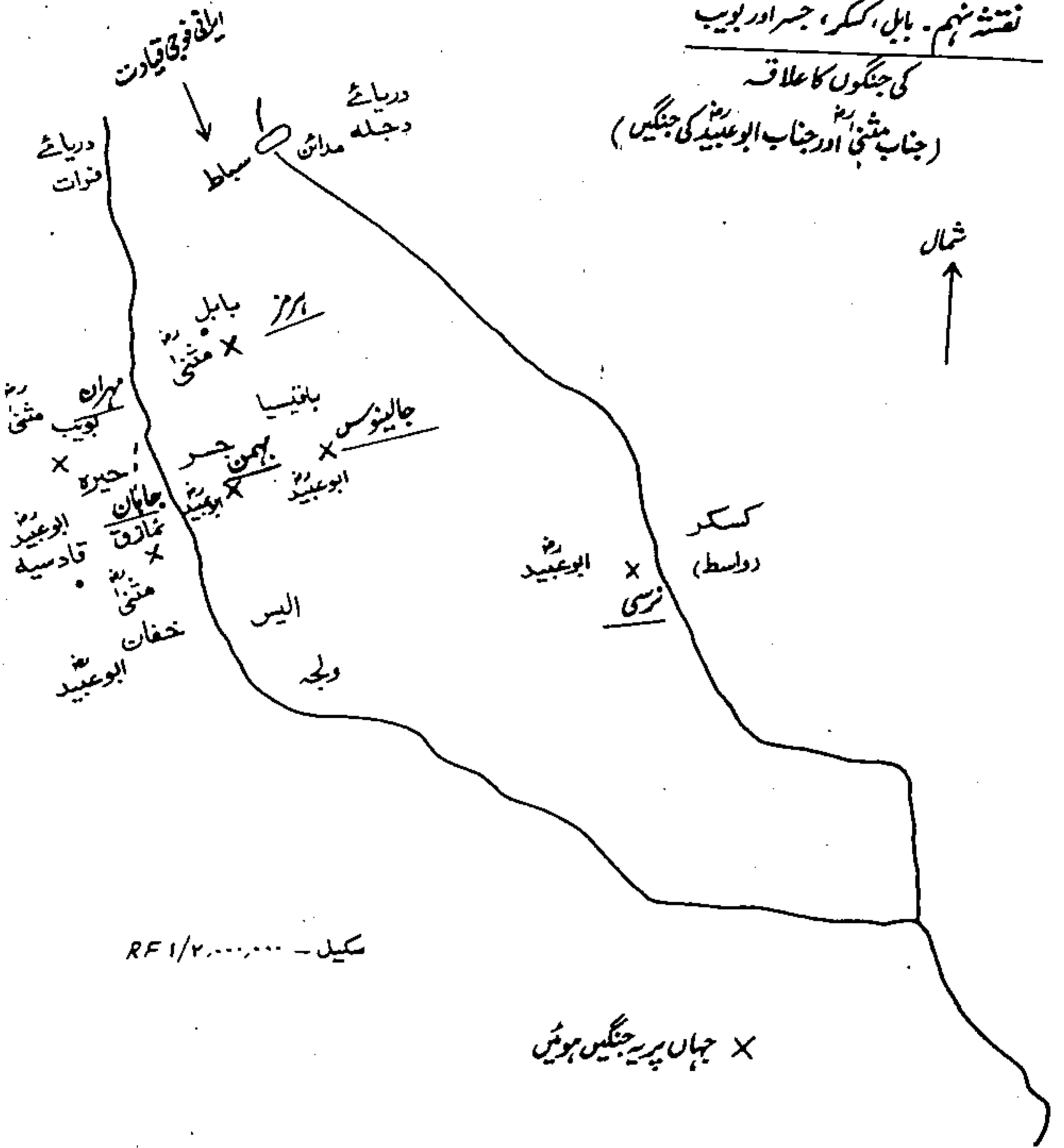
طبری کے مطابق اس خط و کتابت نے مدائن کے لوگوں پر بڑا اثر کیا۔ خاص کر بادشاہ کے خط نے لوگوں کو بڑا اثر سار کیا۔

نقشہ نہم۔ بابل، کسر، جسر اور بویب

کی جنگوں کا علاقہ

(جناب مثنیٰ اور جناب ابو عبید کی جنگیں)

شمال
↑



جنگ کی کارروائی

مؤرخین جنگ کی کارروائی کی تفصیل میں نہیں جاتے اور صرف یہ کہتے ہیں کہ بابل کے نزدیک کنڈ کے پاس شدید لڑائی ہوئی۔ ایرانی فوج میں ایک ہاتھی بھی تھا جس پر حملہ کر کے مسلمانوں نے اس کو مار دیا۔ اہل فارس نے شاست کھائی۔ مسلمانوں نے دشمن کا مدائن تک تعاقب کیا۔ اس شکست کی خبر سن کر شہر بازار کا بھی انتقال ہو گیا۔

ایران میں تخت نشینی کا جھگڑا اور اندرونی خلفشار

اسی زمانے میں مؤرخین ایران کے اندرونی خلفشار اور حکومت کے جھگڑوں کی تفصیل لکھتے ہیں۔ ان کے مطابق ایک سال کے اندر اندر ایک مرد باشاہ ساہوریا صبور اور دو عورتیں تخت پر بیٹھیں اور آخر میں ملک کا بادشاہ یزدجرد بن گیا اور رستم وزیر جنگ کی حیثیت سے کرتا دھرتا ہو گیا۔ عورتوں میں سے آذر میدخت بڑی خوبصورت تھی اور ہر شہزادہ یا جنرل اس کے ساتھ شادی کا خواہاں تھا۔ اس شادی کی خواہشات اس وقت ظاہر کی گئیں جب وہ تخت پر بیٹھی۔ شہنشاہ صبور نے اسکی شادی جنرل فرخ زاد سے کرینا فیصلہ کیا تھا۔ مؤرخین میں اس سلسلہ میں اختلاف ہے لیکن یہ صحیح ہے کہ آذر میدخت نے فرخ زاد کو مدائن بلا کر دھوکے سے مروادیا کیونکہ فرخ زاد پورے آدمی تھا اور شہزادی کو بات پسند نہ آئی تھی۔ فرخ زاد کا بیٹا رستم جو خراسان میں باپ کا نائب تھا، اس نے دارالحکومت پر حملہ کر کے آذر میدخت کو مروادیا اور یزدجرد کو کہیں سے ڈھونڈ نکالا اور اس کو تخت پر بٹھا دیا اور خود وزیر جنگ بن گیا۔ یہ سب جھگڑے جنگ بابل کے بعد ہی تھوڑے عرصہ میں ظہور پذیر ہو گئے۔

حضرت ثنیٰ کی مدینہ کو روانگی

اب اندازہ لگائیں کہ حضرت ثنیٰ کی جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو وہ خوش ہوتا کہ ایرانیوں میں خلفشار ہے اور آرام سے بیٹھ جائے کہ جو کچھ حاصل ہو گیا ہے اسی پر مزے سے حکومت کرتا یا ایرانیوں کی کمزوری اور خلفشار کو دیکھ کر اپنے آپ کو ایرانیوں کے ساتھ جنگوں میں الجھا بیٹھتا لیکن جناب ثنیٰ کو بقول علامہ اقبال اللہ تعالیٰ نے "دل بینا" عطا کیا ہوا تھا اور مومن کی فراست آپ کے حصہ میں کافی زیادہ آئی ہوئی تھی، جس بارے میں حضور پاک فرما گئے تھے کہ "مومن کی فراست سے ڈرتے رہو کہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے" تو جناب ثنیٰ

بھی اللہ کے نور سے دیکھتے تھے اور وہ واقعات کو بھانپ گئے کہ ایران کا بھگتا ہوا چراغ اب آخری مدنی دے رہا تھا لیکن جناب مثنیٰ رضی اللہ عنہ کی تو دس ہزار فوج ایران کے ان علاقوں میں کسی ایک مقام کی حفاظت بھی نہیں کر سکتی تھی۔ انہوں نے لشکر کی کمانڈ جناب بشیر رضی اللہ عنہ کو سونپ دی۔ آپ عظیم صحابی تھے۔ اور جناب مثنیٰ رضی اللہ عنہ مدینہ روانہ ہو گئے۔ جناب مثنیٰ رضی اللہ عنہ ان تک مجاہد تھے وہ بڑے سے بڑا لشکر تیار کرنا چاہتے تھے اور ان نو مسلم کو بھی لشکر اسلام میں داخل کرنے کے حق میں تھے جو توبہ کر چکے تھے لیکن جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایسے لوگوں کی مجاہدین میں شمولیت پر پابندی لگا رکھی تھی۔ گو معانی سب کو مل گئی تھی یعنی ان کا امتحان اس وقت تک پورا نہ ہوا تھا۔ یہ نکتہ سمجھنے سے تعلق رکھتا ہے کہ اسلام لاؤ لشکر تیار کرنے اور ان کی مدد سے دنیا کو تہس نہس کرنے کے حق میں نہیں اور نہ "کرایہ کے سپاہی" کی اسلام میں گنجائش ہے۔ اسلام میں اول ضرورت یہ ہے کہ انسان خود اسلامی فلسفہ حیات پر عمل کر رہا ہو تو وہ تب ہی جہاد میں شرکت کر سکتا ہے اور جب تک آدمی اس معیار پر پورا نہیں اترتا، اس کو مجاہدین میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔ فیلڈ مارشل ویول کے لحاظ سے سپاہی چور ہے، ڈاکو ہے اور رہزن ہے لیکن اسلام اس تصور کو غیر اسلامی کہتا ہے۔ یہاں ہر مجاہد کا کردار بلند ترین ہونا چاہیے۔

جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیماری

جب جناب مثنیٰ رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچے تو خلیفہ اول بیمار تھے۔ جناب مثنیٰ رضی اللہ عنہ کو دوسری بار یار غار رضی اللہ عنہ کی زیارت ضرور نصیب ہوئی لیکن یار غار رضی اللہ عنہ اب اللہ کے حبیب کے پہلو میں جلد آرام فرمانے والے تھے خلیفہ اول کی دور رس نگاہیں سب کچھ دیکھ چکی تھیں۔ وہ جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین نامزد فرما چکے تھے۔ جناب عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان کی جناب مثنیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ملاقات کرائی اور یہ احکام صادر فرمائے:

"اے ابن خطاب رضی اللہ عنہ! میں جو کچھ کہتا ہوں۔ اس کو غور سے سنو۔ پھر اس پر عمل بھی کرنا۔ آج دو شنبہ کا دن ہے۔ میں توقع کرتا ہوں کہ میں آج ہی انتقال کر جاؤں گا۔ اگر میں انتقال کر جاؤں تو شام ہونے سے پہلے لوگوں کو جہاد کی ترغیب دے کر جناب مثنیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر دینا۔ میری موت کی مصیبت خواہ کتنی ہی عظیم ہو۔ تم دین کے احکام اور ادا امر خداوندی کی تعمیل میں ہرگز تاخیر نہ کرنا۔ تم نے دیکھا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت میں نے کیا کیا تھا۔ حالانکہ وہ ایک عظیم ترین حادثہ تھا۔

تبصرہ

یہ دونوں خط تاریخ کا حصہ ہیں۔ بادشاہ کا خط گیدڑ بھبھکی ہے اور جناب ثنیٰ رضی اللہ عنہما کا جواب ادب کا ایک شہ پارہ ہے۔ خط میں پختگی، ثابت قدمی، مومن کی فراست اور اسلامی فلسفہ حیات کی جھلکیاں نظر آتی ہیں یعنی اسلام نے ایک عام قبیلہ کے سردار کو بادشاہ کے مقابلے میں ہر لحاظ سے بہت بلند کر دیا لیکن افسوس کہ ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد ہم نے بھی ایرانی بادشاہ کی طرح گیدڑ بھبھکیوں پر گزارا کیا اور پھر نتیجہ دسمبر ۱۹۷۱ء میں دیکھ لیا۔

ہرمز کی پیش قدمی

جناب ثنیٰ رضی اللہ عنہما بن حارث چونکے تھے ایرانی بادشاہ کے خط کے بعد انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ ایرانی فوج پیش قدمی کرے گی۔ ان کو اپنی چوکیوں سے لمحے لمحے کی خبر مل رہی تھی۔ وہ دشمن کی تاک میں تھے۔ جیسے ہی ایرانی جنرل ہرمز نے دریائے دجلہ کو ایک لشکر کے ساتھ پار کیا۔ حضرت ثنیٰ رضی اللہ عنہما کو خبر مل گئی۔ یہ ایک نیا ہرمز تھا جو کہ پچاس ہزار درہم کی ٹوپی پہنتا تھا اور ہرمز جاذبہ کہلاتا تھا۔ ایرانی لشکر کی تعداد کے بارے میں مورخین کچھ خاموش ہیں اور کچھ بعد کے مورخین کا خیال ہے کہ ایرانی لشکر دس ہزار کے قریب تھا۔ ممکن ہے یہ صحیح ہو کہ انکے خیال کے مطابق جناب خالد رضی اللہ عنہما چلے گئے تھے اور اب مسلمان ایک "ترنوالہ" تھے لیکن باقی تمام جنگوں کی نفی کا تجزیہ کرتے ہوئے ہمارا اندازہ ہے کہ ہرمز کے لشکر کی نفی پندرہ ہزار سے زیادہ ہی ہوگی۔

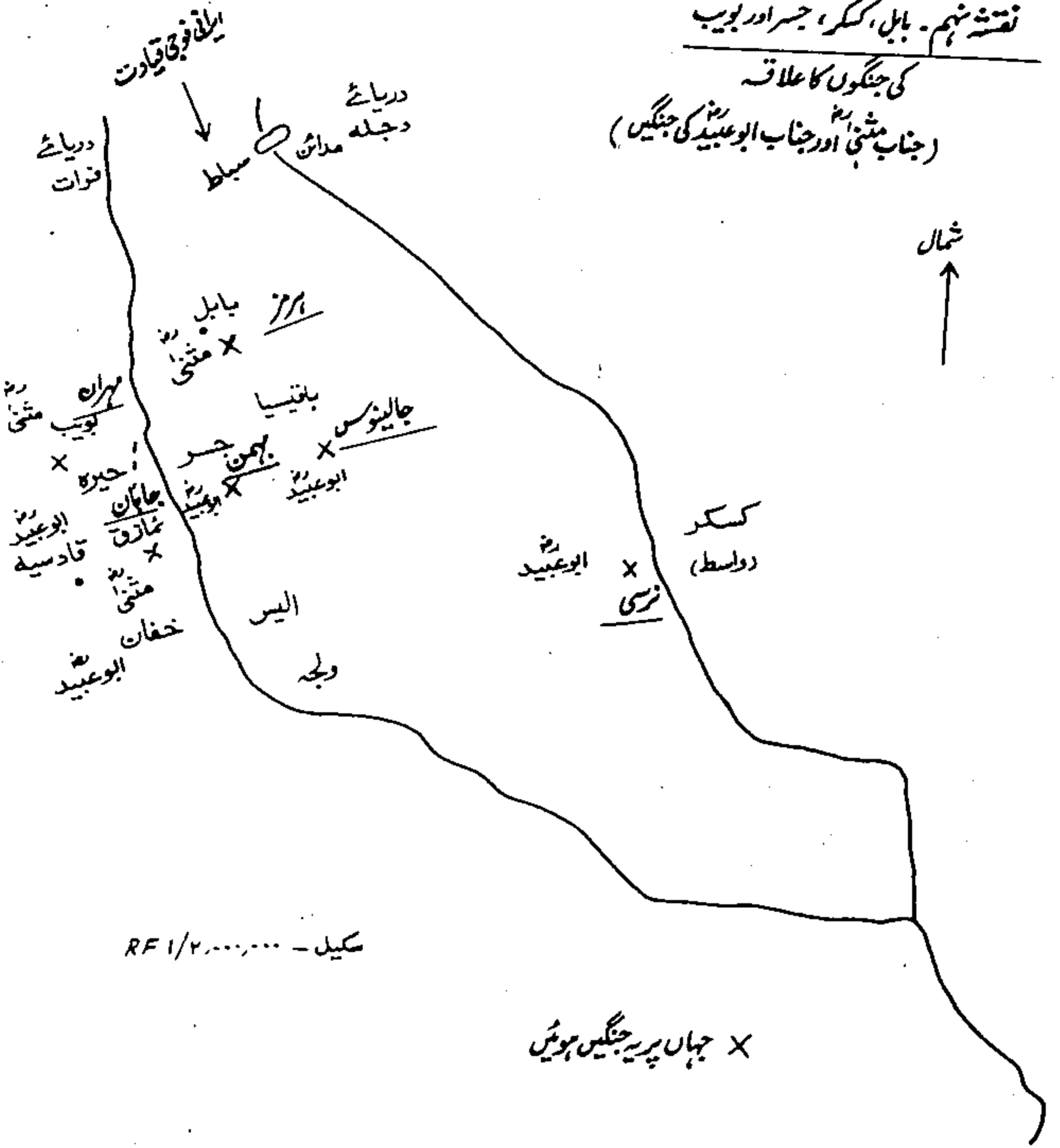
جناب ثنیٰ رضی اللہ عنہما کو جیسے یہ خبر مل آپ نے حیرہ میں انتظار نہ کیا اور اپنے ساتھ آٹھ ہزار مجاہدین لے کر باطل کو ختم کرنے کے لئے روانہ ہو گئے اور دریائے فرات کو پار کیا۔ نقشہ نہم کی مدد سے حضرت ثنیٰ رضی اللہ عنہما اور ہرمز دونوں کی پیش قدمی کا مطالعہ کریں کہ جناب ثنیٰ رضی اللہ عنہما نے حیرہ سے آگے بڑھ کر بابل کے مقام کے نزدیک ایک ایسی جگہ پر صف بندی اختیار کی جہاں دریائے فرات کا پھوٹا سا معادن دریا گذرتا تھا۔ آپ نے اس چھوٹے دریا کو دفاعی پوزیشن میں استعمال کیا۔ جناب خالد رضی اللہ عنہما کو گئے ہوئے ابھی چند ہفتے ہی ہوئے ہوں گے۔ یہ واقعہ بھی تیرہ ہجری کے ربیع الثانی کے آخری ایام کا ہے۔

نقشہ نہم۔ بابل، کسکر، جسر اور بویب

کی جنگوں کا علاقہ

(جناب مثنیٰ اور جناب ابو عبید کی جنگیں)

شمال
↑



سکینہ - RF 1/2, ..., ...

X جہاں پر یہ جنگیں ہوئیں

اگر میں اس وقت خدا اور رسولؐ کے احکام کی تعمیل میں ذرہ بھر بھی تاخیر کرتا تو خدا ہم کو ذلیل کرتا
ہم کو سزا دیتا وغیرہ۔“

تبصرہ

قارئین! خلیفہ اول کے الفاظ کو دو بار، تین بار پڑھیں، گہرائیوں میں غوطہ لگائیں۔ پھر بھی ان
الفاظ کو کسی معنی میں بند نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے معانی رہتے رہتے زمانے تک نکلتے رہیں گے اور وہ لوگ جو
جناب صدیق اکبرؓ کی جناب اسامہؓ کے شکر کو بھیننے پر معترض ہیں کہ حکمت عملی یہ تھی اور وہ تھی۔ ان
کا جواب جناب خلیفہ اول خود دے رہے ہیں اور ہم نے جان بوجھ کر اس چیز کو اپنے تجزیہ میں شامل نہ
کیا اور سبقتی یاد رکھیں کہ اللہ اور رسولؐ کے احکام کی تعمیل میں کوتاہی ہمیں ذلیل کرتی ہے۔ جہاد کو اولین
حیثیت حاصل ہے اور جہاد سے گریز غلامی کا طوق گلے میں ڈال دیتا ہے۔

آج حضرت عمرؓ انہی حالات سے دوچار تھے۔ جن حالات میں جناب صدیق اکبرؓ حضور پاکؐ
کی وفات کے وقت تھے۔ آج اسامہؓ بن زیدؓ کی جگہ مثنیٰؓ بن حارث تھے اور عراق کی زمین اللہ
والوں کو دعوت دے رہی تھی کہ آؤ ادھر اللہ اور رسولؐ کا نام بلند کرو۔

جناب مثنیٰؓ کی سعادت

جناب مثنیٰؓ کو اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت بھی دینا تھی کہ یار غارؓ کے جنازے اور تدفین میں شرکت
کریں۔ جناب صدیق اکبرؓ کے جنازہ میں شرکت کرنے والوں پر جو رحمت کی بارش برسی ہوگی اس کو مورخین
نے بیان نہیں کیا اور یہی بات باقی صحابہ کرامؓ کے بارے ہے۔ یہ شاید اللہ کا راز ہے۔ ہم اس سلسلہ
میں صرف تصور کر سکتے ہیں کہ چند ایسے لوگوں کے ساتھ ملاقات ہوئی جنہوں نے قائد اعظمؒ، علامہ اقبالؒ
غازی علم الدین شہید اور غازی مرید حسین شہید کے جنازوں میں شرکت کی اور کچھ کے اس سلسلہ میں تاثرات
بھی پڑھے۔ اگر بیسویں صدی میں اللہ کی رحمت اتنی ہوتی ہے تو حضور پاکؐ کے رفا کے زمانے میں
جو رحمت برستی تھی۔ اس کو برداشت کرنے والے بھی اسی زمانے کے ہی لوگ تھے۔

اسلام کے اس عظیم فرزند حضرت مثنیٰؓ کی جناب عمرؓ کے ساتھ بھی یہ آخری ملاقات تھی۔

اس کے کچھ عرصہ بعد جناب شعیب رضی اللہ عنہما نے اپنے بستر مرگ پر آئندہ کے طریق کار کے لئے وصیتیں فرمائی تھیں کہ ایران کی فتح کے لئے کیا حکمت عملی اختیار کی جائے اور یہ ہے۔ مسلمان کا فلسفہ حیات کہ وہ سب کچھ اللہ اور اللہ کے رسول کے لئے کرتا ہے اس کا مرنا اور جینا اللہ ہی کے لئے ہے۔ وہ مرتے وقت بھی اللہ کے احکام کی پیروی کی بات کرتا ہے۔

جناب ابوبکر رضی اللہ عنہما

جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہما اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کی جانشینی ایک الگ باب کا مضمون ہے لیکن چونکہ دوسری کتاب میں فتوحات شام کے سلسلہ میں خلیفہ اول کی حکمت عملی کا بیان باقی ہے اور ادھر بھی جناب ابوبکر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں فتوحات ہوئیں۔ اس لئے انصاف کا تقاضا ہے کہ اس اہم مضمون کو دوسری کتاب کے پانچویں باب میں بیان کیا جائے کہ حالات کا مکمل تجزیہ پیش ہو سکے۔ فی الحال طبقات ابن سعد کے حوالے سے حضور پاک کے دونوں رفقاء کے بارے میں صرف اتنا لکھا جاتا ہے جو سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما نے آپ دونوں کے بارے میں فرمایا:

” وہ دونوں ہدایت کے امام، راستہ پانے والے، راستہ بتانے والے اصلاح کرنے والے اور کامیابی حاصل کرنے والے تھے جو دنیا سے اس طرح گئے کہ شکم میرینہ تھے۔“

صدیق اکبر کے احکام کی تعمیل

سیدنا عمر رضی اللہ عنہما نے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہما کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوتے ہی حضرت شعیب رضی اللہ عنہما کے لئے فوج کو بھرتی شروع کر دی۔ مورخین نے کافی وضاحت اور تفصیل کے ساتھ ان خطبات کا بھی ذکر کیا ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت شعیب رضی اللہ عنہما نے دیئے۔ مورخین نے البتہ یہ تاثر بھی دیا ہے کہ صرف چند لوگ جہاد کے لئے تیار ہوئے وغیرہ۔ یہ سب نا سچی کا نتیجہ ہے۔ آخر مدینہ میں کتنے لوگ موجود ہوں گے۔ عراق کی مہم میں بھی لوگ گئے، موئے تھے۔ چار لشکر شام میں جہاد میں مصروف تھے۔ پانچواں لشکر جناب خالد رضی اللہ عنہما کا بھی ادھر پہنچ چکا تھا اور پہلے جب جناب خالد رضی اللہ عنہما نے خلیفہ اول سے مکہ کی درخواست کی تھی تو خلیفہ اول نے اکیلے حضرت قعقاع رضی اللہ عنہما کو بھیجا تھا۔ خطبات کا مطلب یہ تھا کہ ان کو مسافر، کارواں والے اور آنے جانے والے لوگ اور دوسرے

قبائل تک جان لیں کہ فلاں جگہ جہاد میں شرکت کی ضرورت ہے۔ کچھ لوگوں کو احکام دیئے جاتے تھے کہ اطراف میں پھیل جائیں اور افواج بھرتی کریں۔ اس زمانے میں مرتدین پر پابندی بھی تھی۔ خلیفہ اذان نے وفات سے پہلے یہ پابندی ختم نہ کی اور حضرت عمرؓ بھی پابندی جلدی ختم نہ کر سکتے تھے۔ بہر حال ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ اس قسم کے احکام دے دیئے گئے کہ ہر آدمی کا معاملہ چھان بین کر کے صحیح لوگوں کو جہاد میں شرکت کی اجازت دے دی جائے۔ گو مؤذنین اس سلسلہ میں خاموش ہیں۔ لیکن اگلے ابواب میں مشہور مرتدین میں سے توبہ کرنے والے چونکہ محاذوں پر پہنچ گئے۔ اس لئے اس قسم کی رائے پیش کی جا رہی ہے۔

حضرت ابو عبیدہ ثقفیؓ

عراق کی سپہ سالاری کے لئے حضرت عمرؓ نے جناب ابو عبیدہ رضی بن مسعود کو نامزد فرمایا جن کا تعلق قبیلہ ثقیف سے تھا۔ اکثر اہل قلم آپ کو اور جناب ابو عبیدہ رضی بن جراح امین الامت کی ایک شخصیت سمجھ کر کئی دفعہ واقعات کو غلط رنگ دے دیتے ہیں۔ جناب ابو عبیدہ رضی صحابہ کرام میں جناب ابو عبیدہ رضی کی طرح کوئی زیادہ مشہور نہ تھے بلکہ آپ نو عمر تھے اور حضور پاکؐ کی نبوت کے آخری سالوں میں ایمان لائے تھے۔ آپ کے قبیلہ سے جناب میسرہ بن شعبہ جو آپ کے رشتہ دار تھے، آپ سے بہت پہلے ایمان لائے۔ آپ کے بڑے بھائی عروہ بن مسعود صلح حدیبیہ کے وقت تک قریش مکہ کے ترجمان تھے اور ابوسفیان رضی کے داماد تھے۔ آپ بھی فتح مکہ کے بعد ایمان لے آئے اور شاید ابو عبیدہ رضی نے بھی باقی خاندان کے ساتھ اس زمانے میں اسلام قبول کیا ہو گا گو تاریخی طور پر صحیح دن کہیں سے نہیں مل سکا۔ آپ کے جوش جہاد اور خاندانی عظمت کی وجہ سے سیدنا عمرؓ نے یہ عزت بخشی۔ آپ کے ساتھ میسرہ کے طور پر دو عظیم صحابہ مقرر کئے گئے۔ جناب سعد بن عبیدہ اور مسیطہ رضی بن قیس تھے جو اولین اسلام لانے والوں میں سے تھے۔ جناب عمرؓ نے نصیحت فرمائی کہ ان صحابہؓ کے مشوروں پر عمل کیا جائے۔ حضرت ثنی رضی جلدی میں تھے اور ضروری ہدایات اور کارروائی کے بعد محاذ جنگ پر روانہ ہو گئے۔ پرانے زمانے کی کسی تاریخ میں اس چیز کا ذکر نہیں ہے کہ حضرت ثنی رضی کی سپہ سالاری کی کوئی خواہش تھی اور حضرت عمرؓ کے حضرت ابو عبیدہ رضی کو سپہ سالار بنانے سے ان کو

دا، جلال مصطفیٰ کے صفحہ ۱۶۹ اور ۲۸۱ سے استفادہ کریں۔

ماریسی ہوئی۔ وغیرہ۔ اس زمانے میں کچھ مبصرین نے ایسے تجزیے کئے ہیں لیکن ہمارا تجزیہ ہے کہ حضرت
 مثنیٰؓ ان باتوں سے بلند تھے۔

حضرت ابو عبیدہ تفعیؓ اور ان کے ساتھیوں نے قبائل کو جہاد کی ترغیب دینا تھی اور اس وجہ سے وہ
 مختلف مقامات پر ٹھہرتے گئے اور مجاہدین کو بھرتی کرتے ہوئے وہ آہستہ آہستہ عراق کے محاذ پر آگے بڑھتے گئے۔

نتائج و اسباق اور خلاصہ

۱۔ ایران کی فتوحات کے سلسلہ کا یہ ابتدائی باپ ہے لیکن واقعات سے بھرا ہوا ہے۔ جناب خالدؓ
 کی شام کی طرف روانگی، جناب مثنیٰؓ کی سپہ سالاری، جنگ بابل، ایران میں حکومت میں تبدیلیاں اور
 نئی سوچ بچار، جناب صدیق اکبرؓ کی وفات، جناب عمرؓ کی خلافت اور جناب ابو عبیدہؓ کی عراق کی
 سپہ سالاری تمام بڑے بڑے واقعات ہیں جو بہت تھوڑے عرصے میں ظہور پذیر ہوئے۔ لیکن جس قوم کا
 مقصود زندگی واضح ہو اس قوم پر یہ واقعات خراب اثر نہیں کرتے۔

۲۔ واقعات کے نتائج ساتھ بیان کر دیئے گئے کہ جناب مثنیٰؓ نے بابل کی جنگ میں ضرور فتح حاصل
 کر لی۔ لیکن ایران کی بڑھتی ہوئی طاقت کے بروقت سدباب ضروری تھا۔ جناب ابو بکرؓ کے بروقت احکام
 جناب فاروقؓ کا فوری عمل اور حضرت مثنیٰؓ کی وقت کی اور جنگ کی نبض شناسی میں ہمارے لئے بڑے
 سبق ہیں۔

۳۔ اسی زمانے میں شام کے محاذ پر مسلمانوں کو اجنادین کے مقام پر ایک بڑی فتح نصیب ہوئی
 اور وہ دادی یرموک میں دوبارہ پہنچ گئے۔ اب جناب فاروقؓ نے دو محاذوں کی حکمت عملی کے تانے بانے کیسے
 ملائے، اس سلسلہ میں ایران والے محاذ کا خلاصہ بیان ہو چکا ہے۔ باقی باتیں بھی آگے اس کتاب اور
 دوسری کتاب میں آئیں گی۔

اٹھارہواں باب حضرت ابو عبیدہؓ کی ایرانیوں کے ساتھ جنگیں

حضرت ابو عبیدہؓ کی محاذ جنگ کی طرف روانگی

جناب ابو عبیدہؓ مدینہ کے گرد و نواح سے کوئی ایک ہزار کے قریب مجاہدین اکٹھے کر کے اور جناب عمرؓ نے ان کو ان کے مشیروں سمیت مدینہ سے روانہ کیا اور فرمایا: "اے ابو عبیدہؓ! صحابہ رسولؐ کا احترام برقرار رکھنا اور ان سے ہر حکم کے سلسلہ میں مشورہ کرنا۔ جب تک حالات کو خوب بھانپ نہیں لیتے جلد بازی میں کوئی کارروائی نہ کرنا۔ جنگ، جنگ ہے اور اس سے فائدہ وہ لوگ اٹھاتے ہیں جو مہر کرتے ہیں اور مواقع سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ایسے لوگ ہی یہ سمجھتے ہیں کہ کب تک حالات کا انتظار کیا جائے اور کب کوئی کارروائی کی جائے۔ جنگ میں جلد بازی سے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔"

اس کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ مدینہ سے چل پڑے اور راستہ میں قبائل کو جہاد کی ترغیب دی اس طرح چار ہزار مجاہدین اور شامل ہو گئے۔ آپ شعبان تیرہ ہجری میں خندان پہنچ گئے۔ یہ مقام ایں اور حیرہ کے نزدیک ہی ہے۔ حضرت شہنشاہ اپنی کم نفری کی وجہ سے اس مقام پر دفاع کئے ہوئے تھے اور حضرت ابو عبیدہؓ نے ادھر ہی آپ سے کمانڈ سنبھال لی۔ مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو گئے کہ چار پانچ ہزار کی کمک آگئی تھی۔

محاذ جنگ کے حالات

پچھلے باب میں ایران کی حکومت کے بارے جو ذکر ہے اس کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ اس وقت تک یزد برد تخت نشین ہو چکا تھا لیکن یہ ظاہر ہے کہ وہ تخت نشین ہونے والے تھا۔ رستم پردہ پر نمودار ہو چکا تھا اور دراصل وزیر جنگ کی حیثیت سے وہ سیاہ و سفید کا مالک تھا اور تخت کے کٹھ پتلی وار ثوں کا

دا نقشہ ہم دیکھیں

خاتمہ ہونے والا تھا اور رستم قومی وحدت کے لئے ایرانی بادشاہت کو سنبھالا دینا چاہتا تھا وہ جلد یزدجرد کو بھی لے آیا لیکن اس دوران اس نے ملکی حالات کا جائزہ لیا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ مسلمانوں کی نفری اور طاقت بہت کم تھی۔ ایرانی صرف رد عمل کے طور پر مسلمانوں کے ساز پرناچتے رہے اور اسلامی لشکر نے الگ الگ مقامات پر ایرانی فوج کو زبردست نقصان پہنچایا ہے۔ چنانچہ مسلمان سپہ سالاروں کی تبدیلی سے فائدہ اٹھانے کے لئے رستم نے ایسی حکمت عملی کا تعین کیا کہ وہ مسلمانوں سے پہلے کاری چھین لے اور اپنے لشکروں سے اس طرح پیش قدمی یا حملے کرے کہ مسلمان رد عمل کے طور پر لڑائی لڑیں، جس سے یا تو مسلمان شکست کھا جائیں گے یا ان کا نقصان اتنا زیادہ ہوگا کہ وہ بری طرح تھک جائیں گے اور جنگ کو جاری نہ رکھ سکیں گے۔ جنگ کے اصولوں کے لحاظ سے یہ طریق کاری بہترین ہے کہ ایسے طریقے اختیار کئے جائیں کہ دشمن کی سب کاروائیاں رد عمل کے طور پر ہوں۔

تبصرہ

یہاں ایک تبصرہ ضروری ہے۔ یہ اصول خالی جنگ تک محدود نہیں بلکہ ہر ملک اور قوم کی حکمت عملی کے لئے بھی سہری اصول ہے۔ خلیفہ اول اور بعد میں خلیفہ دوم نے اسی اصول کے تحت حکمت عملی کا تعین کیا۔ انہوں نے دشمنوں سے پہلے کاری چھین کر دشمن سے تمام کام رد عمل کے طور پر کروائے اور تدبیرات کی سطح پر بھی اہل لشکر کو احکام دیے کہ اس اصول کو اپنایا جائے۔

رستم کی حکمت عملی

رستم نے تین لشکر مقرر کئے اور ان تینوں کو الگ الگ مقاصد سونپے۔ رستم ان مقاصد کے تحت پہلے مرحلہ میں مسلمانوں کو سواد کے علاقہ سے نکالنا چاہتا تھا۔ گو مسلمانوں کا اس علاقے پر مکمل قبضہ نہ تھا اور جگہ بجگہ ان کی فوجی چوکیاں تھیں اور کچھ علاقہ عملداری میں تھا۔ نقشہ ہم اس علاقے کا نقشہ ہے اور سواد کا علاقہ موجودہ بصرہ سے لے کر اوپر مدائن تک دونوں دریاؤں کے درمیان اور اس کے ساتھ کا زرخیز علاقہ ہے۔ مدائن سے اوپر کے کچھ علاقے بھی اس میں شامل ہیں اور بہتر ہے کہ ہم یہ کہہ لیں کہ دجلہ اور فرات کے طاس سے رستم مسلمانوں کو نکالنا چاہتا تھا۔ رستم نے اس کاروائی کو مکمل کرنے کے لئے جو تین لشکر تیار کئے ان کی تعداد کے بارے میں مورخین خاموش ہیں بلکہ رستم نے ایک چوتھے لشکر کو تیار رکھنے کے احکام بھی دیئے۔ خیال ہے کہ یہ لشکر ہندہ سے بیس ہزار کے درمیان

ہو گا کہ اس سے کم نفی کے ساتھ کوئی ایرانی مدائن سے باہر نکل کر مسلمانوں کے خلاف کسی جارحانہ کارروائی کے بارے
کچھ سوچ بھی نہ سکتا تھا۔

حضرت شہنشاہ کی کارروائی

حضرت شہنشاہ جیسے واپس پہنچے ان کو تمام حالات سے آگاہی ہو گئی۔ انہوں نے آگے والی چوکیوں کی تعداد
کو پہلے سے بہت کم کر دیا اور واقعات کا جائزہ لیتے ہوئے زیادہ فوج کو فرات کے مغرب میں رکھا۔ اگلے علاقہ میں
مخبر تھے یا صرف ایسی جگہ چوکی رکھی جہاں پر لوگ وفادار تھے۔ جناب شہنشاہ کو اللہ تعالیٰ نے حالات کو بروقت بھانپ
لینے کا بڑا لکھ عطا کیا تھا۔ ذاتی چھاپے مارنے میں وہ اپنا مقام نہ رکھتے تھے کہ دشمن کو ہمیشہ بے خبری میں جالیے
تھے اور پھر اللہ تعالیٰ کی تلوار سے بھی بہت کچھ سیکھ چکے تھے۔ اس لئے لڑائی یا جنگی حالات کی بغیر شناسی میں وہ
بہت ماہر ہو چکے تھے۔ حیرہ کے مقام پر عقب میں کھلا ریگستان موجود نہ تھا، بلکہ وہاں پر دریا کا ایک فالتو بہاؤ تھا،
کچھ نہریں تھیں جو ان کو متحرک ہونے سے روکتی تھیں۔ اس لئے انہوں نے خفان کے مقام کو چنا اور حضرت ابو عبیدہ
نے ان سے ادھری لاکر کمانڈ سنبھال جس کا ذکر ہو چکا ہے۔

جنگِ نارق

ایرانیوں کا پہلا لشکر مدائن سے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے نکلا اور دریائے فرات کو پار کر کے نارق کے مقام
پر ٹھہر گیا۔ یہ مقام بھی کوفہ کے نزدیک ہی ہے۔ اس لشکر کا ایرانی کمانڈر جابان تھا جو اسی کی جنگ سے بھاگ گیا تھا
اور ایرانیوں کو کھانے میں زہر ملا دینے کی صلاح دی تھی۔ جابان مسلمانوں کے ہاتھ دیکھ چکا تھا اور ذہنی شکست
کھائے ہوئے تھا۔ اگر کسی بصر کی کتاب میں اس شخص کی بہادری کا کوئی قصہ پڑھیں تو اس پر یقین نہیں کرنا چاہیے
جابان کو نارق سے آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہو رہی تھی۔ جناب ابو عبیدہؓ جوشِ جہاد میں آرام نہ کر رہے تھے اور وہ
خفان میں نہ ٹھہر سکے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر صف بندی کئے اور دشمن کو نارق میں جابان مسلمانوں کے سینے
پر جناب دائق بن جیدرہ تھے اور میسرہ یہ عمرو بن ابیشم۔ مجبوراً جابان کو بھی صف بندی کرنا پڑی جس کے بازوؤں
پر حبشس ماہ اور مردانشا تھے۔ مسلمانوں نے زوردار حملہ کیا اور ایرانیوں کے قدم اکھڑ گئے۔ وہ ذہنی شکست کھائے
ہوئے تھے۔ جابان اور مردانشاہ گرفتار ہوئے۔ مردانشاہ کا تو سر قلم کر دیا گیا۔ جابان کی عمر کو دیکھ کر اس کو گرفتار

کرنے والے مجاہد مطہر بن فضہ کو ترس آگیا اور انہوں نے اس کو امان دے دی۔
بعد میں جب جابان کی پہچان ہو گئی تو باقی مجاہدین اس کا مرتکب کرنا چاہتے تھے لیکن معاملہ جناب سالار لشکر ابو عبیدہؓ
کے سامنے پیش ہوا۔ انہوں نے فرمایا کہ ہر مسلمان کے وعدے کا پاس ضروری ہے۔ اس لئے جابان کو چھوڑ دیا گیا اور
وہ فرار ہو گیا۔

دوسرا ایرانی لشکر اور کسکر کی لڑائی

جابان کا لشکر بھاگنے میں بڑا تیز نکلا اور کافی لوگ بچ کر کسکر^{۱۱} (موجودہ واسط) کی طرف بھاگ گئے۔
جناب شعی بنی کے رسالہ نے ان کا دور دور تک تعاقب کیا۔ لیکن جابان کے لشکر کے کافی لوگ بھاگ کر واسط پہنچ
گئے۔ اب صورت یہ تھی کہ واسط میں کسری کا خالہ زاد بھائی نرسی رہتا تھا اور یہ ان کی خاندانی جاگیر تھی۔ اس علاقہ
میں عمدہ قسم کے پھل پیدا ہوتے تھے۔ جس کا پھل صرف نرسی اور اس کے خاندان کے لوگوں کے لئے تھا جس میں سے
کچھ وہ کسری اور باقی امرا کو تحفہ کے طور پر دیتے تھے۔

رستم نے نرسی کو حالات سے آگاہ کیا کہ سلطنت کو بچانے کے لئے وہ ایک لشکر تیار کریں اور یہ دوسرا لشکر تھا
جس کا ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں۔ نرسی امیر آدمی تھا اور زیادہ دولت کے لالچ کے ساتھ وہ لشکر تیار کرنے میں مصروف
تھا کہ جابان کے لشکر کے بھگوڑے بھی وہاں پہنچنے شروع ہو گئے۔ اس لئے جناب ابو عبیدہؓ نے جناب شعی بنی کو خبر دی
کہ وہ واپس نہ آئیں اور ان کا انتظار کریں۔ اس کے بعد جناب ابو عبیدہؓ نے فرات کو عبور کر کے پہلے جناب شعی بنی کے ساتھ
رابطہ قائم کیا اور پھر سارا اسلامی لشکر واسط کی طرف روانہ ہو گیا۔

نرسی نے اسلامی لشکر کی یلغار کی خبر سنی تو اپنے لشکر کی صف بندی کی اور بازوؤں پر اپنے ماموں زاد بھائیوں
بندیہ اور تبرویہ کو مقرر کیا۔ یہ دونوں بادشاہ کے بھی ماموں زاد بھائی تھے اور پہلی دفعہ مسلمانوں کا واسطہ ایسے لشکر کے
ساتھ تھا۔ جس کی کانڈ شاہی خاندان کے افسروں کے ہاتھ میں تھی اور واسط سے ذرا ہٹ کر سقا طیبہ کے مقام پر لڑائی ہوئی
مسلمانوں کے بازوؤں پر جابان کے ساتھ جنگ کے وقت کی طرح جناب واثق بنی اور عمرو بنی ہی تھے مسلمانوں کے بھرپور
حملہ کی ایرانی تاب نہ لاسکے اور تتر بتر ہو گئے۔ مسلمانوں کو کافی مال و دولت دمال غنیمت کے طور پر حاصل ہوا جس میں خشک
پھل بھی تھا جو مدینہ بھیجا گیا۔ ویسے نرسی کے باغوں کے پھل پہلی دفعہ عام آدمیوں کو کھانے کے لئے ملے۔

جناب ابو عبیدہؓ کا واسطہ میں قیام کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا اور انہوں نے صرف دشمن کو تتر بتر کرنا تھا اور یہ

۱۱، نقشہ ہم سے استفادہ کریں۔

ایک حربی مظاہرہ بھی تھا۔ جناب دافقؒ کو الزواہی کی طرف بھیجا اور حضرت عاصمؒ کو نہر جوہر کی طرف۔ انہوں نے ان علاقہ کے لوگوں کو مطیع کیا۔ حیرہ کے نزدیک سے باروسا کی علاقے سے بھی کافی لوگ زسی کی مدد کے لئے گئے ہوئے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ایرانی فوج مسلمانوں کے سامنے نہ ٹھہر سکی تو انہوں نے مسلمانوں سے پہلے ہی حیرہ اور باروسا کی طرف واپس شروع کر دی اس لئے جناب ابو عبیدہؓ نے جناب شنیؒ کو ان کے پیچھے بھیجا کہ ان پر نظر رکھیں۔

جالیئوس کی شکست

لیکن اس تعاقب سے ایک اور راز ظاہر ہوا۔ ماہن میں تیسرا لشکر جالیئوس کا تیار ہو رہا تھا۔ رستم نے اس لشکر کو زسی کی امداد کے لئے بھیجا تھا کہ مسلمانوں کو راستے میں روکے لیکن جالیئوس دیر سے پہنچا۔ اب بجائے اس کے کہ وہ مسلمان لشکر کا پیچھا کرتا، اس نے حیرہ کا رخ کیا اور باروسا کے ضلع میں باقسیا کے مقام پر ایک چھپاؤ لگا کر بیٹھ گیا۔ جناب شنیؒ کو اس کی خبر مل گئی اور انہوں نے جناب ابو عبیدہؓ کو اطلاع دی۔ سالار لشکر نے تمام افواج کو اکٹھا کیا اور واپس حیرہ کا رخ کیا۔ راستے میں جالیئوس پر حملہ کیا۔ جالیئوس جس تیزی سے آیا تھا اس تیزی کے ساتھ واپس بھاگ گیا۔ مورخین نے اس جنگ کو بہت مہم مری طور پر بیان کیا ہے اور لکھتے ہیں کہ جالیئوس اپنی فوج کے کافی حصہ کو بچا کر واپس لے گیا۔ بہر حال جناب ابو عبیدہؓ اور اسلامی لشکر کی دھاک بیٹھ گئی۔ اتنے سے قلیل عرصہ میں جناب ابو عبیدہؓ تین فتوحات حاصل کر چکے تھے۔

مسلمانوں کی دعوت

مسلمانوں کے اس دبدبہ کے بعد وہ جہاں جاتے تھے تو عرب قبائل ان کی دعوت کرتے تھے اور طرح طرح کے کھانے پیش کرتے تھے۔ مورخین نے اس سلسلہ میں کافی تفصیلی باتیں لکھی ہیں جس میں بڑا نکتہ یہ ہے کہ پورے لشکر کو ایک جیسا کھانا پیش کیا جاتا تھا۔ جیسے آج کل ہمارے ہاں فوجی مل کر "بڑا کھانا" پکاتے ہیں۔ بے شک اسلام سخت امارت کا قائل ہے کہ حضور پاکؐ کا حکم ہے کہ دو میں بھی ایک کو امیر مقرر کر لو لیکن معاشرتی طور پر برابری کے احکام ہیں۔

(۱) نقشہ ہم سے استفادہ کریں۔

حضرت عمرؓ کا خط

جناب ابو عبیدہؓ کو کامیابیاں تو بہت زیادہ نصیب ہوئیں۔ لیکن وہ لشکر والوں سے کچھ زیادہ ہی مشقت لے رہے تھے۔ جناب ابو عبیدہؓ جوش جہاد سے کمر شارتھے بلکہ شوق شہادت کا خمیر بھی بہت پہلے آگیا تھا اور بعض کے حصہ میں یہ عطا زیادہ عرصہ کے لئے ہوتی ہے۔ جناب ابو عبیدہؓ نے اللہ اور رسولؐ کے راہ میں اپنی جان کو ہتھیسل پر رکھا ہوا تھا اور وہ سب مسلمانوں سے یہی امید رکھتے تھے۔ بات تو ٹھیک تھی لیکن اسلام اس کے ساتھ ساتھ حفاظت کے پہلو پر بھی زور دیتا ہے اور جلد بازی سے بھی منع کرتا ہے۔ خلیفہ دوم مدینہ میں بیٹھے ہوئے حالات کو بھانپ چکے تھے اور ان کا مشاہدہ سونی حد درست تھا۔ اس لئے انہوں نے ابو عبیدہؓ کو ایک خط لکھا جس کا مضمون اس طرح کا تھا:

”آپ مکرو فریب، خیانت اور ظلم کی سرزمین میں ہیں۔ تمہارا واسطہ ایسی قوم کے ساتھ ہے جس میں بدی کرنے کی عادت پیدا ہو گئی ہے اور بدی ان کی گھٹی میں داخل ہو گئی ہے اور یہ قوم بھلائی کو بھول بیٹھی ہے۔ اس لئے تم بہت چوکنے رہنا اور اپنی زبان کو محفوظ رکھنا۔ اپنا راز ہرگز آشکارا نہ کرنا۔ کیونکہ رازداری برتنے والا شخص جب تک راز کو محفوظ رکھتا ہے۔ گویا وہ قلعے میں محفوظ ہے۔ اسے کوئی ناگوار صورت پیش نہیں آسکتی اور جب اس کو وہ ضائع کر دیتا ہے تو وہ خطرے میں گرفتار ہو جاتا ہے۔“

تبصرہ

اول تو ہم قارئین کو یہ باور کرائیں گے کہ باطل فلسفوں اور تمدنوں کے باسے جناب عمرؓ کی رائے ہماری رہنمائی کرتی ہے کہ ان میں ہمیں کوئی چیز اچھی نظر نہیں آتی اور ہماری تاریخ کے بامقصد مطالعہ میں جگہ بجگہ قارئین کی توجہ اس نکتہ کی طرف دلاتے رہے ہیں اور ثبوت پیش کرتے رہے ہیں کہ باطل، باطل ہے وہاں کوئی بڑائی والی بات نہیں۔ شیطان بھی اللہ تعالیٰ کی واحدانیت کا قائل ہے لیکن یہ سبق ہم اس کی زبان یا طریق کار سے کبھی نہیں سیکھتے اور نہ اس سلسلہ میں شیطان کی کبھی بڑائی کی ہے کہ اللہ کی واحدانیت کے عقیدہ میں بڑا مقام رکھتا ہے۔

دوسرا سبق یہ ہے کہ ہمارے دشمن خواہ یہود ہوں یا ہنود یا ان کے حواری ہوں یا اسلام دشمن طاقتیں۔ ان پر کبھی بھروسہ نہ کیا جائے اور حضرت عمرؓ کے خط کے مطابق اپنی رازداری کو قائم رکھیں۔

جسر کی جنگ . رمضان تیرہ ہجری

جسر کی جنگ جس کو دریا کی جنگ یا جنگ فیل بھی کہتے ہیں۔ اس میں ہاتھیوں کے ساتھ مسلمانوں کو سخت مسطہ پڑا۔ یہ اسلام کی عسکری تاریخ کی ایک عظیم جنگ ہے۔ اس سے پہلے اس کے جائزے بڑے نامکمل ہیں اور صحیح واقعات کی چھان بین کے لئے باقاعدہ تحقیق کی ضرورت ہے۔ فوری نتائج اور اثرات کچھ مایوس کن یا خطرناک تھے لیکن حتمی نتائج اور اثرات ایسے تھے کہ انہوں نے محاذ جنگ کا پانسہ ہی پلٹ کر رکھ دیا کیونکہ مسلمانوں نے شکست نہ کھائی تھی اور انہوں نے حالات کا مقابلہ کر کے بہتر حکمت عملی اور بہتر تدبیرات سے ایران کو فتح کر لیا۔ مانا کہ فوری طور پر جناب ابو عبیدہؓ نے عسکری لحاظ سے کچھ اچھی حکمت عملی اور تدبیرات یا حربی دانائی کا ثبوت پیش نہ کیا اور نہ ہی ان کا کوئی ایسا دعویٰ تھا لیکن اسلامی جذبے اور فلسفہ حیات کا یہ ایک پر عزم مظاہرہ تھا، جس کے تجزیہ سے خاص سبق حاصل ہوتے ہیں۔ مورخین نے اس سلسلہ میں جنگ یا تاریخ کا با مقصد مطالعہ نہیں کیا اور اس ساری کاروائی کو ناکامی اور شکست وال جنگ کے نام سے موسوم کر کے اختتامی تبصرہ کو طول نہ دیا۔ کہی صاحبان نے ایرانی سپہ سالاری کی ہوشیاری کے گن گائے اور کچھ نے جناب ابو عبیدہؓ کی جلد بازی کو مسلمانوں کی شکست کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ کسی نے زیادہ سے زیادہ اتنا کہہ دیا کہ جناب ابو عبیدہؓ جو جہاد میں حالات کی صحیح نبض شناسی نہ کر سکے۔

اہل حق کا امتحان

لیکن اگر یہ کہا جائے کہ یہ اہل حق کا امتحان تھا اور اس محاذ پر بھی جنگ موتہ کی طرح ایک واقعہ ہونا تھا اور اس امتحان میں اہل حق کامیاب ہوئے۔ جنگ موتہ میں جو کچھ تین عظیم شہدائے کیا۔ یہاں پر وہ جناب ابو عبیدہؓ ان کے خاندان کے چند مجاہدین اور بدری صحابہ جناب سلیمان نے کیا اور جنگ موتہ میں جو کچھ جناب خالدؓ نے کیا۔ جنگ جسر میں وہی کچھ حضرت شہداء نے کیا۔ یہ مشیت ایزدی تھی کہ عظیم قربانی کی ضرورت تھی اور ان قربانیوں کے بڑے اچھے نتائج نکلتے ہیں۔

دین فطرت کی شان زالی ہے۔ یہاں ملک اور علاقے فتح نہیں کئے جاتے۔ یہاں پر اپنے فلسفہ حیات کا مظاہرہ

۱۰، نقشہ نہم سے استفادہ کریں۔ ۲، تفصیل کے لئے جلال مسطفیٰ کے پانچویں باب سے استفادہ کریں۔

کیا جاتا ہے۔ اگر اہل حق کو ہر جنگ میں فتح حاصل ہو جاتی یا قربانی نہ دینی پڑتی تو پھر تو سب کچھ آسان ہو جاتا لیکن رب العزت کی حکمت زالی اور اس تک کوئی نہیں پہنچ پاتا۔ حضور پاکؐ کے زمانے میں جنگ احد، جنگ موتہ اور جنگ حنین میں ایسے واقعات ہوئے کہ بڑی قربانی دینی پڑی۔ پچھلے دو سالوں سے اہل اسلام تمام جنگوں میں فتح ہی فتح حاصل کر رہے تھے۔ صرف جناب عکرمہؓ اور شربیلؓ کو کچھ معمولی قسم کی ناکامیاں ہوئی تھیں۔ اسی طرح جنگ یمامہ میں بھی قربانی زیادہ دینی پڑی۔ اس لئے جنگ جسر کا مطالعہ اس پہلو سے بھی اہم ہے کہ کچھ اُن ہونی باتیں بھروسے جنگ میں ہو جاتی ہیں اور ہمیشہ فتح ہی فتح کی اُمید پر کارروائی نہ کی جائے بلکہ سب کام اللہ اور رسولؐ کے لئے کیا جائے اور نتائج کے فیصلے کی پروا نہ کی جائے۔ وہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے کیونکہ ہر کام میں اس کی مصیحت ہی ہوتی ہے۔

ایرانیوں کے حالات

اہل ایران جناب خالدؓ اور جناب شنی رضی اللہ عنہ سے تو کسی شکستیں کھا چکے تھے لیکن اب ابو عبیدہؓ بھی ان کے تین لشکروں کو شکست دے چکے تھے۔ ہم باطل کی کسی عظمت کے قائل نہیں اور جو لوگ پرانی ایرانی عظمت کے گڑے مردے اکھیر کر ایرانیوں کو اس سطح تک لے آئے ہیں کہ مسلمانوں کا مقابلہ ایرانیوں نے زیادہ بہتر کیا اور وہ ردیوں سے زیادہ اچھے لڑے اور ایسے جائزوں کے ساتھ اپنی کتابوں کے صفحات بھر دیئے ہیں۔ ہم ان سے کسی بحث میں نہیں پڑنا چاہتے۔ ہمارے لحاظ سے اہل ایران خوش قسمت تھے کہ ان کے ملک پر جلدی اسلام کا پرچم بلند ہو گیا اور پھر آگے چل کر اہل ایران نے اسلام کے پرچم تلے اسلام کی خدمت کی۔ ردیوں کے ساتھ جنگ بڑا عرصہ جاری رہی اور کہیں جا کر پندرہویں صدی عیسوی میں قسطنطنیہ فتح ہوا لیکن یہ جنگ کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ ردیوں کی اولاد یا جانشین کسی نہ کسی لبادہ میں ہمارے ساتھ برسرِ پیکار ہے۔ اہل ایران نے مسلمانوں کا سخت مقابلہ کیا جو کچھ ہوا وہ اس کتاب میں موجود ہے لیکن بہتر ہو گا کہ مسلمانوں اور ایرانیوں کی حربی خوبیوں کا موازنہ اپنے عظیم مجاہد جناب شنی رضی اللہ عنہ عارث کے الفاظ میں سن لیں۔

حضرت شنی رضی اللہ عنہ کا تجزیہ

جناب شنی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ انہوں نے اسلام سے بھی پہلے ایرانی فوج کے ساتھ کئی لڑائیوں

میں حصہ لیا۔ اس زمانے میں دس ایرانی ایک سو عرب جوانوں پر غالب آجاتے تھے اور جب عرب مسلمان ہو گئے تو یہی سو عرب جوان ایک ہزار ایرانی جوانوں پر غالب آنے لگے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے مسلمان ہونے کے بعد ہماری طاقتوں میں سوگنا اضافہ کر دیا۔ اس حساب کے آسان سوال کو جناب مثنیٰ نے عملی تجربہ سے حل کر دیا ہے۔ ورنہ اگر سیدھے لفظوں میں یہ کہا جائے کہ مسلمان ہونے کے بعد آدمی کی طاقت سوگنا بڑھ جاتی ہے تو کوئی مبصر نہ مانے گا۔ لیکن یہاں پر جناب مثنیٰ نے تجربہ سامنے ہے۔

اسلام سے پہلے ایک ایرانی دس عربوں پر غالب تھا۔ اسلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں سورۃ انفال میں واضح کر دیا کہ اگر ہوں تم میں سے بیس تو غالب آؤ گے دوسو پر۔ "میرا یہ ایمان ہے کہ یہ ہر زمانے کے لئے ہے اور ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ میں یہ سب کچھ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

بہمن جاذویہ

جسر کی جنگ کا ایرانی سپہ سالار بہمن جاذویہ تھا جس کا ذکر اسی کی جنگ کے سلسلہ میں ہو چکا ہے کہ جابان کو آگے بھیج دیا اور خود کتر کردار الخلفہ کی طرف چلا گیا۔ بہانہ صحیح تھا یا غلط۔ بہر حال بہمن ایران کا ایک مانا ہوا جنرل تھا اور ایک لاکھ درہم کی ٹوپی پہنتا تھا۔ تین لشکروں کی بجائے اب رستم نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا اور اس کی کمانڈ بہمن جاذویہ کو دی۔ لشکر کی نفری پچاس ہزار کے لگ بھگ تھی اور کسی ایرانی لشکر کو پہلی دفعہ کمری کا علم دیا گیا جس کو "درفش کا دیاں" کہتے تھے اور اس کو فتح کا نشان سمجھا جاتا تھا۔ جالینوس کو بھی بہمن کے ساتھ بھیجا گیا اور رستم نے حکم دیا کہ اگر جنگ سے بھاگنے کی کوشش کرے تو اس کا سر قلم کر دیا جائے۔ لشکر میں متعدد ہاتھی بھی تھے اور ان کے ہودوں پر کھجور کے درخت بانڈھ دیئے گئے تھے اور اس لاؤ لشکر سے مسلمانوں کے لئے ہیبت پیدا کی جا رہی تھی۔

جنگ کے واقعات

بہمن دریائے فرات کے کنارے حیرہ سے تھوڑا اوپر اور جسر کے نزدیک قس ان طیف کے مقام پر پڑاؤ کئے ہوئے تھا۔ یہ مقام کوفہ کے سامنے دریا کی نچلی طرف ہے۔ مسلمان لشکر دریائے فرات کے مغربی کنارے مرواح کے مقام پر پڑاؤ کئے ہوئے تھا۔ مسلمان لشکر کی کل نفری نو ہزار بتائی جاتی ہے لیکن

خیال ہے کہ اس سے کچھ زیادہ ہوگی کیونکہ نو ہزار لشکر جناب خالد بن جناب مشنیؓ کے پاس چھوڑ گئے تھے اور چار ہزار کے قریب جناب ابو عبیدہؓ کے ساتھ آئے۔ مخبری اور چوکیوں کی ذمہ داری پر ہزار دو ہزار کے قریب مجاہد ہوں گے تو پھر بھی باقی لشکر دس ہزار سے اوپر تھا اور بہمن جس کے ماتحت جالینوس جیسے پچاس ہزاری ادنیٰ افسر تھے تو ایرانی لشکر کی نفری بھی چالیس ہزار کے قریب ضرور ہوگی۔ لیکن جناب ابو عبیدہؓ جوش جہاد اور شہادت کے نشہ میں ایسے مخمور تھے کہ وہ ایرانیوں کو خاطر میں نہ لائے تھے۔

شہادت

حضور پاکؐ کا فرمان ہے کہ شہید کی صرف ایک ہی خواہش باقی رہ جاتی ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ پھر دنیاوی زندگی عطا فرمائے اور وہ ایک دفعہ پھر اللہ اور رسولؐ کی راہ میں جنگ کرے اور اس کو شہادت نصیب ہو اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ ہوتا کچھ اس طرح ہے کہ ہر شہید کو شہادت سے کچھ عرصہ پہلے شہادت کی خوشبو آ جاتی ہے۔ کسی کو کچھ دن پہلے اور کسی کو چند گھنٹے یا چند لمحے پہلے۔ اس سے شہید کے اندر ایک ایسا سرور پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کا ہر عمل عام آدمی سے مختلف ہوتا ہے۔ بلکہ ان کی شخصیت میں ایسے تبدیلی آ جاتی ہے جس کو کوئی قلم بیان نہیں کر سکتی۔ میدان جنگ میں یہ نظارہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ کو نہ صرف اپنے بائے میں شہادت کی خبر مل چکی تھی بلکہ چند اور رشتہ داروں کے بائے میں بھی وہ آگاہ ہو گئے تھے کہ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت دومہ کو اس قسم کا ایک خواب آیا کہ حضرت ابو عبیدہؓ اور ان کے فلاں فلاں رشتہ دار کو کوئی جام پلایا جا رہا ہے۔ دراصل یہی جام شہادت تھا۔

جناب ابو عبیدہؓ نے اپنے رشتہ داروں کو لشکر کی کانڈ کے لئے نامزد کیا اور خواب کی تعبیر بھی یہی سمجھی گئی۔ جنگ موتہ میں حضور پاکؐ نے لشکر کے جن سرداروں کو نامزد کیا وہ شہادت پا گئے تھے یہاں فرق یہ تھا کہ جناب ابو عبیدہؓ نے اپنے جن رشتہ داروں کو نامزد کیا وہ شہادت پا گئے۔

مسلمانوں کا دریا کو عبور کرنا۔

ایرانی مسلمانوں کو دعوت پہ دعوت دے رہے تھے کہ وہ دریا کو پار کریں۔ ایران جس کے نزدیک قس

الناطف کے مقام پر ایک تنگ علاقہ میں صف بندی کئے ہوئے تھے۔ ابو عبیدہؓ کو ایرانیوں کا جب یہ پیغام ملا تو پاس کھڑے تمام امیروں نے عرض کی: "کہ اے سالار دریا کو پار کرنا بڑی خطرناک کارروائی ہے، حکمت عملی، تدبیرات اور حربی خوبیوں کے تمام پہلو زیر بحث آئے اور خاص کر ابو عبیدہؓ کے مشیر جناب سلیط بن قیس جو صحابہ بدر میں سے تھے انہوں نے سخت مخالفت کی۔ حضرت ثنیٰ نے بھی زور دیا اور عرض کی کہ وہ جگہ لڑائی کے لئے موزوں نہیں۔ ہمارے اس زلمے کے ایک مبصر لکھتے ہیں کہ "حضرت ابو عبیدہؓ بہادری میں اپنا مقام نہ رکھتے تھے لیکن حکمت عملی اور تدبیرات میں ان کا کوئی مقام نہ تھا" واللہ اعلم۔ ہم اس بحث میں نہیں پڑتے۔ ابو عبیدہؓ تین جنگوں میں ایرانیوں کو شکست دے چکے تھے اور ایک آدھ دن اور سیر کر جاتے تو ایرانی خود بخود وہ جگہ چھوڑ کر مدائن چلے جاتے اور ابو عبیدہؓ کو حکمت عملی اور تدابیر کا ماہر مانا جاتا۔ یہ مشیت ایزدی ہے اور اللہ کے راز ہیں، ہم کسی اور چیز کی تلاش میں ہیں اور وہ یہ ہے کہ کتنے عظیم تھے وہ سلمان جو ان کے شکر میں تھے۔ سب کو نظر آ رہا تھا کہ فوجی لحاظ سے کارروائی صحیح نہیں تھی اور دریا پر ایک غیر جانبدار عرب ابن صلوا پل بھی بنا رہا ہے اور یہ پل بن گیا تو اسلامی لشکر نے اس پل کو عبور کیا۔ جناب ثنیٰ نے ان کے بھائی۔ جناب سلیط بن قیس عظیم صحابہ۔ جناب عاصم بن عمرو جیسے ماہر فوجی۔ جناب مدغور بن عدی جیسے ماہرین جنگ خاموش تھے اور سرد چشم اپنے امیر کا حکم مان رہے تھے۔ یہ تھا وہ اسلامی فلسفہ اور اطاعت امیر کہ اپنی رائے ضروری لیکن جب امیر نے فیصلہ کر دیا تو پھر حکم بجالانے کے سوا دوسری بات تک نہ کی۔

میدان جنگ

میدان جنگ بڑا تنگ تھا اور حکمت عملی اور تدبیرات کا یہی ایک پہلو صحیح نہیں تھا۔ سلمان خواہ دریائے اس پار ہوتے یا اس پار ہوتے انہوں نے اسی بہادری سے لڑنا تھا۔ ان کی نفرت دہی رہنا تھی لیکن تنگ میدان جنگ مسلمانوں کے لئے موزوں نہ تھا۔ مسلمانوں کی تمام تر حکمت عملی، تدبیرات اور حربی خوبیوں کا دار مدار اس پر تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ متحرک رہیں اور تنگ میدان جنگ میں وہ اپنی مرضی کے مطابق متحرک نہ رہ سکتے تھے۔ ایرانی لشکر کی تعداد، مسلمانوں سے اتنی زیادہ تھی کہ ایرانی مسلمانوں کے سامنے ایک جگھٹ بنے ہوئے تھے۔ ہر مسلمان کا مقابلہ کم از کم چار یا پانچ ایرانیوں کے ساتھ تھا۔ مسلمان تابڑ توڑ حملے کرتے اور ایرانیوں کو داخل جہنم کرتے۔ ان کی صفوں میں شگاف ڈالتے لیکن ایرانی اپنی صفوں کو بجالا کر لیتے اور شکست سے بچ جاتے مسلمانوں

کار سالہ بالکل نکما ثابت ہو گیا۔ گھوڑے ہاتھیوں سے بدک جلتے میدان جنگ تنگ تھا۔ گھوڑوں کو کہیں نہ کہیں ہاتھی نظر آ جانا اگر میدان کھلا ہوتا تو گھوڑوں کو متحرک کر کے ایرانی فوج کے کسی ایسے حصہ پر حملہ کیا جاسکتا تھا۔ جہاں ہاتھی نہ ہوتے۔

جب جناب ابو عبیدہؓ نے دیکھا کہ یہ گھوڑے رکاوٹ بن رہے ہیں تو آپ اپنے گھوڑے سے اتر گئے اور جوشی جہاد میں آگے بڑھ کر ایک ہاتھی کی سوند کاٹ ڈال۔ ہاتھی اور ادنٹ بڑے کینہ پر درد جانور ہوتے ہیں۔ ہاتھی نے آگے بڑھ کر جناب ابو عبیدہؓ کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالا۔ اسلام کا علم ان کے بھائی الحکمؓ نے نھام لیا اور بہادری سے لڑے وہ بھی شہید ہو گئے۔ پھر ان کا بیٹا جبریرؓ آگے بڑھا اور اسلام کے علم کو اد پر اٹھایا لیکن وہ بھی جلدی شہید ہو گئے اور آخر ان کے چچرے بھائی ابو حجانؓ نے علم سنبھالا اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ اسی طرح قبیلہ ثقیف کے سات مجاہد شہید ہو گئے تو حضرت ثنیؓ نے شکر کی امارت اور علم کو سنبھالا۔

جناب ثنیؓ کی بروقت کارروائی

حضرت ثنیؓ نے جب حضرت ابو عبیدہؓ کو دریا نہ عبور کرنے کی صلاح دی تھی تو جناب ابو عبیدہؓ نے فرمایا تھا: "کیا بات ہے میرے بنو بکر کے بھائی کہ آج آپ بھی کچھ ڈر سے ہوئے ہیں۔" تو حضرت ثنیؓ نے مسکرا دیے۔ حضرت ثنیؓ نے کو اللہ تعالیٰ نے بڑی فراست عطا کی تھی وہ بھانپ چکے تھے کہ جناب ابو عبیدہؓ کس مقام پر کھڑے تھے اور حضور پاکؐ کے فرمان کے مطابق مومن کے یہ مقامات عروج ہی کرتے رہیں تو بہتر ہوتا ہے۔ یہ تبدیلی آہستہ آہستہ بھی ہوتی ہے اور تیزی کے ساتھ بھی اور جناب ابو عبیدہؓ کے مقامات ذرا تیزی سے تبدیل حاصل کرتے گئے۔ بہر حال یہ مقامات والا فلسفہ کچھ مشکل بھی ہے اور دعایہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ خاتمہ نیک کرے کہ کسی ارنچے مقام سے کوئی گراوٹ نہ ہو جائے۔

چنانچہ جسر کی جنگ میں بنو ثقیف ایک عظیم قربانی دے کر اس مقام سے بھی بلند ہو گئے جو انہوں نے تیزی سے حاصل کیا تھا۔ مسلمانوں نے بڑی بہادری سے حملے کئے تھے۔ ایرانیوں کے کسی دفعہ قدم اکھڑ گئے تھے اور ان کو شکست ہوتی ہوتی رہ گئی تھی۔ جناب ابو عبیدہؓ اور بنو ثقیف کی اس طرح شہادت نے ایرانیوں کو کچھ حوصلہ دے دیا لیکن مسلمان بھی لڑنے مرنے پر تیار تھے۔ حضرت ثنیؓ نے علم سنبھالتے ہی ایک نعرہ لگایا اور وہ شیر کے طرح گرجے اور مسلمان شکر کی صفوں میں پھر ربط و ضبط آگیا لیکن بد قسمتی یہ تھی کہ میدان جنگ تنگ تھا۔ مجاہدین

متحرک ہو کر اور پیچھے ہٹ کر سستا بھی نہ سکتے تھے اور جب پیچھے ہٹنے کی جگہ نہ ملتی تھی تو دریا میں کودنا پڑتا تھا۔ اسی وجہ سے مسلمان صحرا کو عقب میں رکھ کر لڑتے تھے، صحرا متحرک جنگ میں مددگار ثابت ہوتا تھا۔ چنانچہ حضرت شنیٰ بن بھانپ گئے کہ اس میدان جنگ میں دشمن پر فتح تو ناممکن ہے بلکہ شکست سے بچنا بھی مشکل ہے، حالانکہ ایرانیوں کی لاشوں کے ڈھیر لگ چکے تھے اور ان میں بھی لڑنے کی زیادہ سکت نہ تھی۔

پسپائی یا چال؟

چنانچہ حضرت شنیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں بھائیوں اور بنو بکر کے قبیلہ کو اکٹھا کیا کہ وہ اس کے ارد گرد "آہنی دیوار" بنائیں اور یہی حکم جناب عاصمؓ کو دیا۔ قبیلہ تمیم ان کے گرد ایک ایسی دیوار بنائے بلکہ جناب سلیطؓ اور مدغوبہ کو بھی ادھر ہی بلایا اور تمام بہادر لوگوں کو ملا کر ایک "بنیان المرصوص" بنائی جس نے ایرانیوں کو ذرا دور روکا اور آپ نے حکم دیا کہ تمام اہل لشکر پل سے دریا کو پار کر کے دریا کے دوسرے کنارے کی طرف صف بند ہو جائیں۔ لشکر کے کچھ لوگ پار پہنچ گئے اور ادھر صف بندی شروع کر دی لیکن اسی دوران قبیلہ ثقیف کا عبداللہ بن مرثد آگے بڑھا اور جوش جہاد میں پل کی کشتیوں کے رے کاٹ دیئے اور پکار اٹھا:

"خبردار مسلمانو! آج شہادت کا دن ہے۔ اسلام کسی پسپائی کی اجازت نہیں دیتا۔"

حضرت شنیٰ رضی اللہ عنہ مسکرائے اور فرمانے لگے۔ وہ بھی ٹھیک کہتا ہے۔ ان کو پکڑ کر لے آؤ تو جناب شنیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کو سمجھایا کہ یہ پسپائی نہیں چال ہے۔ دریا کے اس طرف صف بندی کریں گے اور اپنی غلطی کا اعتراف کرو اور اس طرف جو مسلمان پہنچ گئے ہیں ان کو آواز دو اور ان کی مدد سے پل کو بجالا کرو۔

تبصرہ

اگر جناب عبداللہ بن مرثد پل کو نہ توڑتے، تو اس جنگ میں اتنا نقصان نہ ہوتا۔ لیکن یہ سب مشیت ایزدی تھی کہ ایسے حالات پیدا ہو رہے تھے۔ اب پل کو دوسرے کنارے سے مرمت کرنا تھا اور اس میں دیر لگ گئی۔ بلکہ اس کنارے سے بھی جناب شنیٰ رضی اللہ عنہ پل کی مرمتی والی جگہ کی حفاظت خود کر رہے تھے۔ اور ہر طرف گھمان کارن پڑا ہوا تھا۔

حضرت سلیطؑ کی شہادت

اب ایرانیوں کو روکنے کا سارا کام جناب سلیطؑ، حضرت عاصمؑ اور جناب مدغوزؑ کے ذمہ تھا۔ جو بڑی بہادری سے لڑتے رہے اور اسی دوران جناب شعیؑ نے پل کو دوبارہ بحال کرایا۔ جب حضرت شعیؑ دوبارہ اسے مجاہدوں کے پاس پہنچے تو یہ زخموں سے چور تھے اور جناب سلیطؑ نے زخموں سے چور ہو کر شہادت بھی حاصل کر لی تھی۔ اب جناب شعیؑ اور ان کے قبیلہ والے لوہے کی دیوار بن کر ایرانی حملوں کو روک دیتے تھے اور مسلمان پل سے دریا کو عبور کر کے دوسری طرف صف بند ہو رہے تھے۔ تمام کام نہایت ربط و ضبط سے ہو رہا تھا۔ بنو بکر آخری قبیلہ تھا جو پل کے پار رہ گیا اور جب تمام قبائل دریا کی دوسری طرف صف بند ہو گئے تو بنو بکر میں سے بھی صرف جناب شعیؑ اور ان کے عظیم بھائی وہ مجاہد تھے جنہوں نے پل کو سب سے آخر میں پار کیا۔

ایرانی میدان جنگ چھوڑ گئے

مؤرخین کے لحاظ سے عین اسی وقت جب مسلمان دریا کی دوسری طرف پہنچے تو ایرانی فوجوں کو خبر مل کہ مدائن میں گر بڑھے اور دگر وہ ہو چکے ہیں، ایک رستم کا اور ایک فریزاں کا۔ اس وجہ سے ایرانیوں نے مسلمانوں کا تعاقب نہ کیا اور میدان جنگ چھوڑ کر چلے گئے اور مسلمان مروہ کی طرف آ رہے اور ایرانی فوج کی مدائن کی طرف مراجعت کو دیکھتے رہے۔

تبصرہ

اس جنگ کے بیان سے پہلے ہی ہم نے آنے والے واقعات پر تبصرہ پیش کر دیا تھا اور کچھ جائزے ساتھ ہی ساتھ بیان کر دیئے اور اب آگے اس پوسے باب کے نتائج اور اسباق پر سیر حاصل تبصرہ کیا جا رہا ہے۔ لیکن کچھ حقیقتیں فوری توجہ چاہتی ہیں۔ آپ نے پچھلی کسی جنگوں میں ایرانی فوج کی شکست کے حالات پڑھے وہ جب تتر بتر ہو گئیں تو مسلمانوں نے ان کا دور تک تعاقب کیا لیکن یہاں مسلمان دریا کے دوسرے کنارے پر صف آرا رہے اور ایرانی میدان جنگ چھوڑ گئے۔ باقی جنگوں میں جب ایرانی دریا کے طرف بھاگے تو وہ دریا میں ڈوب کر مر گئے اور اپنے پل کی وہ اسی طرح حفاظت نہ کر سکے بلکہ آگے بڑھ کر مسلمانوں نے

پہلے پر قبضہ کر کے ایرانیوں کو گھیرے میں لے لیا۔ یہاں پر عبداللہ بن مرثد کے پہلے کو کاٹ دینے کے بعد بھی مسلمانوں کے عزم اور ثبات قدمی میں ذرا بھر بھی فرق نہ آیا یہ موازنہ ہمیں دو قوموں کے فلسفہ حیات کے فرق کو سمجھنے میں مدد دے گا۔

ہاں البتہ کچھ مسلمان ضرور بھاگ گئے اور مدینہ تک بھی پہنچ گئے۔ بعد میں پشیمان ہوئے اور زیادہ بہادری سے لڑے اور جو لوگ حضرت شنیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہ گئے۔ انہوں نے چند ماہ بعد ایرانیوں کو جنگ بویب میں شکست دی اور اب مسلمان ایران کی فتح کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔

جسرک جنگ میں ابو عبیدہؓ نے دریا عبور کیا اور ایرانیوں کو شکست زدے سکے اور بے شک قربانی بھی دی۔ لیکن ایرانیوں کو بھی کچھ حاصل نہ ہوا وہ اس طرح میدان جنگ چھوڑ کر چلے گئے جس طرح ابو سفیان احد کے میدان کو چھوڑ کر چلا گیا تھا۔

نتائج و اسباق

۱۔ یہ نتائج و اسباق صرف جنگ جسرک محدود نہیں بلکہ پورے باب کے حالات و واقعات کے نتائج پر تبصرہ ہے کہ جناب خالدؓ کے شام چلے جانے کے بعد معاملات میں بین ہی رہے۔ حضرت شنیٰ رضی اللہ عنہ نے پہلے بابل کے مقام پر ایرانیوں کو شکست دی اور مدینہ شریف سے مکہ مانگی۔ مدینہ شریف سے مکہ ضرور آئی لیکن اول خلافت میں تبدیلی آگئی تھی۔ دوم شام و فلسطین کی جنگ زوروں پر تھی۔ اس لئے ایران و عراق کے محاذ کو بہت زیادہ اہمیت نہ حاصل ہو سکی۔

۲۔ حضرت ابو عبیدہؓ ثقفی التشریف لائے اور تین مقامات یعنی نارق، واسط اور باقیس پر ایرانیوں کو شکست دی اور جو حکمت علی ایرانیوں نے بنائی تھی اس کے پرچے اڑا دیے۔

۳۔ جنگ جسرک یا جنگ فیل ایک حادثہ تھا یا ان ہونی کا ردوائی۔ اس میں شاید یہ مشیت ایزدی تھی کہ مسلمان پوری تیاری کر کے ایران پر حملہ آور ہوں ورنہ اگر جناب ابو عبیدہؓ ایک دن اور دریا کو پار نہ کرتے تو ایرانی خود بخود چلے جاتے کہ مدائن میں گر بڑ ہو گئی تھی۔ اگر ایرانی ویسے چلے گئے اور ان میں مسلمانوں کے تعاقب

۱۔ جلال مصطفیٰ کے دوسرے باب سے استفادہ کریں۔

کی ہمت نہ تھی تو پھر بھی ظاہر ہے کہ وہ جنگ لڑنے نہ آئے تھے بلکہ بہمن کا لشکر ایک سیاسی چال تھی کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ کوئی سمجھوتہ کرنا چاہتے تھے لیکن ابو عبیدہؓ کے دریا کو پار کرنے سے ان کو کچھ حاصل ہو گیا اور وہ واپس چلے گئے۔

۴۔ رستم علم نجوم سے بھی واقف تھا اور یہ علم بھی ایک سائنس ہے۔ ایران کی تباہی اسے نظر آ رہی تھی لیکن اپنے بائے میں یہ علم ہمیشہ اپنے "عالموں" کو کچھ غلط فہمیوں میں بھی ڈالے رکھتا ہے۔ آگے کے حالات اس کے ثبوت میں جائیں گے کہ رستم مسلمانوں کے ساتھ کوئی سمجھوتہ کرنا چاہتا تھا اور بھرپور لڑائی میں اس کو اپنی تباہی بھی نظر آ رہی تھی لیکن اللہ کو کچھ اور منظور تھا۔ ایران کی حکومت کے بھی پرچھے اڑنے تھے اور رستم کا بھی خاتمہ ہونا تھا۔ لیکن جنگ جس نے رستم کو کچھ اور دن دے دیئے۔

۵۔ حضرت شنیٰ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو بچا کر دریا کے اس طرف لے آئے۔ لیکن جنگ نے ایک چیز ظاہر کر دی کہ سواد کے علاقہ میں آج چوکیاں رکھنا۔ کل واپس لے آنا اور یہ ٹھک ٹھک کب تک جاری رہے گی جب تک ایران کی فوجی طاقت کو مکمل طور پر تباہ نہیں کیا جاتا، معاملات یوں ہی رہیں گے۔ ایرانیوں کو مکمل شکست دینے کے صرف دو طریقے تھے :

۱۔ اول : لاد لشکر تیار کیا جائے اور دامن پر لیغار کر کے اس پر قبضہ کر لیا جائے۔

یا

ب۔ دوم۔ دجلہ و فرات کے طاس کے تمام علاقے خالی کر دیئے جائیں اور فرات کے مغرب میں تیار رہا جائے۔ چھاپے مار کر دریا کے علاقوں میں ایرانیوں کا ناک میں دم کر دیا جائے اور ان کو مجبور کیا جائے کہ وہ مسلمانوں پر حملہ کریں یا فیصلہ کن جنگ لڑیں لیکن میدان جنگ مسلمانوں کی مرضی کا ہو۔ جہاں ایرانی فوج کو تباہ و برباد کیا جائے۔

۶۔ جناب شنیٰ رضی اللہ عنہ اپنی کم فوج سے ان دونوں میں سے کوئی کام بھی نہیں کر سکتے تھے اور ایسی کاروائی کا مرکز مدینہ شریف کو ہونا چاہیے۔ حضرت شنیٰ رضی اللہ عنہ اس دوسرے طریقہ کے حامی تھے اور اسی وجہ سے انہوں نے حیرہ کو دوبارہ چھوڑ دیا اور اب خغان کی جگہ بھی شراف کو چنا جو صحرا کے اور نزدیک تھا۔

۷۔ مدینہ شریف کے مستقر سے ایران و عراق کے محاذ کو وہ اہمیت نہ حاصل ہو سکی تھی جو اب شام کے محاذ کو مل چکی تھی یا مل رہی تھی۔ وہاں جناب خالد رضی اللہ عنہ، ضراء بن الازور، ضراء بن خطاب، قعقاع بن عمرو،

جریر بن عبد اللہ سے پہلے بھی چوٹی کے صحابہ موجود تھے جن میں جناب ابو عبیدہؓ، ابن جراح، شریک بن حسنہ، یزید بن ابوسفیانؓ، عمرو بن عاص، عکرمہ بن ابو جہل، ابو ہریرہؓ، ابوسفیانؓ، ابن حرب، ابوذر غفاریؓ، عبد اللہ بن جعفر طیارؓ اور عبد اللہ بن زبیر کے نام قابل ذکر ہیں۔

۸۔ ایران ایک وسیع علاقہ تھا۔ ذرائع آمد و رفت کے لئے دو مت الجندل والا راستہ بالکل بیابان تھا۔ نجاج والا راستہ اختیار کیا لیکن راستے میں پھر بھی صحرا تھے۔ شام و فلسطین کا محاذ تنگ تھا۔ وادیاں تھیں، ٹھیس تھیں اور ذرائع آمد و رفت بہتر تھے۔ پہلے چار لشکر بھیجے پھر کمانڈ میں وحدت بھی پیدا کر دی گئی۔ لیکن ضرورت کے مطابق علاقائی طور پر محاذ کو حصوں میں بانٹ دیا جاتا تھا۔ لیکن عراق و ایران میں عجیب حالات تھے۔ جگہ جگہ دریا اور ندیاں عبور کرنا پڑتی تھیں۔ ادھر بیابان رگستان تھا۔ جس میں عین التمر، خنافس اور مینخ کے قبائل کو قابو رکھنا تھا۔ ادھر بصرہ کی طرف ڈیلٹا کا علاقہ تھا، دلدل تھی کہیں عراق و ایران کی سرحد پر پہاڑ تھے۔ پندرہویں نقشے سے علاقہ کی وسعت کا اندازہ لگائیں۔ ادھر پانچویں یا آٹھویں نقشے سے اس سب علاقہ کا شام و فلسطین کے علاقہ کے ساتھ موازنہ کریں تو پھر فرق پتہ چلے گا۔ اس علاقہ کے لئے کسی بھرپور فوجی حکمت عملی کے تعین کی ضرورت تھی۔

۹۔ حضرت ابو عبیدہؓ اور ان کے قبیلہ نے عظیم قربانی دے کر مسلمانوں کو فلسفہ اسلام کا ایک عملی نمونہ دکھایا اور خلیفہ دوم کی ایران و عراق کے محاذ کی اہمیت کے بارے میں عملی طور پر آگاہ کیا۔ آگے چل کر اس سلسلہ میں جناب فاروق اعظمؓ نے جو عملی کارروائیاں کیں ان کا ذکر آئے گا۔ اس سلسلہ میں جناب ابو عبیدہؓ کی قربانی نے اہم کردار ادا کیا۔

۱۰۔ ایرانی لشکر جس کی جنگ سے جس طرح واپس چلا گیا۔ اس عقدہ کو مورخین نے پوری طرح نہیں کھولا۔ ملکی حالات خراب ہوتے رہتے ہیں۔ بادشاہ مرتے رہتے ہیں۔ میدان جنگ میں قاصد آکر صرف سالانہ جنگ کو ملتا ہے۔ سالانہ لشکر کم از کم اتنا تو کر سکتا تھا کہ پل پر قبضہ کر کے مسلمانوں کی سپائی میں رکاوٹ ڈالتا، کچھ لوگوں کو تعاقب کے لئے بھیجتا لیکن کچھ بھی نہ کیا اور مدائن واپس چلا گیا۔ کچھ مورخین کا خیال ہے کہ مدائن میں جو بغاوت یا تفرقہ تھا۔ وہ رستم اور فیروزان کے درمیان طاقت کی رسد کشتی تھی۔ کچھ کا خیال ہے کہ بغاوت میں مردان شاہ اور جابان بلوث تھے جن کا حشر اگلے باب میں ظاہر ہو جائے گا۔

بہر حال جنگ جس میں جو کچھ ہوا۔ رستم وزیر جنگ پکا ہو گیا اور یزدجرد نے بادشاہ کے طور پر مکمل باگ ڈور سنبھال لی۔

اس جنگ میں چھ ہزار ایرانی مارے گئے اور چار ہزار مسلمان شہید ہوئے اور کوئی دو ہزار کے قریب تتر بتر ہو گئے۔ جناب شنیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی چار پانچ ہزار مجاہد رہ گئے۔ اگر جناب عبداللہ بن مرثدہ پل کی رسیاں نہ کاٹتے تو اتنا نقصان نہ ہوتا۔ لیکن مشیتِ ایزدی ایسی ہی تھی۔ جناب شنیٰ رضی اللہ عنہ کو بھی معاف کر دیا۔ اس جنگ میں مسلمانوں نے بڑی بہادری دکھائی۔ تنگ محاذ پر اکیلے مسلمان مجاہد کا چار یا پانچ کفار کے ساتھ مقابلہ ہوتا تھا۔ ایسی حالت میں مسلمانوں نے پل کو مرمت کر کے دوبارہ جو سفوں کو بحال کیا اور طریقے اور ضبط کے ساتھ دوسرے کنا سے پر صف بندی کی۔ اس سے سبق ملتا ہے کہ جذبہ سے طاقت میں کتنا اضافہ ہو سکتا ہے۔

جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جس کی جنگ کے نتائج کو بڑے صبر کے ساتھ برداشت کیا اور فرمایا: "ہر مسلمان کی ذرری مجھ پر عائد ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ابرو عبیدہ پر رحمت ہو۔ اگر دریا عبور کرنے کے بعد وہ پہاڑی کی اوٹ میں صف بندی کر لیتے تو پھر بھی بہتر رہتا۔ ویسے میری خواہش تو یہ تھی کہ وہ دریا عبور ہی نہ کرتے اور اپنے آپ کو موت کے منہ میں نہ دھکیلتے۔ اگر حالات زیادہ خراب بھی ہو جاتے تو کیا ہرج تھا کہ وہ وہاں سے واپس آجاتے۔"

تبصرہ

جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ اپنے اندر کتنی عمدگی لئے ہوئے ہیں۔ ایک مسلمان حاکم کے لشکر کے سپہ سالار کیلئے یہ کتنے پیارے الفاظ ہیں اور غلطی کا بیان بھی کتنے پیارے الفاظ میں کیا ہے۔ ہم جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر کریں تو ہمیں چاہیے کہ ان الفاظ سے سبق لیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے کتنے پیارے الفاظ استعمال کرتے تھے اور ایسے الفاظ ہرگز نہ استعمال کرتے تھے جس سے کسی کی دل شکنی ہو۔

آپ اندازہ لگائیں کہ مدینہ میں بیٹھ کر جناب فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے میدان جنگ کا نقشہ موجود تھا۔ جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حاکم وقت ہونے کی صورت میں ٹھیک فرماتے تھے کہ مسلمانوں کو اپنی حفاظت کرنا چاہیے۔ اصلی بات یوں کا مقصد حیات ہے کہ وہ غیرت کی زندگی اور عقیدہ کی حفاظت میں اپنی جان پر کھیل جاتا ہے۔

اس جنگ کے قاصد جناب عبداللہ بن زید جب مدینہ تشریف لائے تو پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حالات سے آگاہ کیا۔ ان کے بیان کا طریقہ اتنا اچھا تھا کہ جناب عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سب مسلمانوں کو لڑائی کے صحیح واقعات سناؤ۔ جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ

نے صحیح حالات کو عمدہ طریقے سے بیان کر دیا اور کوئی گھبراہٹ پیدا نہ ہوئی بلکہ لوگوں میں جذبہ جہاد اور بڑھ گیا اور اس کے نتائج کا بیان آگے آئے گا۔ جناب عائشہ صدیقہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ عبداللہؓ نے زید کا بیان ایسا تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ آدمی جنگ کے سارے واقعات کا آنکھوں سے مشاہدہ کر رہا ہو۔ یہ ہیں قاصد کی خصوصیات۔

یہ کام اتنا آسان نہیں اور صحیح پیغام رسانی ایک بہت بڑا ہنر ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ قاصد کسی شکست کے بعد پوری قوم میں افراتفری پچا دیتے ہیں۔

اسباق حسب ذیل ہیں:

و۔ متحرک طرز جنگ بہترین طرز جنگ ہے اور متحرک رہ کر حضرت ابو عبیدہؓ نے آتے ہی تین جنگوں میں فتح حاصل کر لی۔

ب۔ محدود علاقہ میں رہ کر جنگ لڑنا بھی بڑا کٹھن کام ہے، کم نفری کی حالت میں تو اور بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ زیادہ علاقہ سے متحرک ہو کر دشمن پر کبھی ادھر سے وار کیا اور کبھی ادھر سے۔ یعنی اپنی طاقت کو حرکت سے زیادہ کیا جائے۔

پ۔ ہلکے پھلکے مسلمان تعداد میں کمی کے باوجود، بھاری بھار کم ہتھیاروں والے ایرانیوں کو جگہ جگہ شکست دیتے رہے۔ اس لئے ”بندوبستی دم“ جتنی چھوٹی ہو بہتر ہوتا ہے۔

ت۔ فلسفہ حیات اور کردار فن سپاہ گری کی بنیادی چیزیں ہیں۔ جب ایرانی ایک باطل فلسفہ پر متحذ تھے تو وہ عربوں سے برتر تھے کیونکہ اس وقت عربوں کے پاس کوئی فلسفہ نہ تھا لیکن عرب جب مسلمان ہو گئے اور انہوں نے دین فطرت کے فلسفہ کو اپنا لیا، تو وہ انہی ایرانیوں سے برتر ہو گئے۔

ث۔ حضرت عمرؓ نے ایرانیوں کے کردار کا جو جائزہ پیش کیا، وہ ایک زوال پذیر قوم کے کردار کا تجزیہ ہے۔ ایسی قومیں صفحہ ہستی سے جلدی مٹ جاتی ہیں۔ ہمیں ہر وقت اپنا قومی محاسبہ کرتے رہنا چاہیے کہ اس قسم کی کمینگی سے دور رہیں۔

ث۔ جنگ کے چالوں، تدبیرات، فن، ہنر، ربط و ضبط، احکام کی پابندی، ثنابت قدمی اور اطاعت امیر وغیرہ کے سلسلہ میں اسباق پہلے ہی بیان کئے جا چکے ہیں۔ یہ سب کچھ مسلمانوں نے قرآن پاک کی برکت سے حاصل کیا۔

ع۔ کسے خبر کہ ہزاروں مقام رکھتا ہے وہ فقر جس میں ہے بے پردہ روح قرآنی (اقبال)

انیسواں باب جنگ بویب

جنگ جس کے نتیجہ کے طور پر اسلامی لشکر میں بے چینی پھیل گئی لیکن شنیؒ نے تمام مجاہدین کو اسی کے نزدیک اکٹھا کر لیا۔ ایک طرف مدینہ میں جناب عبداللہؓ کو بھیجا تو دوسری طرف عرب قبائل سے مزید مجاہدین کو فوج میں بھرتی کر لیا اور اپنی تعداد میں اضافہ کر لیا۔ مدینہ شریف سے بھی ملک آنا شروع ہو گئی جس کو مرحلہ در مرحلہ اگلے ابواب میں بیان کیا جائے گا۔ بہر حال اہل مدینہ پر جنگ جس کے نتائج کا یہ اثر ہوا کہ ایران کے سلسلہ میں انہیں دو ٹوک فیصلہ کرنا پڑا۔

جبابان اور مردان شاہ کا خاتمہ

ایران کے اندرونی جھگڑوں کے سلسلہ میں مورخین کوئی صحیح روشنی نہیں ڈال سکتے۔ جنگ جس کے چند دن کے بعد حضرت شنیؒ نے اسی کے عرب قبائل کی مدد سے ایک چھاپہ مار کر جبابان اور مردان شاہ کو گرفتار کر لیا۔ یہ لوگ وہاں کب، کیسے اور کیوں آئے اس کے تانے بانے ملتے نظر نہیں آتے۔ لیکن طبری میں حضرت شنیؒ کے یہ الفاظ کہ آپ نے جبابان کو کہا "کہ تم نے ہمارے امیر کو دھوکا دیا تھا۔ ان کے سامنے جھوٹ بولا تھا اور ان کو بھڑکایا تھا" ایسے ہیں جن کے اندر کوئی راز پنہاں ہے۔ ایک بات تو یہ ہو سکتی ہے کہ یہ لوگ جنگ جس سے پہلے اس علاقہ میں تھے۔ اور مسلمانوں کے ساتھ کوئی ساز و باز کر کے بہمن کے لشکر کو شکست دلانا چاہتے تھے۔ یا مسلمانوں کو کوئی غلط اطلاع دی یا غلط امید دلائی وغیرہ۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ جنگ جس کے وقت وہ مدائن میں تھے اور وہاں کچھ گڑ بڑ کی جس میں کامیاب نہ ہوئے اور وہاں سے بھاگ کر ادھر آ گئے۔ جس کی جنگ کے بعد جو ایرانی لشکر مسلمانوں کے تعاقب کے بغیر چلا گیا تھا۔ وہاں بھی جبابان کی گڑ بڑ کا ذکر موجود ہے۔ بہر حال ان ناکامیوں کے بعد جبابان اور مردان شاہ اب اسی کے نزدیک پہنچ کر مسلمانوں کے ساتھ کوئی ساز و باز کرنا چاہتے تھے لیکن مسلمانوں نے اعتبار نہ کیا اور وہ گرفتار ہوئے۔

تیسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ جابان مدائن میں کسی ناکامی کے بعد اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایسے کے علاقہ میں پہنچ گیا۔ اس کو خیال ہوگا کہ مسلمان افراتفری کی حالت میں ہوں گے۔ بچے کھچے لشکر کو وہ میامیٹ کر کے ایران میں نام پیدا کرے گا لیکن وہاں اٹا اپنے ساتھیوں سمیت پکڑا گیا۔ جناب مثنیٰ نے دونوں کے سر قلم کرنے کا حکم دیا۔ جابان جو دو جنگوں سے بھاگ چکا تھا۔ آخر حق کی تلوار سے اپنا سر قلم کرا بیٹھا۔ یعنی اس کے مقدر میں مسلمان کی تلوار کی تیز دھار تھی جس سے کئی دفعہ بھاگنے کے بعد وہ بچ نہ سکا۔

کافر ہے تو ہے تابع تقدیر مسلمان
 ہومن ہے تو وہ آپ ہے تقدیر الہی
 (اقبال)

حضرت عمرؓ کی جناب مثنیٰؓ کو ہدایت

جناب فاروق اعظمؓ نے اسلام کے عظیم فرزند حضرت مثنیٰؓ کو ہدایت کی کہ دشمن کے پنگل سے اپنے آپ کو باہر کر دو۔ اپنی حدود سلطنت میں جہاں دشمن کے ساتھ سرحدیں ملتی ہیں، وہاں چشموں پر پھیل جاؤ۔ بنو ربیعہ، بنو مضر اور ان کے حلیف قبائل سے جس قدر صاحب شجاعت اور شہسوار مل سکیں ان کو اپنے ساتھ لالو اور اپنے علاقہ میں سب مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دو۔ ہم مدینہ سے کچھ مجاہدین فوری طور پر آپ کی مدد کے لئے بھیج رہے ہیں اور ہماری اگلی ہدایات کا انتظار کریں۔

حضرت مثنیٰؓ پہلے ہی ذی قار پہنچ چکے تھے۔ یہ حکم ملتے ہی انہوں نے سوار کے علاقہ میں فوجی چوکیوں کو تقریباً ختم ہی کر دیا اور صرف چند مجزا دھڑ چھوڑ دیئے۔ چنانچہ پرانے طریقہ کے مطابق اپنے دوست رگستان کی اوٹلی اور وہاں مجاہدین بھرتی کرنے شروع کر دیئے اور ساتھ ہی مکہ کا انتظار کیا۔ یاد رہے کہ جناب مثنیٰؓ کے چہرہ مبارک پر برقی کا جو زخم آیا تھا وہ بہت گہرا تھا لیکن چونکہ چل پھر سکتے تھے۔ اس لئے زخمی چہرے کے ساتھ ہی اپنے کام میں مشغول ہے۔

مدینہ سے مکہ

حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے جناب جریرؓ بن عبداللہ بجلیدہ کو جناب مثنیٰؓ کی مدد کے لئے بھیجا اور ان کو حکم

دیا کہ اپنے قبیلہ یا جہاں سے جتنے مجاہدین مل سکیں ان کو ساتھ لے کر حضرت ثنیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ جائیں۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ عراق کے علاقہ سے واقف تھے اور جناب خالد رضی اللہ عنہ کے لشکر کے ساتھ شام چلے گئے تھے۔ ان دنوں شام سے ٹھہری آئے ہوئے تھے۔ جناب جریر جلد ہی محاذ جنگ پر پہنچ گئے۔ اس کے بعد جناب عمر رضی اللہ عنہ نے عدی بن حاتم کو حکم دیا کہ وہ بھی ملک کے ساتھ جلدی عراق کے محاذ پر پہنچیں۔ جناب عدی رضی اللہ عنہ بھی علاقہ سے واقف تھے اور جناب خالد رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس علاقہ میں جنگوں میں شریک رہے تھے۔ جناب نمر بن بکر بن حزام کا ذکر پہلے ہو چکا ہے کہ گیارہ لشکروں میں ان کا آٹھواں لشکر تھا وہ قبیلہ ازد کے عامل تھے۔ وہاں پر ان کو حکم ملا کہ قبیلہ ازد کے مجاہدین کے ساتھ عراق کے محاذ پر رپورٹ کریں۔ باقی ملک میں قبیلہ رباب سے ہلال بن علفہ، بنو حہتم سے ابن الحشی، قبیلہ خشعم سے عبداللہ بن ذی السمین قبیلہ حنظلہ سے ربیعہ اور ان کا بیٹا وغیرہ دستے لے کر عراق چل پڑے۔ باقی قبائل سے ربیعہ بن عامر، ابن الہویر، المنذر بن حسان اور قرظ بن جماع بھی اپنے دستوں کے ساتھ جناب ثنیٰ رضی اللہ عنہ کی امداد کے لئے عراق پہنچ گئے۔

مہران کی پیشقدمی

ایران کے اندرونی حالات کے سلسلہ میں مورخین میں یہاں بھی اختلاف ہے کہ آیا بوران جو عورت تھی۔ وہ حکمران تھیں یا یزدگرد جس کو مسلمان یزدگرد کہتے ہیں۔ بہر حال رستم اور فیروز کی رشتہ کشی ختم معلوم ہوتی ہے۔ جنگوں کے صحیح جائزوں کے لئے دونوں طریقوں کے صحیح حالات کے بارے میں پوری واقفیت کی ضرورت ہوتی ہے لیکن ہمیں اتنا معلوم ہو رہا ہے کہ ایرانی سنبھلنے کی کوشش کر رہے تھے اور وہ باختر تھے۔ ان کو جب پتہ چلا کہ مدینہ سے حضرت ثنیٰ رضی اللہ عنہ کو ملک پہنچنا شروع ہو گئی ہے تو انہوں نے جلدی سے مہران ہمدانی کے ماتحت ایک بارہ سے پندرہ ہزار کا لشکر تیار کیا اور اس کو حکم دیا کہ وہ جا کر حضرت ثنیٰ رضی اللہ عنہ کا قلع قمع کر دے اور مہران نے تیزی سے پیش قدمی شروع کر دی اور دریائے فرات کے مشرقی کنارے پر کوفہ کے سامنے والے علاقہ میں آکر صف بند ہو گیا۔

جنگ بویب (صفر ۱۴ ہجری)

طبری نے ایک جگہ لکھا ہے کہ جنگ بویب رمضان کے مہینہ میں ہوئی لیکن جگہ نہر بھی رمضان ۱۴ ہجری میں ہوئی تھی۔ اس لئے جنگ بویب اتنی جلد نہیں ہو سکتی اور نہ پورے سال کا فرق ہو سکتا ہے۔ اس لئے صفر

۱۳ ہجری والی بات کچھ صحیح معلوم ہوتی ہے مہران نے جس جگہ پڑاؤ کیا اس کا نام بسوتھا۔ "بسوت" اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو سوکھی ہوئی ہو اور دودھ نہ دے جناب شنیٰؓ کو جب یہ پتہ چلا تو آپ نے کہا کہ مہران کے لئے یہ برا شگون ہے۔ مہران البتہ جناب شنیٰؓ کو دعوت دے رہا تھا کہ وہ دریا کو پار کریں اور دودھ ہاتھ ہو جائیں۔ جناب شنیٰؓ دریا کی دوسری طرف بویب ندی یا دریا کے پاس فوجی طرز کا پڑاؤ کئے ہوئے تھے۔ مہران کو حکم تھا کہ جلد جناب شنیٰؓ کا قلع قمع کریں اور وہ جناب شنیٰؓ سے دریا پار کروا کر جس کی جنگ طرح کا میابی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ حضرت شنیٰؓ کو کوئی جلدی نہ تھی۔ وہ دریا کے نزدیک بھی دشمن پر نظر رکھنے کے لئے گئے ہوئے تھے در نہ وہ اب مزید ملک کے آنے تک زیادہ بھر دسہ اپنے دوست ریگستان پر رہے تھے۔ جناب شنیٰؓ نے دریا کو پار کرنے سے سنا انکار کر دیا۔ اب مہران پر ایک طرف حکومت کا دباؤ تھا کہ وہ جلدی کرے۔ دوسری طرف اس کو ڈر تھا کہ حضرت شنیٰؓ کوئی حیران کن کاروائی نہ کر دیں کہ وہ حضرت شنیٰؓ سے جناب خالدؓ کی طرح اس سلسلہ میں بہت خائف تھا۔ اس لئے مہران نے مجبور ہو کر دریا پار کر ہی لیا۔

طرفین کی صف بندی

حضرت شنیٰؓ نے اپنے بازوؤں پر دونوں صحابہ رسول جناب عدیؓ اور جناب جریرؓ کو مقرر کیا۔ اور ریزہ دریا جھپٹنے والے دستے اپنے بھائی معنیؓ کے ماتحت لشکر کے پیچھے رکھے۔ درمیان میں وہ خود تھے اور ان کا چھوٹا بھائی مسعود ان کے ساتھ تھا۔ جناب شنیٰؓ اپنے گھوڑے شمس پر سوار تھے جس پر آپ صرف جنگوں میں سوار ہوتے تھے۔ بدن پر زخم کی وجہ سے خاص کر چہرہ پر بھی پٹیاں بندھی ہوئی تھیں اور گھوڑے پر سوار ہو کر آپ ہر دستہ کے سامنے رک جاتے تھے اور خطاب فرماتے تھے۔ ایک مجاہد البتہ بے تاب تھا جو سب اہل لشکر سے آگے نکل گیا۔ اس مجاہد کے جنگ جسر میں قدم اکھڑ گئے تھے اور آج کے دن وہ کسر پوری کرنا چاہتا تھا۔ جناب شنیٰؓ اس کو دیکھ کر مسکرائیے اور اس کو صفوں کے بیچ کر دیا۔

طبری کے لحاظ سے میمنہ اور میسرہ پر مدعوزہؓ اور السیرہؓ تھے۔ اور سواروں کی کمانڈ حضرت عاصمؓ کے ہاتھ تھی۔ بلکہ کچھ جیش المقدم بھی تھا جس پر جناب عصمہؓ تھے۔ بہر حال اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ دائیں بائیں کے دستوں میں ہر سطح پر کمانڈ ہوتے تھے اور کسی امیر ہو سکتے تھے۔ مہران نے مجبوراً دریا پار کیا اور شومیاء کے مقام پر صف بندی کی جس کے بارے میں جناب شنیٰؓ نے فرمایا کہ یہ بھی مہران کے لئے

وا، نقشہ ہم دیکھیں۔

براشگون ہے مہران اپنے لشکر کے درمیان میں تھا اور اسکی فوج کے بازوؤں پر سردان شاہ اور حیرہ کا ریس آزادبہ تھے یہ سردانشاہ نیا مردانشاہ تھا کہ ایک مردانشاہ چند دن پہلے جابان کے ساتھ مارا گیا تھا اور آزادبہ وہی ہے جو فتح حیرہ کے وقت اپنے لڑکے کے مارا جانے کی وجہ سے بھاگ گیا تھا۔

جنگ

ایرانیوں کے تینوں دستوں میں ایک ایک ہاتھی تھا اور فوج میں بہت شور مچا ہوا تھا۔ جناب شنی نے مجاہدین کو آگاہ کیا کہ یہ بزدلی کی نشانی ہے اور مجاہدین خاموش رہیں۔ تین دفعہ نعرہ بجیر کی صدا دی جائے گی اور چوتھے نعرہ پر تمام مجاہدین دشمن پر پل پڑیں۔ مسلمان دفاعی جنگ کے صرف اس حد تک قائل تھے کہ حکمت عملی کے طور پر زمین اور علاقہ مرضی کا ہو۔ لیکن وہ کسی انفعال دفاع میں یقین نہ کرتے تھے۔ وہ دفاع کو بھی متحرک رکھتے تھے اور ساکن تب تک رہتے تھے جب تک دشمن مار سے دور ہو۔ لیکن جب دشمن مار کے دائرے میں آجاتا تو پھر مسلمان متحرک ہو کر حملہ ہی کرتے اور تمام تر کارروائی جارحانہ ہوتی۔

اب ایرانیوں کی انزاسفری کی یہ حالت تھی کہ انہوں نے مسلمانوں کے پہلے ہی نعرہ بجیر کی آواز پر مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ مسلمان بھی کچھ بے ترتیبی سے آگے بڑھے لیکن جناب شنی نے "سبٹ، سبٹ" پکارا اور مسلمان سنبھل گئے اور ترتیب سے لڑائی شروع ہو گئی۔ لوگ بار بار حضرت شنیؑ کی طرف دیکھتے تھے اور حضرت شنیؑ اگر دیکھنے کا جواب سکرابٹ یا شاباش کے اشارہ سے دیتے تھے تو لوگ سمجھ جاتے تھے کہ ان کے محاذ یا علاقہ میں کارروائی سالار کی مرضی کے مطابق ہو رہی تھی۔ جناب شنیؑ کا جنگ کی نہیں شناسی میں بہت اونچا مقام تھا اور بہت چرکتے اور جلد فیصلے کرنے والے تھے۔

مہران کا خاتمہ

مسلمانوں کے لشکر کی تعداد میں اختلاف ہے لیکن اندازہ ہے کل تعداد آٹھ یا نو ہزار کے قریب تھی۔ جس میں آدھے سے زیادہ جنگ کا کوئی تجربہ نہ رکھتے تھے۔ ایرانی جنگ جس کے بعد کچھ بہتر ہمت میں تھے۔ اس لئے جب مسلمانوں کے حملوں میں کچھ کمی آئی تو ایرانیوں نے کچھ آگے بڑھنے کی کوشش کی اور مسلمانوں نے ان کو روکا جس کی وجہ سے جنگ طویل پڑتی رہی تھی۔ جناب شنیؑ کی زندگی کی یہ پہلی جنگ تھی کہ آپ زخموں کی وجہ سے دشمن کی صفوں میں

نہ گھس سکے لیکن اگلی سف میں موبوہ ضرور رہے۔ جب جنگ کی یہ حالت ان کو نظر آئی تو انہوں نے سوچا کہ دشمن کی طاقت کی کشش کے مرکز کو ختم کیا جائے اور مسلمانوں کو بھڑکایا "کہ مہران کا قلم کر دو" ان الفاظ میں پتہ نہیں کیا جاوے تھا کہ تمام اطراف سے لوگ جوش جہاد میں آگے بڑھے اور چند لمحوں میں مہران کا سر زمین پر تڑپ رہا تھا اس کے قتل میں جناب جریرؓ اور بنو تغلب کا ایک مجاہد برابر کے شریک تھے اور جنگ کے بعد مہران کے ہتھیار دونوں میں برابر بانٹ دیئے گئے۔

جناب مسعودؓ کی شہادت

ایرانی بھی اس جنگ میں بڑی شدت کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے اور خاص کر دونوں فرجوں کے قلب میں اتنی سخت لڑائی ہوئی کہ گرد و غبار اور اٹھا تو نظر آیا کہ ایرانیوں کا قلب جنگ ہار کر پیچھے ہٹ چکا تھا اور میدان جنگ لاشوں سے پٹا پڑا تھا۔ انہی میں جناب مثنیٰ رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی جناب مسعودؓ بھی تھے جو زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے اپنے آخری سانسوں پر تھے۔ اپنے عظیم بھائی مثنیٰ رضی اللہ عنہ کی جد آج انہوں نے سنبھالی ہوئی تھی اور دشمن کی صفوں میں گھس کر ان کو تہس نہس کرنے کا کام انہوں نے کیا تھا۔ آپ کے قبیلہ والوں نے آپ کو زمین سے اٹھایا تو جناب مثنیٰؓ پکارا اٹھے۔ "اے مسلمانو! یاد رکھو ہمارے بیچ بہتر لوگ وہ ہوتے ہیں جو اس طرح شہادت حاصل کریں۔ اپنے جھنڈوں کو اور اٹھاؤ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اور عروج دے"

وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا

شباب جس کا ہے بے داغ، حرب ہے کاری

اقبالؓ

اور جناب مسعودؓ شہید نے زندگی کا مقصد حاصل کر لیا۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن

نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

مسلمانوں کا بھڑکایا حملہ

اسلامی لشکر نے جناب مسعودؓ کی شہادت کے بعد جناب مثنیٰؓ کے ولولہ اور جذبہ جہاد کی یہ حالت دیکھی تو انہوں

نے دشمن پر بھرپور حملہ کر دیا۔ جناب قرط بن جماع نے آگے بڑھ کر ایرانی رسالہ کے کانڈر شہر بزار کو قتل کر دیا۔ ملک میں آنے والوں میں سے جناب عرفجہ بن عبد اللہ بن اسمیں اور جناب بعبی بن نے اپنے دستوں اور قبائل کے ساتھ زوردار حملے کئے اور ایرانی سرداروں کو چن چن کر قتل کرنا شروع کر دیا اور جناب شعیب بن نے اپنے دستہ کے ساتھ آگے بڑھ کر پل پر قبضہ کر لیا۔ اب ایرانیوں کے لئے بھاگنے کے راستے بھی مسدود تھے اور پورے لشکر کو تہس نہس کر دیا گیا۔ مورخین کہتے ہیں کہ اس جنگ میں مرنے والی ایرانیوں کی بوسیدہ ہڈیاں کئی سال تک وہاں پڑی رہیں۔ ظاہر ہے لشکر کا بڑا حصہ ادھر ہی ختم ہو گیا۔ پھر بھاری بھر کم ایرانی بھاگ بھی نہ سکتے تھے۔ ویسے تو کئی اور جنگوں میں ایرانیوں کا نقصان زیادہ ہوا لیکن یہاں میدان جنگ محدود علاقہ میں تھا تو بوسیدہ ہڈیاں زیادہ دیر رہیں۔ اس کو کہتے ہیں شکست۔ ہمارے جن مورخین نے خبر کی جنگ کو اپنی شکست تصور کر لیا۔ وہ یہاں موازنہ کریں۔ ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ خبر کی جنگ میں مسلمان کامیاب نہ ہو سکے۔

تلواروں اور نیزوں پر جنازہ

اس جنگ میں حضرت شعیب بن نے بھائی مسعود شہید اور باقی شہدار کے جنازوں کو جنگ کے بعد تلواروں اور نیزوں پر اٹھایا گیا اور حضرت شعیب بن نے نماز جنازہ پڑھائی۔ تاریخ میں اس قسم کی روایت پہلی دفعہ سامنے آتی ہے کہ شہدا کی عزت افزائی کی گئی۔ اسلام دین فطرت ہے اور بے شک وہ غیروں کی نقالی سے منع کرتا ہے لیکن عرب قبائل کے چند اچھے رواج اسلام میں موجود رہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی قبیلہ یا قبیلہ بنو بکر کے ہاں جنگ کے مرنے والوں کے لئے ایسی عزت کا رواج ہو گا۔ اور پہلی دفعہ میدان جنگ میں اسلام کے شہدار کو یہ عزت جنگ بویب میں دی گئی۔ کیونکہ یہ رسم دین فطرت کے فلسفہ حیات کو کسی اصول کے خلاف نہیں جاتی، بلکہ مرنے والوں یا شہدا کی عزت افزائی ہے تو اس کے بعد شاید مسلمانوں میں اس کا رواج ہو گیا ہو۔ بہر حال یورپ کی عسکری تاریخ میں ایسی روایات سترہویں صدی سے پہلے نظر نہیں آتیں اور معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ترکوں سے یہ سیکھا اور اب یہ رسم عام ہو گئی ہے کہ ملک کے لیڈروں اور سپاہیوں کے جنازے توپ پر اٹھائے جاتے ہیں۔ (واللہ اعلم) اس پہلو پر زیادہ تجسس کی ضرورت ہے۔

فوری عطیات

حضور پاکؐ، مسلمانوں کو دشمن کے فوری تعاقب کا طریقہ کار سکھلا گئے تھے جس کا جلال مصطفیٰ ص کے دوسرے تیسرے اور ساتویں باب میں تفصیل سے ذکر ہے۔ چنانچہ مسلمانوں نے اس طریقے کو ہر جنگ میں استعمال کیا۔ خاص کر جناب جریرؓ بن عبداللہ اور وہ لوگ جنہوں نے جس کی جنگ میں شرکت نہ کی وہ بدلہ لینے کے لئے بہت پرجوش تھے۔ انہوں نے تیزی سے دریا کو پار کیا اور مہران دریا کے پار جو سرد سائی کا سامان اور ریوڑ چھوڑ آیا تھا اس پر قبضہ کیا اور حیرہ کے عبدالمسیح کے بیٹے اور کرامتہ کے بھائی کو حکم دیا کہ یہ ریوڑ ہانک کر مسلمانوں کے بند و بستی علاقے میں لے جاتے۔ وہاں پر مسلمان عورتیں اور بچے تھے اور انہوں نے جب اجنبی لوگوں کو اپنی طرف آتے دیکھا تو انہوں نے ابن عبدالمسیح اور اس کے ساتھیوں پر حملہ کر دیا۔ اس بے چارے نے مسلمان عورتوں اور بچوں کو فتح کی خوشخبری سنائی اور خود عیش عیش کرنے لگا کہ جس قوم کی عورتیں اور بچے ایسے ہوں ان کا مقابلہ کون کر سکتا ہے۔

اس کے بعد جناب جریرؓ، عاصمہؓ اور عکرمہؓ اپنے قبائل کے دستوں کے ساتھ بچے کچھ دشمن کا دور تک تعاقب کرتے رہے۔ حتیٰ کہ مدائن کے نزدیک سباط چھاؤنی کے نزدیک کے علاقوں کو بھی تاخت و تاراج کیا گیا، جہاں سے مال غنیمت حاصل ہوا۔ یہ متحرک کارروائیاں مختلف امرا کے ماتحت سائے طاس یا سواد کے علاقے میں جاری رہیں اور واسط سے لے کر اوپر تک جگہ جگہ مسلمان دستے اللہ اور اس کے حبیب کا نام بلند کرتے رہے۔ یعنی جس طرح جناب خالدؓ کے زمانے میں ایرانیوں کے لئے دجلہ کے اس پار رہنا ناممکن ہو گیا تھا تو اب پھر مسلمان دستوں نے وہی صورت پیدا کر دی۔

شمال میں انبار اور دریائے فرات کے مغرب کے ریگستانی علاقہ یعنی عین التمر اور خنافس کے علاقہ کے عرب قبیلے بھی جنگ جسر کے بعد خود مختاری کا سوچ رہے تھے اور مسلمانوں کی طرف لا پرواہی برتی۔ جناب ثنی ارضی نے متعدد امرا کو دستے بھیج کر ان علاقوں میں حربی مظاہرے کئے اور شریکوں کے مزاج کو درست کیا۔ علاوہ اکبات اور تکریت کے علاقوں میں لشکر بھیجے اور تکریت پر چڑھائی والے لشکر کی کانڈ جناب ثنی ارضی نے خود کی۔

نتائج و اسباق

۱۔ اس باب اور جنگ بویب کے نتائج یعنی "عطیات اور ثمرات" اوپر بیان کر دیئے گئے ہیں جو فوری نتائج تھے۔ جہتی یا پیش رفت والے نتائج عملی طور پر اگلے باب میں خود بخود عیاں ہو جائیں گے کہ جناب خالدؓ ایران کی فتح کی جو بنیاد باندھ گئے تھے۔ اس کو جس کے مقام پر تھوڑا دھچکا لگا لیکن جناب شنیٰ نے اس بنیاد کو پھر مضبوط کر دیا۔

۲۔ حضرت عمرؓ مدینہ میں ایران کی فتح کے لئے تجاویز مرتب فرما رہے تھے اور یزدجرد جو تخت پر مکمل طور پر براجمان ہو چکا تھا۔ مسلمانوں کی ایک بڑی شکست دینے کی تیاری کر رہا تھا۔

۳۔ اسلام میں بامقصد جنگ کے تحت حق کا قافلہ رواں دواں رہتا ہے۔ حکمت عملی کی بنیاد اس پر ہوتی ہے کہ آگے چل کر اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے قانون کو نافذ کرنا ہوتا ہے اور پہلے یہ قانون اپنے اوپر لاگو کرنا ہوتا ہے۔

۴۔ اس زمانے میں محاذِ شام پر مسلمان دمشق کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔

۵۔ اسلام میں فتح کا کوئی اختتامی مقام نہیں ہوتا۔ مسلمان رواں دواں رہتے ہیں۔

بیسواں باب

حضرت عمرؓ کی ایران کو فتح کرنے کے سلسلے میں حکمت عملی

حضرت عمرؓ کا مدینہ سے کوچ

جنگِ جمرہ رمضان ۱۳ ہجری میں واقع ہوئی۔ اس وقت خلیفہ دوم نے جو کارروائی کی اس کا ذکر بھی ہو چکا ہے اور جناب شہداء کو جو کمک بہیا کی اس کی مدد سے جو نتائج حاصل ہوئے وہ بھی بیان کئے جا چکے ہیں اور جنگِ بویب جو اس سلسلہ کی آخری کڑی تھی وہ صفر ۱۴ ہجری میں واقع ہوئی۔ لیکن اس جنگ سے ایک ماہ پہلے یعنی محرم ۱۴ ہجری میں جناب فاروق اعظمؓ نے سیدنا علی المرتضیٰؓ کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کیا اور چوٹی کے صحابہ کو ساتھ لے کر مدینہ شریف سے جہاد کے لئے نکل کھڑے ہوئے اور حکم دیا کہ سب مسلمان اس جہاد میں شرکت کریں گے۔ حضرت عثمانؓ آپ کے ردیف تھے جس کو آج کل سیکرٹری یا چیف آف سٹاف کہہ سکتے ہیں اور جناب عبدالرحمن رضی بن عوف، جناب طلحہؓ اور جناب زبیرؓ بھی ساتھ تھے۔

صرار کے چشمہ پر قیام

جناب فاروق اعظمؓ نے صرار کے چشمہ پر قیام فرمایا اور جو مجاہدین مل گئے ان سے ایک لشکر تشکیل فرمایا۔ اس لشکر کے پیش مقدم یا ہر اول دستوں پر جناب طلحہؓ کو مقرر کیا اور اگلی منزل پر روانہ ہونے کا حکم دیا یعنی منزل بمنزل چلیں گے اور جب جناب فاروقؓ اس منزل پر جناب طلحہؓ کو مل جائیں گے تو پھر جناب طلحہؓ کو آگے کے احکام دیں گے۔ ہر منزل پر ایسا پیش مقدم اپنے لشکر کے قیام کا بندوبست کرتا۔ جیسے آج کل ہم لوگ ہار پارٹی یا کلر پارٹی آگے بھیجتے ہیں۔ باقی لشکر کے میمنہ پر جناب عمرؓ نے جناب عبدالرحمن رضی بن عوف کو مقرر کیا اور میسرہ پر جناب زبیرؓ بن عوام کو۔ اور مجاہدین کا انتظار فرما رہے تھے، تو صحابہ کرامؓ جو ساتھ تھے، انہوں نے عرض کی "اے امیر المؤمنین! آپ ہر بات پر ہم سے مشورہ کرتے تھے۔ اس دفعہ بغیر مشورہ کے احکام جاری کر دیئے" آخر اپنی حکمت عملی یا تجاویز کے بارے میں انہیں کچھ تو آگاہ کریں۔"

مجلس مشاورت

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ایران کی جنگ بہت طول پکڑ گئی ہے۔ انہوں نے مشوروں میں وقت ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اب ویسے بھی کھلے میدان میں آچکے ہیں۔ جہاں جنگ کے لئے بہترین مشورے ہو سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں قارئین کو یاد ہوگا کہ خلیفہؓ اول نے مرتدین کے قلع قمع کے لئے ذوقصد کے مقام پر تمام لشکر مقرر فرمائے۔ اور ذوقصد بھی صراصر کے چشمہ کی طرح کھلی جگہ تھی۔

جناب عمرؓ نے فرمایا کہ ان کا ارادہ ہے کہ وہ خود ایک لشکر جزار کے ساتھ ایران پر حملہ آور ہوں اور اس جھگڑے کو ختم کر دیں۔ اس لئے بہتر ہے کہ جناب ابن ابوطالبؓ کو بھی مدینہ سے بلا لیا جائے کہ ان کے بغیر مشورہ نامکمل ہوگا اور جناب طلحہؓ بن عبید اللہؓ کو بھی ہر اول دستوں سے واپس بلا لیا جائے۔ چنانچہ تمام چوٹی کے صحابہ اکٹھے ہو گئے اور عشرہ مبشرہ سے صرف جناب سعدؓ بن ابی وقاصؓ بخند میں صدقات کی وصولی پر گئے ہوئے تھے۔ باقی وہاں موجود تھے۔ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ تو خلیفہ دوم سے متفق تھے اور ان کے خیال کے مطابق خلیفہ کو دور دراز علاقوں اور ملکوں میں جانا چاہیے تھا اور بعد میں حضرت عمرؓ بیت المقدس تیار ہوئے اور جس کا ذکر دوسری کتاب میں آئے گا تو اس وقت بھی حضرت علیؓ نے یہی رائے دی کہ خلیفہ کو علاقوں میں جانا چاہیے اور اپنی آنکھ سے علاقوں اور معاملات کی خبر حاصل کر کے بروقت کارروائی کرنا چاہیے۔

لیکن جناب عبدالرحمنؓ بن عوف اور باقی صحابہ کرامؓ نے اس کی سخت مخالفت کی اور سب کی یہ رائے تھی کہ اول تو دو محاذوں پر جنگ جاری ہے اور ایران کے محاذ کو اتنی اہمیت کیوں دی جائے۔ دوسرا محاذ نخواستہ اگر محاذ جنگ پر اس لشکر کو شکست ہو جائے جس کی کمانڈ خلیفہ کر رہے ہوں تو اس کو اسلام کی شکست سمجھا جائے گا۔ پھر حالات اتنے بھی خراب تھے کہ اتنے زیادہ مجاہدین کو اکٹھا کیا جائے کہ ایران کی جنگ کو ہی سب کچھ سمجھ لیا جائے۔ صحابہ کرامؓ نے دلائل اتنے دزنی تھے کہ جناب فاروقؓ اور جناب علیؓ نے ان کو تسلیم کیا، لیکن دونوں کا خیال تھا کہ اس کام کے لئے کسی چوٹی کے صحابیؓ کو سپہ سالار بنانا چاہیے لیکن اس سلسلہ میں صحابہ کرامؓ کسی فیصلہ پر نہ پہنچ سکے۔

جناب سعدؓ بن ابی وقاصؓ کی نامزدگی

اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اسی وقت ایک قاصد حضرت سعدؓ کا ایک خط لے کر حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا

تو عبدالرحمن بن عوف پکار اٹھے "کہ مل گیا، کہ مل گیا" لوگوں نے پوچھا۔ کون؟ آپ نے فرمایا۔ "فاتح ایران" اور یہ کام جناب سعد بن ابی وقاص کو سونپا جائے۔ سب صحابہ کرام نے اس نامزدگی سے اتفاق کیا اور اسی قاصد کے ذریعے سے جناب سعد کو بلا بھیجا گیا۔ عشرہ مبشرہ کے جن بزرگ صحابہ نے اس مشاوردت میں شرکت کی وہ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ جناب سعد بھی کسی تعارف کے محتاج نہیں لیکن یہاں ان کے لئے چند الفاظ ضروری ہیں۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام مالک تھا لیکن آپ سعد بن مالک کی بجائے زیادہ تر سعد بن ابی وقاص کے نام سے مشہور ہیں۔ اول اسلام لانے والوں میں سے ہیں اور سترہ برس کی عمر میں یہ شرف حاصل ہوا۔ اسلام کے واسطے سب سے پہلا تیر آپ نے چلایا جب آپ جناب عبیدہ بن حارث کے لشکر کے ساتھ بائرنکلے حضور پاک کے زمانے کی سب جنگوں میں شرکت کی اور واحد صحابی ہیں جن کے لئے طبقات ابن سعد میں حضرت علیؓ کی روایت کے مطابق حضور پاک نے یہ الفاظ فرمائے۔ "میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں"

اکثر مورخین نے جناب سعد کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ حضور پاک کے دور کے رشتہ سے ماموں تھے۔ جنرل اکرم نے کوئی رشتہ تسلیم کرنے سے ہی انکار کر دیا۔ اور اصل بات یہ ہے کہ آپ کے والد مالک حضور پاک کی والدہ حضرت آمنہؓ کے چچا زاد بھائی تھے۔ تو اس طرح جناب سعد حضور پاک کے ماموں زاد بھائی تھے۔ آمنہ بنت وہب۔ بن عبد مناف بن زہرہ ہیں۔ اور مالک بن وہب بن عبد مناف بن زہرہ ہیں۔ زہرہ قحلی کا بھائی تھا اور وہاں سے بنی زہرہ، کا نسب حضور پاک کے ساتھ مل جاتا ہے۔ طبقات ابن سعد میں آپ کا ذکر بڑے پیارے الفاظ میں ہے۔ اور جلال مصطفیٰ میں کثرت سے ذکر ہے۔

حضرت عمرؓ اور جنگ ایران

ایران کی جنگ کو بیان کرتے وقت کچھ مورخین اور مبصرین نے عجیب قسم کے بیانات دیئے ہیں یہ مبصر یا مورخ ان صدیوں کے ہیں۔ ایک صاحب لکھتے ہیں کہ جناب عمرؓ نے عراق کے قبائل کو لکھا کہ یہ ایرانیوں اور عربوں کی جنگ ہے، اور آپ ہمارا ساتھ دیں۔ پرانی تاریخوں میں میری نظر

سے ایسی کوئی روایت نہیں گزری۔ ہاں جناب مشنیؒ کو ان عرب قبائل کو لشکرِ اسلام میں شامل کرنے کے لئے لکھا جو اسلام لے آئے تھے۔ الفاظ کے استعمال میں بڑا فرق ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے منہ میں ایسے الفاظ ڈال دیئے جائیں کہ یہ عربوں اور ایرانیوں کی جنگ ہے۔ نعوذ باللہ۔ ایسے بیان لغو ہیں۔ اور اس موردخ کو اللہ معاف کرے۔

بات یہ ہوتی ہے کہ عرب قبائل کو اسلام لانے کے بعد ایسی دعوت دی جا سکتی ہے کہ آئیں ہمارے ساتھ مل کر ایران کی شہنشاہیت ختم کریں۔ اور ہم مل کر اللہ اور رسول کا نام بلند کریں گے جیسے بعد میں ایران کے مسلمانوں کو دعوت دی گئی کہ ہم مل کر ترکستان میں اللہ اور رسول کا نام بلند کریں وغیرہ۔ ملکوں اور قبائل کے نام پہچان کے لئے ہیں اور قرآن پاک میں ان ناموں کو صرف پہچان تک استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ اس کے بعد رشتہ اسلام ہے۔ قبائلی رشتے اور پیار و محبت والی بات الگ ہے۔ لیکن ان رشتوں کو غلط طور پر استعمال کر کے تعصب سے گریز کیا جائے۔ اسی طرح اس زمانے میں کچھ مبصرین نے طبری کے حوالے سے یہ لکھا کہ حضرت عمرؓ ایران کی جنگ کے حق میں نہ تھے اور یہاں تک کہہ دیا کہ ”اے کاش ایران اور ہمارے درمیان آگ کا سمندر ہوتا یا دریا ہوتا۔“ کسی اور تاریخ میں کسی معتبر راوی نے یہ بات نہیں کہی ممکن ہے جب شام کے ساتھ جنگ میں زیادہ مصروفیت تھی تو وقتی طور پر آپؓ نے کہہ دیا ہے کہ کچھ وقت کے لئے ایران اور ہمارے درمیان ایک آگ کا دریا ہو جاتا۔ لیکن واقعات اس طرف اشارہ بالکل نہیں کرتے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں کوئی ایسا وقت نہیں آیا کہ حالات اتنے بھیاںک ہو گئے ہوں، کہ ایرانیوں کو روکنے کے لئے کسی آگ کے دریا کی ضرورت پڑتی۔

یہ سب ذہنی اختراع ہیں۔ کیا حضرت عمرؓ اسلام کو عربوں تک محدود کرنا چاہتے تھے؟ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا جسور پاک زمانے کو تسلسل دینے کے لئے مبعوث ہوئے کہ زمانے کا تسلسل ٹوٹ چکا تھا۔ آپؓ نے امت واحدہ کا تصور دے کر یہ تسلسل قائم کر دیا اور آپؓ ساری دنیا کے لئے پیغمبر اور نبی آخر الزمان ہیں۔ حضرت عمرؓ کیسے عرب کی سرحدوں پر آگ کے دریاؤں کی دعائیں کرتے۔

اگر ایسی بات ہوتی تو حضرت عمرؓ اس طرح جہاد کے لئے نہ نکلتے۔ کہ تمام مسلمانوں کو

لے کر ایران کی طرف روانہ ہونے لگے۔ جنگ سے کترانے والی بات بالکل غلط ہے۔ ہاں یہ پہلو
 البتہ آگے آئے گا کہ حضرت عمرؓ اتنے علاقہ پر پھیلاؤ رکھنا چاہتے تھے، جس پر آسانی سے
 کنٹرول کیا جاسکے۔ اس لئے آگے چل کر دریائے سندھ سے آگے فوجوں کو جانے سے منع کر دیا
 اور دوسری طرف افواج کو دریائے جیحون اور سیحون پر روک دیا۔ اس میں ایک اور پہلو بھی تھا
 کہ کئی نو مسلم دور دراز ملکوں میں جا کر دوسروں کی تہذیب میں رنگے جاتے تھے اور اسی وجہ سے
 جناب عمرؓ نے تو تمام مسلمانوں کے لئے زبان بھی عربی کا فیصلہ کیا کہ وہ تمام دنیا کے مسلمانوں کو
 ایک ایسی قوم دیکھنا چاہتے تھے، جن میں مکمل وحدت ہو اور ان کا ثقافتی رنگ بھی اسلامی ہو۔ یہ
 پہلو بڑا وسیع ہے۔ اور چوتھی کتاب میں اس کی مکمل وضاحت کی جائے گی کہ غلط طریقوں میں
 پڑ کر کس طرح ہم مکمل وحدت فکر اور وحدت عمل پر قائم نہ رہ سکے۔ تیسری کتاب میں البتہ مصر اور
 افریقہ کی طرف عربی کے پھیلاؤ کا فلسفہ بیان کر دیا گیا ہے۔

سعد بن ابی وقاص کی محاذ جنگ کی طرف روانگی

حضرت سعدؓ جب چشمہ صراد پر خلیفہ دوم کی خدمت میں پہنچے تو حضرت عمرؓ ایران کی حکومت کے ساتھ
 فیصلہ کن جنگ کی تیاری اور حکمت عملی کا تعین کر چکے تھے جو کام وہ خود کرنا چاہتے تھے وہ کام انہوں نے
 جناب سعدؓ کو سونپ دیا اور فرمایا: "کہ آپ کو عراق و ایران کے محاذ پر سپہ سالار مقرر کیا جاتا ہے۔ یہ ایک کٹھن
 کام ہے۔ پورا محاذ ابلہ (موجودہ بصرہ) سے لے کر حیرہ تک آپ کی کمانڈ میں ہوگا۔ متعدد چھوٹے کمانڈر، جوان
 علاقوں میں خود مختار طور پر کام کر رہے ہیں سب آپ کے ماتحت ہوں گے۔ آپ مشکل حالات میں صبر کریں اور
 ثابت قدمی کو اپنا شعار بنائیں۔"

جناب فاروق اعظمؓ نے حضرت سعدؓ کو اسلامی فلسفہ حیات، طرح زندگی، اللہ کے احکامات اور
 حضور پاکؐ کی سنت سے وہ تمام باتیں یاد دلائیں جو حضور پاکؐ کے دونوں عظیم رفقا آپ کی مصاحبت سے
 سیکھ چکے تھے اور ان کی نگاہ سے ان مقامات تک پہنچ چکے تھے۔ اس وقت تک تقریباً چار ہزار کا لشکر
 یمن اور دوسرے نزدیکی علاقوں سے اکٹھا ہو چکا تھا۔ ان سب مجاہدین کو جناب سعدؓ کی کمانڈ میں دے دیا
 گیا۔ ان میں متعدد ایسے لوگ بھی تھے جو پہلے مرتد ہو چکے تھے لیکن دوبارہ اسلام کی آغوش میں آگئے جیسا کہ

پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ شروع میں جناب صدیق اکبرؓ اور فاروقؓ نے اسے لوگوں کو جہاد میں شرکت سے الگ رکھا۔ لیکن اب بہادر اور با اعتبار لوگوں کو لشکر اسلام میں داخل ہونے کی اجازت مل گئی۔ ان میں عمرؓ بن مہدیؓ یکتا بھی تھے جو یمن کے مشہور پہلوان تھے۔ اسلام کے لشکر میں ان کی بہادری کے کارناموں کا ذکر آئے گا۔

حضرت عمرؓ نے تمام مجاہدین کو پہلے خطبہ دیا اور پھر ان مجاہدین کے ساتھ صرار کے چشمہ سے اعوض تک خود بھی چل کر گئے اور وہاں پر پھر مجاہدین سے خطاب کیا۔ اس کے بعد جناب فاروقؓ نے جناب سعدؓ کو روانہ ہونے کا حکم دے دیا اور فرمایا کہ پہلے بناج کے نزدیک زرد میں قیام کرنا۔ نقشہ پنجم کے ذریعہ ظاہر ہوگا کہ عراق کے ہم کے لئے مسلمانوں نے یہی راستہ عام طور پر استعمال کیا اور دومتہ الجندل والا راستہ مشکل تھا۔ حضرت عمرؓ نے جناب سعدؓ کو بھی یہ حکم دیا کہ بناج اور زرد کے علاقوں سے بہادر اور غیرت مند مسلمانوں کو اپنے لشکر میں شامل کر لینا اور باقی ہدایات جناب سعدؓ کو وقتاً فوقتاً ملتی رہا کریں گی۔ یہ بڑا صحیح طریقہ تھا کہ تمام ہدایات ایک ہی وقت میں نہ دیں بلکہ ہدایات ضرورت کے مطابق دیں اور جیسے ہی ہم ان جگہوں میں مجاہدین کے کارواں یا قافلہ کے ساتھ چلتے جائیں گے، یہ نکتے ہم پر خود بخود کھلتے جائیں گے۔

کچھ لوگوں کے ساتھ حضرت عمرؓ کی نفرت

طبری کے مطابق محمدؐ بن سوقة کی ایک روایت ہے کہ انہی دنوں کچھ اور لوگ جہاد میں شرکت کے لئے آئے حضرت عمرؓ نے ان کے ساتھ بڑی بے رخی اختیار کی۔ جب آپؓ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو آپؓ نے فرمایا کہ ان لوگوں کو دیکھ کر جناب عمرؓ کو کراہت آتی تھی۔ اور ان کے لئے ان کے دل میں اندرونی نفرت پیدا ہوتی ہے۔ بہر حال وہ لوگ جہاد کے لئے چلے گئے کہ ظاہری طور پر ٹھیک تھے اور دلوں کے حالات اللہ کو معلوم ہیں۔ لیکن یہ شر پسند لوگ تھے اور کسی دنیاوی غرض کے لئے جنگوں میں حصہ لینا چاہتے تھے۔ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانے میں جو فتنے پیدا ہوئے ان میں ان لوگوں نے نہ صرف شرکت کی بلکہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو شہید کرنے والے مردود بھی انہی لوگوں میں شامل تھے۔

جناب سعدؓ کے لئے مزید کمک

حضرت سعدؓ کی روانگی کے بعد بھی خلیفہٴ دوم نے لوگوں کو جہاد پر جانے کی ترغیب کے

سلسلہ میں تبلیغ جاری رکھی۔ جس کے نتیجے کے طور پر بنو اسد اور بنو تمیم سے چار ہزار مجاہدین تیار ہو گئے۔ بنو اسد طلحہ کا قبیلہ تھا اور بنو تمیم مالک بن نویرہ کا۔ ان قبائل کے سرداروں کو جناب فاروق اعظم نے حکم دیا کہ وہ زرود اور شراف کے درمیان پڑاؤ کریں اور جب جناب سعد زرود سے شراف کی طرف کوچ کریں تو وہ ان کے ساتھ شامل ہو جائیں۔ قارئین کو یاد ہو گا کہ جناب مثنیٰ اذی قار سے بھی ہٹ کر اب شراوہ میں مقیم تھے۔

ابلہ (بصرہ) کے علاقوں سے امداد

عراق کی فتوحات کے سلسلہ میں ابلہ، پہلی ہی مہم میں فتح ہو گیا تھا۔ لیکن جیسا کہ بعد میں بیان کیا گیا تھا کہ حیرہ کی طرف کوچ کرتے وقت جناب خالد نے ابلہ کے علاقوں سے سوید بن مقرن کو واپس بلا لیا تھا۔ مسلمان لشکر والے مدینہ سے رابطہ کے لئے نجاج کے ساتھ زرود اور شراف والا چھوٹا راستہ استعمال کرتے تھے جیسا کہ نقشہ پنجم میں دکھایا گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے شروع میں جب جناب ابو عبیدہ کو عراق بھیجا گیا، تو ابلہ والے علاقوں پر بھی کچھ توجہ دی گئی اور جناب قطیبہ بن قنادہ کے ماتحت ایک دستہ اس علاقے میں بھیجا گیا۔ اور پھر حلبی سے ان کی مدد کے لئے جناب شریح بن عمرو کو بھیجا گیا، جن کی وہاں پر جاتے ہی ایک جھڑپ میں شہادت ہو گئی۔ ان حالات کی وجہ سے دو ہزار کا ایک لشکر جناب عتبہ بن عزیوان کے ماتحت بھیجا گیا کہ علاقہ اہمیت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ اور گو اس وقت تک اس علاقہ کی اہمیت زیادہ نہ تھی لیکن ایرانیوں کے لئے یہ علاقہ اہم تھا اور اس پہلو کی وضاحت ہو چکی ہے۔ چنانچہ وہاں زیادہ لشکر بھیجنے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ خوزستان اور فارس کے صوبوں کے سلسلہ میں بھی ایرانی حکومت کو کچھ فکر پڑ جائے۔

نقشہ دوازدهم کا غور سے مطالعہ کریں تو اس علاقہ کے متعدد شہر یعنی ابلہ، مناظر، اہواز، رم ہرمز اور بندر شاہ یور وغیرہ بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ یہاں پر جناب عتبہ رضی اللہ عنہ اگر ذرا پیش قدمی کرتے تو خوب جھڑپیں ہوتی تھیں، اور جناب عتبہ رضی اللہ عنہ کے ماتحت عظیم صحابی جناب مغیرہ بن شعبہ نے اس علاقہ میں بڑی بہادری دکھائی۔ جناب مغیرہ بن شعبہ کا ذکر پہلے

ہو چکا ہے کہ آپ جناب ابو عبیدہؓ کے قبیلہ ثقیف سے تھے اور آگے بھی جنگوں میں وہ اکثر ہمارے ساتھ رہیں گے۔ آپ کا ذکر جلال مصطفیٰؐ میں بھی موجود ہے۔ بہر حال اب ان حالات میں خلیفہ دوم نے جناب عتبہؓ کو حکم دیا کہ وہ اپنی کارروائیاں دیکھ بھال تک محدود رکھیں اور صرف گشتی کارروائیاں کریں۔ اور جناب مغیرہ بن شعبہ کو کچھ کمک کے ساتھ، جناب سعدؓ کے پاس بھیج دیں۔ چنانچہ سات سو سواروں کے دستہ کے ساتھ جناب مغیرہؓ، جناب سعدؓ کے لشکر میں شمولیت کے لئے روانہ ہو گئے۔ اور جس دن جناب سعدؓ، شراف پہنچے تو حضرت مغیرہؓ بھی ان کے ساتھ مل گئے۔ جناب مغیرہؓ از خود کئی سواروں یا مجاہدین کے برابر تھے۔ سیاست کے ماہر تھے اور سفارتی کاموں کے لئے بھی بڑے موزوں تھے۔ آپ کے ساتھ تیسری اور چوتھی کتاب میں بھی ملاقات رہے گی۔

حضرت سعدؓ کی تیاری

خلیفہ وقت کے احکام کے تحت حضرت سعدؓ ایک بہت بڑی جنگ کی تیاری میں مصروف تھے۔ ویسے بھی ایسی تیاری حکمت عملی کے تحت محاذ جنگ سے ذرا پیچھے کسی پُر امن اور ایسی جگہ ہونا چاہیے تھی جو مسلمانوں کے دستِ رگبتانی علاقہ میں ہو۔ ادھر حضرت شعیبؓ بھی خلیفہ دوم کے احکام کے تحت ذی قار سے ہٹ کر شراف پہنچ چکے تھے اور اب شراف اور زرد کے درمیانی علاقے اسلامی لشکر کی جگہ میں تبدیل ہو رہے تھے۔ حضرت سعدؓ چار ہزار کے لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے تھے۔ چار ہزار مجاہدین کی کمک بعد میں آئی اور جناب سعدؓ خود کوئی سات ہزار مجاہدین بھرتی کر چکے تھے۔ تقریباً پندرہ ہزار مجاہدین اسلام کے علم کے نیچے اکٹھے ہو چکے تھے۔ جناب سعدؓ نے زرد سے شراف کی طرف کوچ کا ارادہ کیا۔ اس دوران حضرت شعیبؓ بھی اپنی فوج کی تعداد کو کوئی بارہ ہزار کے قریب پہنچا چکے تھے۔ اس طرح ایران کے محاذ پر تمام فوج کی تقریباً تیس ہزار کے نزدیک پہنچنے والی تھی کہ روایت ہے کہ جنگ قادسیہ کے بعد تیس ہزار کے قریب مجاہدین میں مالِ غنیمت تقسیم ہوا۔ لشکر کی تعداد کم یا زیادہ ہو سکتی ہے کہ شام سے چھ ہزار کی کمک بھی جنگ قادسیہ کے آخری دنوں میں جنگ میں شامل ہو گئی۔ اور مالِ غنیمت کے ساتھ جو تقریباً تیس ہزار نفری کا لفظ ہے، تو اس سے یہ اظہار مقصود ہے کہ اس سے پہلے اتنی بڑی تعداد میں اسلامی افواج اس محاذ پر کسی جنگ میں شریک نہ ہوئی تھیں۔

حضرت مثنیٰؓ کی شہادت

اب ہم اسلام کے عظیم فرزند اور ہماری افواج کے ایک عظیم سپہ سالار کو الوداع کہہ رہے ہیں۔ جناب سعد بن ابی وقاص کو ان عظیم مجاہد کی رفاقت نہ حاصل ہو سکی۔ پہلے بیان کر دیا گیا ہے کہ جناب مثنیٰؓ جسر کی جنگ میں شدید زخمی ہوئے اور ان زخموں کے باوجود بویب میں دشمن کو شکست دی لیکن چہرہ مبارک کا زخم بڑا شدید تھا۔ وہ جسم کو کھائے جا رہا تھا اور زندگی کے آخری ایام میں وہ زیادہ حرکت نہ کر سکتے تھے۔ اس عظیم مجاہد کو بھی جناب خالدؓ کی طرح میدان جنگ کی شہادت نصیب نہ ہوئی۔ یہ اللہ کا راز ہے۔ در نہ بدن پر کوئی خالی جگہ نہ تھی جہاں زخم کا نشان نہ ہو منتظر تھے کہ شاید جناب سعدؓ شرافت پہنچ جائیں تو ان کو خوش آمدید بھی کہیں اور حالات کا جائزہ بھی پیش کریں لیکن خلیفہ دوم کے احکام کے تحت جناب سعدؓ ابھی زرد میں ہی تھے کہ اسلام کے عظیم فرزند جناب مثنیٰؓ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

مؤرخین اور مسہرین نے اس واقعہ کو عجیب رنگ دیئے ہیں۔ کسی نے لکھا کہ مدینہ شریف کے مرکز نے تیسری دفعہ جناب مثنیٰؓ کو مایوس کیا اور سپہ سالار نہ بنایا۔ کسی نے بات کو آگے بڑھایا کہ جناب سعدؓ یہ توقع کرتے تھے کہ مثنیٰؓ ان کے پاس آکر زرد میں رپورٹ کریں اور ان کو حالات سے آگاہ کریں۔ اس لئے وہ شرافت نہ گئے۔ کسی نے پھر طول دیا کہ جناب مثنیٰؓ کو امید تھی کہ جناب سعدؓ جلدی سے آگے والے محاذ پر پہنچ جائیں گے لیکن جناب سعدؓ نے ان کو مایوس کیا۔

فضول جائزے اور تبصرے

ہمارے لحاظ سے یہ سب جائزے اور تبصرے فضول ہیں بلکہ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ مسہرین کے الفاظ بھی وہ نہیں جو ہم نے لکھے ہیں۔ انہوں نے بعض جگہ دونوں عظیم رہنماؤں کی بے ادبی کی ہے۔ ہمارا جائزہ واقعات اور نتائج کے تحت ہے کہ جناب مثنیٰؓ زخموں سے نڈھال تھے ادب وہ اپنے خالق حقیقی سے ملنے والے تھے۔ ایسے عظیم انسان کے دل میں سپہ سالاری کی خواہش کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ان کے سب کام اللہ اور اللہ کے رسول کے لئے ہوتے ہیں۔ جناب سعدؓ خلیفہ کے احکام کو بجالاتے ہوئے زرد میں ٹھہرے ہوئے تھے اور جناب مثنیٰؓ بھی خلیفہ کے احکام کے تحت شرافت میں ٹھہر کر ”چھا پہ مار“ کاروائیوں میں مشغول تھے۔ تیس ہزار کے لشکر کی جگہ، اس کی کفالت اور بجالی کوئی آساں کام نہ تھا۔ آگے کے واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ جناب مثنیٰؓ نہ صرف

آخری سانس تک جہاد میں مصروف رہے بلکہ آنے والے جہاد میں شراکت کے بانی مہمانی رہے کہ آئندہ کیلئے تجاویز مرتب کر گئے تھے۔

جناب مثنیٰ کی آخری دو کاروائیاں

جناب مثنیٰ نے بستر مرگ پر تجاویز مرتب کیں کہ دریائے فرات کو پار نہ کیا جائے۔ افواج کو قادیسیہ کے علاقہ میں تعین کیا جائے اور وہاں سے آگے بڑھ کر دریاؤں کے طاس اور سواد کے علاقوں پر صرف چھاپے مارے جائیں اور ایرانیوں کا ایسا ناک میں دم کیا جائے کہ وہ ہمارے ساتھ ہماری مرضی کی زمین پر دریائے فرات کے اس طرف جنگ پر مجبور ہو جائیں۔

اس کے بعد آپ نے عظیم صحابی جناب بشیر بن الخصاصہ کو بلایا اور لشکر کی کمانڈ ان کے سپرد کی۔ ان کا وقت قریب آ گیا تھا اور فرمایا کہ میری وفات کے دوسرے دن میرے بھائی معنی اور میری بیوی سلمیٰ کو زرد میں جناب سالار لشکر حضرت سعد بن ابی وقاص کی خدمت میں بھیج دینا۔ وہاں پہنچ کر میرا بھائی جناب سعد کو شراف کے سارے حالات سے آگاہ کرے گا۔ اور میری آئندہ کی تجاویز اور حکمتِ عملی سالار لشکر کے گوش گزار کرے گا۔ ساتھ ہی جناب سعد کو عرض کرنا کہ عدت ختم ہونے کے بعد اگر وہ پسند کریں تو میری بیوی کے ساتھ نکاح کر کے اس کی عزت افزائی کریں۔ اور اگر جناب سعد ایسا نہ کرنا چاہیں تو پھر میرا بھائی معنی میری بیوی کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے۔ دوسرے دن جناب مثنیٰ اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے اور حضرت معنیؓ اپنی بھانج سلمیٰ کے ساتھ شراف کی طرف سے اسلام کے سپہ سالار کو حالات سے باخبر کرنے کے لئے روانہ ہو گئے۔

تبصرہ

قارئین ذرا رک جائیے۔ اپنے اندر جھانک کر دیکھیے۔ جب جناب معنیؓ اور ان کی نوجوان بھانج سلمیٰ جناب سعد کی خدمت میں حاضر ہوئے ہوں گے۔ اور حضور پاکؐ کے عظیم رفیق جناب سعد کے سامنے سب حالات بیان کئے ہوں گے تو جناب سعد پر کیا گزری ہوگی اور آپ پر کیا گزر رہی ہے۔ یہ سلمیٰ کی عزت افزائی ضرور تھی لیکن جناب سعد کی عزت افزائی بھی ضرور تھی کہ جناب مثنیٰ نے ان کو اپنے بھائی پر بھی ترجیح دی۔ اور جناب سعد نے آبدیدہ ہو کر جناب معنیؓ کی ہر بات کو تسلیم کیا۔

جناب سلمیٰ کو نکاح میں لینے میں اپنی عزت افزائی کبھی اور ان کے لطن سے جناب عبداللہ پیدا ہوئے۔
جناب سلمیٰ کا تعلق بنو ثعلب سے تھا۔ ویسے جناب سعدؓ نے متعدد قبائل میں شادیاں کیں۔ عمر بن معدیکربؓ
جو بنو کنذہ سے تھے، ان کی پوتی کے ساتھ بھی شادی کی۔ اور بنو ثعلبہ اور بنو بکر وغیرہ متعدد قبائل میں
شادیاں کیں۔

بہر حال ہم جناب مثنیٰؓ کو سلام عرض کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں عرض کرتے ہیں کہ
مسلمانوں میں جناب مثنیٰؓ جیسے غیرت مند اور بہادر لوگ پیدا کر کہ ہم مادیت کے چکر سے نکلیں۔ اور
ہماری ذلت کی گھڑیاں ختم ہوں۔

ۛ شکایت ہے مجھے یارتِ خدا و ندانِ مکتب سے

سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا (اقبال) ۛ

دینِ فطرت

کتنے انوس کا مقام ہے کہ آج ہمارے ہاں بیوہ کی شادی کا تصور ہی ختم ہو گیا ہے اور عیروں
کی نقالی میں ہم ایک شادی اور بیوہ کو ساری عمر بیوہ رکھنے پر تلے ہوئے ہیں۔ ہمارے رہنماؤں کی یہ
حالت تھی کہ مرنے سے پہلے اپنی عورتوں کو شادی کی اجازت دے جاتے تھے اور سردار یا شہید
کی بیوہ کے ساتھ شادی کر کے، بیوہ اور اس کے خاوند دونوں کی عزت کی جاتی تھی جناب جعفر طیارؓ
جنگِ موتہ میں شہید ہوئے۔ آپؓ کی زوجہ اسمائت عمیسؓ تھیں جو حضرت امامہ بنت امیر حمزہؓ کی
خالہ بھی تھیں اور جن کا ذکر جلالِ مصطفیٰؐ میں ہے کہ حضور پاکؐ نے امامہ کو ان کے سپرد کیا۔ جناب اسماءؓ
کے لطن سے جناب عبداللہؓ اور محمد بن جعفرؓ پیدا ہوئے۔ جناب جعفر کی شہادت کے بعد
جناب صدیق اکبرؓ نے جناب اسماءؓ سے نکاح کیا۔ جن کے لطن سے محمد بن ابوبکرؓ پیدا ہوئے
اور جناب صدیق اکبرؓ کی وفات کے بعد ان کو غسل بھی جناب اسماءؓ نے دیا۔ اس وقت تک جناب فاطمہ الزہراؓ
وفات پا چکی تھیں۔ تو جناب ابوبکرؓ کی وفات کے بعد جناب علی المرتضیٰؓ نے ان کے ساتھ نکاح
کیا اور ان کے لطن سے حضرت علیؓ کے دو بیٹے جناب یحییٰؓ اور جناب عونؓ پیدا ہوئے۔ اگر
بنتِ رسولؐ جناب فاطمہؓ، حضرت علیؓ کے گھر نہ ہوتیں تو شاید حضرت علیؓ اپنی بھانجی کے

ساتھ حضرت جعفرؓ کی شہادت کے بعد ہی نکاح کر کے اپنے مرحوم بھائی اور بھانج کی عزت افزائی کرتے۔ بہر حال جناب عبداللہؓ و محمدؓ پسران جعفرؓ اور جناب محمد بن ابوبکرؓ کی پرورش بھی زیادہ تر جناب علیؓ کے گھر ہوئی کہ ان کی والدہ کو اللہ کے شیر کی زوجیت کا فخر بھی حاصل ہو گیا۔ حضرت عثمانؓ کی بیوہ کے ساتھ حضرت سعدؓ کی شادی اور حضرت خالدؓ کی شادیوں پر غلط بتصروں کو ختم کرنے کے لئے یہ تمام حالات طبقات ابن سعدؓ کے مختلف ابواب سے اخذ کر کے قارئین کے سامنے پیش کئے جا رہے ہیں کہ وہ دینِ فطرت کو سمجھیں اور تاریخِ اسلام کے بامقصد مطالعہ کے مدعا کو بھی سمجھیں کہ اسلام نے جنسی تعلقات کو قانونی حیثیت دے کر معاشرہ سے زناہ کی لعنت کو کم کیا۔ اور اگر محاذِ جنگ پر تو اگر ایسا نہ ہو تو اللہ ہی حافظ ہے۔

ماحصل

ان تمام بیانات اور جائزوں کے بعد ہم یہ کہنے کے قابل ہیں کہ جناب سعدؓ اور جناب عثمانؓ کے درمیان نہ کوئی غلط فہمی تھی اور نہ کوئی رنجش۔ مسلمان کسی جھوٹے تفاخر سے نفرت کرتے تھے۔ سب کام کسی حکمتِ عملی کے تحت ہو رہا تھا۔ حضرت سعدؓ زرد میں جو دیر لگا رہے تھے وہ خلیفہٴ دوم کے احکام کے مطابق تھا۔ اور محاذِ شام سے بھی فوجوں نے عراق کے محاذ پر آنا تھا۔ امیدِ وثاق ہے کہ اس کے بعد قارئین اختلافات کا وسعت نظری سے مطالعہ کریں گے اور دینِ اسلام کے باغ سے خوشبو کی تلاش کریں گے۔

حضرت عمرؓ کے احکام

حضرت سعدؓ جب زرد میں تین ماہ قیام کر چکے اور پندرہ ہزار کے قریب لشکر بھی اکٹھا ہو گیا تو پھر آپ نے خلیفہٴ دوم سے شراف کی طرف کوچ کی اجازت مانگی۔ حضرت عمرؓ نے جناب سعدؓ کو لکھا تھا کہ وہ ان کو تمام حالات سے باخبر رکھیں کہ اپنی فوج کی تعیناتی کیا ہے وہ کیسے چھاپے مار رہی ہے اور ایرانیوں کے ردِ عمل وغیرہ کیا ہیں۔ جناب سعدؓ نے خلیفہٴ دوم کو تمام تر تفصیل لکھی اور ساتھ ہی جناب عثمانؓ کے تجزیہ سے بھی آگاہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے جناب عثمانؓ کے لئے دعا فرمائی اور ان کی دور رس نگاہوں کی تعریف کی۔ ساتھ

ہی جناب سعدؓ کو لکھا کہ حضور پاکؐ والا طریقہ نہ معمول جانا، اپنے لشکر کو اس طرح دہائیوں میں تقسیم کر دو کہ ہر دس آدمی پر ایک امیر اور پھر دس امیروں پر یا سو آدمیوں پر ایک ایک امیر اعلیٰ۔ اس کے بعد ایک ہزار کا دستہ ہو جس پر ایک امیر موذیفرہ۔ چنانچہ اس طرح لشکر مکمل طور پر باطلوں میں باندھ دیا جائے، امارت کے لئے زیادہ موزوں صحابہ کرامؓ کو سمجھا جاتا تھا اور جناب سعدؓ کے لشکر میں تین سو صحابہ کبار تھے جن میں ستر صحابہ کو جنگ بدر میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ سات سو نوجوان مجاہدین وہ تھے جو صحابہ کرامؓ کے فرزند ان تھے۔

حضرت عمرؓ کے مزید خطوط

چند دن بعد حضرت سعدؓ کو ایک اور خط ملا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ایک ساتھ دو خط لکھے ایک شام میں جناب ابو عبیدہؓ کو لکھا کہ عراق سے جو فوج حضرت خالدؓ کے ساتھ شام گئی تھی، اس کو واپس کر دیا جائے۔ شام سے عراق کی افواج کی واپسی کی تاریخ اور سنہ ہجری کے سلسلہ میں مورخین میں اختلاف ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جنگ قادسیہ اور جنگ یرموک کی تاریخوں میں اختلاف ہے۔ اور شام کے معاملات میں تو بہت اختلاف ہے کہ آیا خالدؓ کو جنگ یرموک سے پہلے بکدوش کیا گیا یا جنگ کے دوران قاصدا آیا۔ ان باتوں پر تفصیل سے بحث دوسری کتاب میں ہوگی اور اختلاف ایک چھوٹے سے نکتہ کی وجہ سے ہے جس کی وضاحت ان حالات ہی میں بہتر رہے گی۔ فی الحال ہم یہ جائزہ پیش کرنا چاہتے ہیں کہ آیا شام سے عراق کی فوج دو حصوں یعنی ایک حصہ پہلے اشعث بن قیس کے ماتحت آیا۔ ہمارا تجزیہ یہ ہے کہ عراق کی فوج صرف ایک ہی حصہ میں آئی اور وہ جناب ہاشم کے ماتحت آئی جس کے ہراول کا کام جناب قعقاعؓ کر رہے تھے اور وہ عین اس وقت پہنچے جب جنگ قادسیہ شروع تھی اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ اشعث بن قیس تو مدینہ شریف سے ایران کے محاذ پر آئے تھے۔

اشعث بن قیس والی بات ہمیں غلط نظر آتی ہے، کہ وہاں لکھا گیا ہے کہ عمر بن معدیکرب بھی اشعث بن قیس کے ساتھ تھا اور وہ جنگ یرموک میں حصہ لینے کے بعد آئے۔ اشعث بن قیس شام کی جنگوں میں شریک تھے۔ مدینہ آئے ہوئے تھے۔ جناب جریرؓ کی طرح خلیفہ دومؓ نے ان کو بھی عراق کے محاذ پر بھیج دیا۔ اپنی دنوں عمر بن معدیکرب کو معافی ملی اور ان کو بھی جناب اشعث وغیرہ کے ساتھ

جناب عمرؓ نے عراق بھیج دیا۔ ہم یہ پہلے بھی بیان کر چکے ہیں۔

دوسرا اختلاف اس چیز کا ہے، جنگ یرموک پہلے ہوئی یا جنگ قادسیہ۔ ہمارا جائزہ ہے کہ جنگ قادسیہ پہلے ہوئی۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ جنگ یرموک کے بعد عراق کی فوج کو واپس کیا گیا ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ جنگ یرموک کی کہانی میں جناب قعقاعؓ یا کسی اور مجاہد کی کارروائی کا ذکر نہیں ہے جو بعد میں عراق آئے پھر طبری کے لحاظ سے جنگ قادسیہ محرم چودہ یا پندرہ ہجری میں ہوئی یعنی خود طبری میں دو روایتیں ہیں اور صحیح یہ ہے کہ جنگ قادسیہ محرم پندرہ ہجری میں واقع ہوئی۔ اس پر البتہ سب متفق ہیں کہ جنگ یرموک بھی پندرہ ہجری کے رجب کے مہینہ میں ہوئی تو ظاہر ہے کہ ہر حالت میں جنگ قادسیہ جنگ یرموک سے پہلے ہوئی۔

بعد کے چند مبصرین نے جنگ قادسیہ کو شوال یا ذی قعد پندرہ ہجری کا واقعہ قرار دے کر، جنگ یرموک کو جنگ قادسیہ سے پہلے کا واقعہ قرار دیدیا۔ اس سلسلے تجزیہ کی بنیاد صرف ایک راوی کے ایک لفظ پر ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت میں سب سے پہلے یرموک کی فتح کی خبر سنی۔ اصل میں یہ یرموک کی پہلی جنگ کی فتح تھی اور ایک حرف کی تبدیلی سے مورخین نے تمام حالات کو خواہ مخواہ گڈمڈ کر دیا۔ دراصل یرموک تین دفعہ فتح ہوا، اس لئے بھی بیانات گڈمڈ ہو گئے۔ فی الحال ہم اس نکتہ پر قائم ہیں کہ جنگ قادسیہ پہلے واقع ہوئی، اور جنگ یرموک بعد میں کہ جنگ یرموک کے بعد شام کو اہل روم نے الوداع کہہ دیا اور جنگ یرموک اگر پہلے واقع ہو جاتی تو حضرت عمرؓ شام سے آدھی فوج کو عراق بھیج سکتے تھے۔

چند دن بعد حضرت عمرؓ نے جناب سعدؓ کو حکم دیا کہ وہ شہزادہ ہوجائیں اور لکھا:

”کہ آپ کا ایسی قوم کے ساتھ واسطہ ہے جو بظاہر مضبوط ہے لیکن اندر سے کھوکھلی ہے۔ ان کے قریب سے بچ کر ہٹنا۔ جہاں مقابلہ ہو سکتی کے ساتھ پیش آؤ اور ان کی فوجوں کا تماشہ دیکھنے میں نہ محو ہو جانا۔ یہ لوگ بڑے فوجی اور مکار ہیں۔ ان کی چال بازیوں کا توڑ ضرور کرنا۔ قادسیہ عرصہ سے فارس کا دروازہ ہے۔ ان لوگوں کی تمام مادی ضروریات اسی دروازہ سے پوری ہوتی ہیں۔ یہ نہایت شاداب، دلچسپ اور مستحکم مقام ہے جب وہاں پہنچو تو اپنی فوجی چوکیاں اس کی گھاٹیوں میں قائم کرنا اور باقی لشکر کا قیام پہاڑوں اور زم زمین کے درمیان پانی کے چشموں پر ہونا چاہیے۔ وہاں پہنچ جانے کے بعد کبھی پیچھے ہٹنے کے بارے میں بالکل نہ سوچنا۔ تمہارے وہاں پہنچنے

کے بعد دشمن میں ہل چل مچ جاتے گی اور وہ مجبور ہو کر پوری قوت کے ساتھ آپ پر حملہ کریں گے۔ آپ نے ثابت قدمی استقلال اور پامردی سے مقابلہ کیا تو مجھے اللہ پر بھروسہ ہے کہ فتح آپ کی ہوگی اور اس کے بعد وہ کبھی بھی تمہارے مقابلہ میں نہ آسکیں گے۔ اگر خدا نخواستہ مقابلہ میں ناکامی ہوئی تو پہاڑ اور ریگستان آپ کے عقب میں ہوگا۔ آپ ان علاقوں میں پناہ لے کر دوبارہ تیار ہو سکتے ہیں۔ دشمن کو ان علاقوں کی واقفیت نہیں ہے۔“

حضرت سعدؓ کا قادیسیہ کی طرف کوچ

اس کے بعد جناب سعدؓ جس دن شراف سے قادیسیہ کی طرف کوچ کرنے والے تھے۔ اسی دن حضرت عمرؓ کا ایک اور خط آیا جس میں لکھا تھا: ”کہ جب فلاں دن آجائے تو اپنی فوجوں کو لے کر روانہ ہو جائیں اور عذیب الجانات اور عذیب القوادس کے درمیان پہنچ کر وہاں مشرق اور مغرب کی طرف چھا پہ مار کاروائیاں شروع کی جائیں۔“

اس کے بعد جناب سعدؓ بمشکل منزل پر پہنچے ہوں گے کہ حضرت عمرؓ کا ایک اور خط آیا جس میں لکھا تھا: ”اپنے دل کو مضبوط رکھنا۔ اللہ سے مدد طلب کرنا۔ کوئی خوف دل میں نہ لانا۔ لا حول ولا قوتہ کا اکثر ورد کرتا رہا کریں۔ مجھے دشمن کے بارے میں مکمل اطلاع دینا کہ اس کا سپہ سالار کون ہے؟ ان کی فوجیں آپ سے کتنی دور ہیں مجھے محل وقوع سے اس طرح واقف کر دو کہ جیسے میں سب حالات اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اور ان حالات کو بھانپ لینے کے بعد اور ان کا جائزہ لینے کے بعد ہی اور ہدایات جاری کر سکتا ہوں۔“ اور آخر میں اللہ پر بھروسہ کرنے کی تلقین کی۔

حضرت سعدؓ کا جواب

حضرت سعدؓ کا جواب از خود آئندہ کے میدان جنگ کے زمینی حالات کا بڑا پر معنی اور مختصر جائزہ ہے۔ آپ نے لکھا: ”قادیسیہ، خندق اور دریائے عقیق کے درمیان ایک شہر ہے۔ اس کے بائیں جانب بحر احضر ہے، جس کا پھیلاؤ حیرہ تک دو راستوں کے درمیان سے نمودار ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک راستہ بلندی کی طرف جاتا ہے۔ اور دوسرا ایک بہر کے کنارے کنارے جاتا ہے جس کو الحصون

کہتے ہیں۔ اس راستے سے گزرنے والا آدمی خوانق اور حیرہ کے درمیان میں پہنچتا ہے۔ اور قادسیہ کے دائیں جانب وہاں کے دریاؤں کی ایک ترائی ہے۔“

(نقشہ دہم قادسیہ کے محل وقوع کا کچھ خاکہ ظاہر کرتا ہے اور صف بندی بھی)

”سواد کے جن قبائل یا باشندوں نے پہلے مسلمانوں کے ساتھ مصالحت کی تھی، گو ان علاقوں میں ہمارے انخلا کے بعد بظاہر وہ اہل فارس کے طرفدار ہیں۔ مگر ہماری امداد کے لئے بھی تیار ہیں۔ ایرانی ہمارے مقابلہ پر رستم کو بھیج رہے ہیں۔ وہ ہمیں ختم کرنے پر تعلقے ہوئے ہیں لیکن انشاء اللہ ہم ان کو ختم کر دیں گے۔“

حضرت عمرؓ کی مزید ہدایات

حضرت عمرؓ نے اوپر والے خط کا جواب یہ دیا کہ ”اس علاقہ میں قائم و دائم رہیں اور دشمن کو حرکت کرنے دیں۔ انشاء اللہ اسی علاقہ میں دشمن آپ کے ہاتھوں ایسا برباد ہوگا کہ اس کی شکست کے بعد آپ کو مدائن تک کوئی چیز نہ روک سکے گی۔“

بلکہ ایک خط میں حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ کو یہاں تک لکھا کہ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ آنے والی جنگ

میں اہل اسلام کو ایک بہت بڑی فتح حاصل ہوگی۔“

اس کے علاوہ خلیفہ نے ہدایات دیں کہ چند مجاہدین کا ایک وفد ایران کے بادشاہ یزدجرد کے ہاں بھیجا جائے کہ ایک دفعہ اس کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جائے۔

قادسیہ کا میدان جنگ

اب جناب سعدؓ، خلیفہ دوم کو باخبر رکھتے ہوئے اپنی چٹنی ہوئی زمین پر صف بندی کر رہے تھے۔ حضرت سعدؓ نے حضرت زہرہؓ کو جیش المقدم کے طور پر آگے بھیجا جنہوں نے پہلے عذیب الجانات میں پڑاؤ کیا اور پھر آگے بڑھ کر عتیق اور خندق کے درمیان پہل کے سامنے صف بند ہو گئے۔ باقی لشکر جناب سعدؓ کی کمان میں

لے نقشہ دہم سے استفادہ کریں۔

پیچھے تھا۔ اس علاقے میں اس سے پہلے اہل اسلام کا کوئی اتنا بڑا لشکر اکٹھا نہیں ہوا تھا لیکن اب سوال یہ تھا کہ ایرانیوں کو اس میدان جنگ میں کیسے لایا جائے۔ اس لئے جو طریق کار اختیار کیا گیا وہ یہ تھا کہ حضرت سعدؓ نے مختلف چھاپہ مار دستے متعین کئے جنہوں نے مواد کے علاقہ میں اودھم مچا دی۔ ان دستوں کی گانڈ بٹے نڈر اور ولیر نوجوان کرتے تھے جو واسطے لے کر انبار تک جگہ جگہ ایرانی چوکیوں اور مال خانوں کو نشانہ بنا رہے تھے۔ خاص کر حضرت معنیؓ ابن حارث، حضرت عامرؓ بن عمرؓ تو مرہٹ گھوڑوں کی بیٹھوں پر سوار تھے اور ان کے دستے جگہ جگہ اللہ اکبر کی صدا بلند کرتے پھرتے تھے۔

مسلمانوں کے چھاپوں کی وجہ سے حکومت کے کارندے یزدجرد کے دربار میں بار بار مسلمانوں سے بچاؤ کے لئے درخواست دے رہے تھے۔ ایرانی مجبور ہو رہے تھے کہ مسلمانوں کے خلاف کچھ کارروائی کریں۔

دم اپنی سرحد پر اتنا بڑا لشکر کوئی ملک برداشت نہیں کر سکتا اور گورنر ستم کا خیال تھا کہ چھوٹے چھوٹے لشکر بھیج کر مسلمانوں کے ساتھ کئی لڑائیاں لڑی جائیں لیکن نوجوان یزدجرد فیصلہ کن جنگ کا خواہاں تھا۔ وہ ایسا اس لئے کرنا چاہتا تھا کہ سول انتظامیہ تباہ ہو رہی تھی چنانچہ حکومت کے جاگیردار اور مشیر سخت اور بھرپور فوجی کارروائی کے حق میں تھے۔

نتائج و اسباق

ہمارا اگلا باب اس باب کی کارروائیوں کے نتائج کے اثرات اور تدبیرات کو عملی جامہ پہنانے کی کارروائی ہے، کہ حکمت عملی کے تحت یا مقصد جنگ تانے بانے ملا کر پیش رفت کر رہی ہے مسلمانوں نے دنیا کو ایسے آسانی کے ساتھ فتح نہ کر لیا تھا۔ ہماری تاریخ کی کتابیں نامکمل اور بے مقصد ہیں۔ آپ اندازہ لگائیں کہ کتنی سخت تیاری کی ضرورت ہوتی ہے۔ حکمت عملی، تدبیرات اور تجاویز کو ڈھاننا آسان کام نہیں۔ بلکہ مسلمانوں نے جو حکمت عملی یا تجاویز مرتب کیں ان کو پرکھا، ان کے نتائج کا اندازہ لگایا اور نتائج کے اثرات کا بھی جائزہ لیا تو پھر لائحہ عمل تیار کرتے تھے۔ ہمارے ہاں آجکل جب اہل اسلام پر کوئی مصیبت آئے تو جہاد جہاد پکاراٹھتے ہیں۔ کبھی اسلامی اُمت کی وحدت کے نعرے لگاتے ہیں اور کبھی اسلامی دولت مشترکہ کے۔ اور کبھی ملے جلے دفاع کی بات کرتے ہیں۔

یہ سب زبانی کلامی جمع تفریق ہے۔ جہاد ایک طرز زندگی ہے۔ اس کو امن کے زمانے میں جاری و ساری کرنا پڑتا ہے۔ پوری قوم کو فتنہ سپہ گری کو شدہ بدھ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور ساری قوم کو

اس طرح رابطوں میں باندھ دیا جاتا ہے کہ وہ بنیان المرصوص بن جاتے ہیں۔ پیشہ و فوج کی بنیاد ایسے ہی ڈھانچے پر ہوتی ہے، تو پھر جہاد بالسیف کی بات کر سکتے ہیں اور اسلامی ممالک تب اکٹھے ہو سکتے ہیں جب سب کا سیاسی فلسفہ اسلامی ہو۔ آج ہم بھان منی کا کنبہ ہیں، تو جہاد کیسے کریں۔
اب ذرا اس زمانے کے واقعات کا اپنے حالات سے موازنہ کریں۔

۱۔ حضرت عمرؓ کی ذاتی خواہش اور دلچسپی تھی کہ اہل ایران کے ساتھ جنگ کی سب سے سالاری وہ خود فرمائیں۔ اور بڑی شکل سے ان کو اس سے تباہ و کاہنسا کر عشرہ مبشرہ سے ایک صاحب اس کام کے لئے مل گئے ہمارے ہاں یہ کہتے ہیں کہ حاکم اعلیٰ اور اس کے سب مشیر غیر فوجی یا سولین ہونا چاہئیں۔

۲۔ حضرت سعدؓ جیسے عظیم صحابی کو ایران کی فتح کے لئے سب سے سالار بنایا اور مجاہدین کے دستے فوراً محاذ پر روانہ کر دیئے گئے۔ اور وہاں پر جناب مثنیٰؓ، مستعدی سے محاذ پر موجود تھے۔ ہم ۶ ستمبر ۶۵ء کو اپنے گھروں میں سوئے ہوئے تھے اور لاہور، دستوں کے کئی سب سالار دن کے نوبتے محاذ پر پہنچے۔

۳۔ پوری قوم مجاہدین کی تھی۔ اور حضرت سعدؓ راستے میں مجاہد اکٹھے کرتے گئے۔ ہماری قوم فن جنگ سے نابلد ہے اور صرف نعرے لگا سکتی ہے۔

۴۔ علاقوں سے کمک اور جہگاہ کے بارے کتنے خوبصورت فیصلے کئے۔ خیر اس سلسلہ میں ہماری افواج بھی بڑی ماہر ہیں۔

۵۔ محاذ پر جانے کے لئے حکمت عملی کے طریق کار، علاقے کا مطالعہ اور خلیفہ وقت کی بروقت ہدایات۔ ہماری فوج کا یہ پہلو کافی اچھا ہے لیکن اس کو اور اسلامی بنانے کی ضرورت ہے۔

۶۔ حضرت مثنیٰؓ کی وصیت اور آئندہ کے حالات کے بارے سمجھ اور تجاویز۔ یہ معاملہ بڑا اہم ہے اور اس کا درروائی میں ہم بڑے کمزور ہیں۔ قوم اور فوج کو اس سلسلہ میں اور تربیت کی ضرورت ہے۔
۷۔ حضرت سعدؓ کا خلیفہ وقت کو ہر معاملہ سے آگاہ کرنا اور خلیفہ وقت کی ہدایات۔ یہ پہلو اب ہر ملک میں ٹھیک ہی چل رہا ہے۔ صرف زیادہ سچائی کی ضرورت ہے۔ ہم کچھ دروغ گوئی سے کام لیتے ہیں۔

۸۔ اپنی چینی ہوئی زمین پر صاف بندی اور زمین کا مطالعہ، بڑا وسیع مضمون ہے۔ اور ہماری افواج کو ان پر اور زیادہ زور دینا چاہیے۔ اور بہت زیادہ زور۔

۹. دشمن کے بارے خبر اور دشمن کو اپنی مرضی کی زمین پر لڑنے کے لئے مجبور کرنا بڑا اہم سبق ہے اور
بر سطح ہماری تدبیرات، فن اور ہنر کی بنیاد اس نظریہ پر ہونی چاہیے۔

۱۰. اللہ اکبر کی صدا، لاجول ولا قوتہ کا ورد، اللہ کا ذکر۔ ہم ان باتوں کو بھولتے جا رہے ہیں۔ اپنی فوج
کو ان چیزوں پر زور دینا چاہیے۔

۱۱. اسلامی تاریخ کے بامقصد مطالعہ میں ہمارے لئے لفظ لفظ میں سبق ہے۔ لشکر کی تنظیم، امراء کو
مقرر کرنا، صحابہ کی شان، بدری صحابہ کی عزت، صحابہ کرام کے بیٹوں کی شرکت، سب پہلو بڑے
اہم ہیں۔ یاد رہے کہ ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ اور دسمبر ۱۹۷۱ء کی جنگ میں ہمارے کئی ارباب حکومت
نے اپنے بیٹوں کو محاذ جنگ پر نہ جانے دیا۔

۱۲. مسلمانوں کو قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے کردار سے سبق سیکھ کر اس دنیا کو اپنی مرضی کے مطابق
چلانا چاہیے۔ اور یہ ذلت کی زندگی ہمارا حصہ نہیں ہونا چاہیے۔

اکیسواں باب جنگِ قادسیہ اور طرفین کی تیاری

اہل اسلام اور ایرانی بادشاہت کے درمیان ایک فیصلہ کن اور بھرپور جنگ ناگزیر ہو چکی تھی۔ صرف جنگ اور وقت کا تعین باقی تھا۔ دونوں طرف تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ مسلمان ایک دفعہ حیرہ کو فتح کر چکے تھے۔ انبار تک ان کے قلمرو میں تھے۔ واسط تک وہ ایرانیوں کو شکست دے آئے تھے۔ بابل اور کئی اور مقامات میں دریائے فرات کے مشرق میں بھی مسلمان ایرانیوں کو شکست دے چکے تھے۔ لیکن مرکز سے حکمت عملی کے تحت وہ مدائن کی طرف اس وقت تک پیش قدمی کرنے کو تیار نہ تھے جب تک ایرانی فوج کو اپنی مرضی کے مقام پر نہیں نہیں نہ کر دیتے۔ مسلمانوں کو کوئی جلدی نہ تھی اور وہ اپنے لشکر کی بحال اور کفالت کے لئے عراق کے زرخیز علاقوں سے جو کچھ حاصل کر سکتے تھے کر رہے تھے۔ مسلمانوں نے ایرانیوں پر جناب خالدؓ اور جناب ثنیٰؓ کے زمانے میں جو فتوحات حاصل کی تھیں۔ ان کی وجہ سے ایران کی حکومت میں ہل چل مچ چکی تھی۔ ان کے نظم و نسق کے نیچے ادھیڑ دیئے گئے تھے اور اہل ایران کی کمر ٹوٹ چکی تھی۔

ایرانیوں کا ردِ عمل

ایرانی دور دور کے علاقے کے لوگوں یعنی کردستان، ترکستان، خراسان اور آرمینیا کے صوبہ جات کے باشندوں کو مدائن کے نزدیک ایک چھاؤنی سبھا میں اکٹھا کر رہے تھے تاکہ مسلمانوں کے ساتھ مقابلہ کیا جائے لیکن رستم کسوی فیصلہ کن جنگ سے کترار ہا تھا۔ اس کی کئی وجوہات تھیں۔ اول تو رستم کو علم نجوم پر دسترس تھی اور اس کو آگے کے حالات کچھ دھندلے نظر آ رہے تھے۔ دوم وہ ہمیشہ دوسروں کو قربانی کا بکرا بنا تا رہا۔ سوم حکمت عملی کے لحاظ سے بھی رستم کا جائزہ درست تھا کہ ایک بڑی اور فیصلہ کن لڑائی میں شکست کو برداشت کرنے کی سکت اب ایرانی سلطنت میں ختم ہو چکی تھی۔ چنانچہ رستم ہر قسم کے داؤ اور فریب سے کام لے رہا تھا۔ اس نے یزدجرد کو صاف کہا کہ لڑائی تو ہوتی ہی مگر فریب سے ہے۔ بہتر ہے مسلمانوں کے ساتھ داؤ اور مکر و فریب سے کام لیا جائے لیکن یزدجرد پر دور دراز کے علاقوں کے جاگیردار گاتار دباؤ ڈال رہے تھے کہ انہیں مسلمانوں سے بچایا جائے۔

لے نقشہ ہم سے استفادہ کریں۔

اہل اسلام کا وفد

اسی دوران خلیفہ دوم کے احکام کے تحت حضرت سعدؓ نے چودہ ارکان پر مشتمل چند مدبر، جری اور وجیہ مسلمانوں کا ایک وفد یزد جرد کے پاس بھیجا۔ ان میں کم از کم سات تو صحابہ کرام تھے۔ البتہ نعمان بن مقرنؓ، معیرہ بن شعبہ اور عامر بن عمروؓ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ چوتھے جناب معنیؓ تھے جو حضرت مشیؓ کے چھوٹے بھائی تھے۔ باقیوں میں جناب اشعث بن قیسؓ، معیرہ بن زرارہ اور الحارث بن حسان کے بارے بھی خیال ہے کہ شاید آپ یا تو صحابی تھے یا اپنے قبیلہ کے سردار۔ ان کے علاوہ عرب کے مشہور پہلوان عمر بن معدیکرب بھی تھے جن کا ذکر ہو چکا ہے۔ اور باقی مشہور مجاہد بھی تھے، جن میں بسر بن ابی رجمؓ، جبہ بن جویہ الکنانیؓ، حنظلہ بن الربیعؓ، فرات بن حیانؓ، عدی بن سیلؓ اور عطار بن حاجب تھے۔ تاریخ کے طالب علموں کے لئے یہ چودہ مجاہدین بہت اونچے پایہ کے سردار تھے۔ بہادری میں تو سب اپنا مقام نہ رکھتے تھے۔ لیکن تدبیر، بات چیت، مردانہ وجاہت، ثابت قدمی اور اسلامی فلسفہ حیات کی مکمل پیروی کے سلسلہ میں ایک ایک صاحب پر کئی مضامین لکھے جاسکتے ہیں۔ ان میں سے اکثر میدان جنگ میں بہادری کے جوہر دکھا چکے تھے، اور ایرانی ان کو جانتے تھے اور جو ایرانیوں کے لئے "نوارذ" تھے وہ بھی اپنی شخصیت کی وجہ سے توجہ کے مرکز تھے۔

وفد کی یزد جرد کے ساتھ ملاقات

مسلمانوں کے وفد کی جب اہل مدائن کو اطلاع ملی تو وہاں کے لوگ جوق در جوق ان کو دیکھنے کے لئے آنا شروع ہو گئے۔ مسلمانوں کی ظاہر حالت یہ تھی کہ ان کے مجھے پرانے اور بوسیدہ تھے۔ کاندھوں پر چادریں تھیں ہاتھوں میں باریک قسم کے کورے یعنی چابکوں کی بجائے عام قسم کے درختوں کی پتی شاخیں تھیں جن کو "چھمک" کہتے ہیں۔ پاؤں پر بوزے چڑھائے ہوئے تھے اور ان کے گھوڑوں کی پیٹھیں ننگی تھیں۔ گھوڑے البتہ بڑے چست تھے۔ وہ ہنہنا رہے تھے اور ٹاپیں مار رہے تھے۔ ایرانی ان کو دیکھ کر ششدر رہ گئے کہ عام قسم کے سادہ دیہاتی لوگ تھے لیکن ان کا رعب داب اتنا تھا کہ ان کو دیکھ کر ایرانی کانپ جاتے تھے۔

یہاں ایک نکتہ کی وضاحت ضروری ہے۔ انگریزوں کی نظر میں اور رعب داب قائم رکھنے

کے لئے ہم سویلین لوگوں نے سوٹ اور نکٹائی پہنی۔ فوجیوں نے رنگ بزرگی وردیاں پہنیں۔ یعنی بیوی پٹرول اور منکی جیکٹ وغیرہ۔ لیکن یاد رہے کہ انسان کا رعب اُس کے کردار، اصولوں، شخصیت اور قومی تفاخر سے ہوتا ہے۔

سہ گرجہ ہے دلکش بہت حسنِ فرنگ کی بہار

طارکِ بلند بال دانہ و دام سے گزر (اقبال)

کچھ مورخین کا خیال ہے کہ وفد کا کوئی امیر نہ تھا۔ آپس میں آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کر کے کوئی صاحب کچھ تقریر کر دیتے تھے۔ یہ تبصرہ یا جائزہ غلط ہے۔ طبری کے لحاظ سے نعمان بن مقرن امیر تھے۔ اور ہم اس کو صحیح سمجھتے ہیں کہ حضور پاکؐ کا فرمان ہے کہ اگر دو ہو تو بھی ایک کو اپنا امیر بنا لو بلکہ ہمارا جائزہ ہے کہ جناب عاصم بن عمرو نائب امیر تھے۔ ہاں ایک قسم کی سادگی کی وجہ سے ایرانیوں کو سمجھ نہ آرہی ہوگی کہ امیر کون ہے۔

روایت ہے کہ یزدجرد وفد کے ساتھ ملاقات کے لئے تیار نہ تھا اور وہ اپنی بلندی کا اتنا قائل تھا کہ چاہتا تھا کہ یہ وفد اس کے دربار کے کسی اور امیر کے ساتھ ملاقات کرے لیکن مسلمان اس کے لئے تیار نہ تھے۔ اس لئے یزدجرد مجبور ہو گیا اور وفد کو اپنے دربار میں آنے دیا۔ لیکن وہاں بھی بڑی دھمکیاں دینا شروع کر دیں کہ وہ لوگ ان کے ملک میں کیوں گھس آئے تھے۔ اور کچھ گیدڑ مھبکیاں بھی بھیتیں۔

حضرت نعمان کی تقریر

حضرت نعمان جو وفد کے سربراہ تھے نے یزدجرد کے دربار میں جو تقریر کی مختصر طور پر اس کے الفاظ یہ تھے: ”اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہمارے پاس اپنا رسول بھیجا جنہوں نے ہمیں صراطِ مستقیم دکھایا اور نیکی کے راستے پر لگایا اور اسی راہ پر چلنے سے دونوں جہاں حاصل ہوتے ہیں اور ہم یہی دعوت آپ اور آپ کے لوگوں کو دینے آئے ہیں۔ ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب موجود ہے۔ تم اس کتاب کے مطابق احکام چلاؤ۔ جب تک ایسا کرتے رہو گے تم اپنی جگہ قائم رکھے جاؤ گے۔ اگر یہ منظور نہیں ہے تو جزیہ دو کہ اس رقم سے ہم اس علاقہ کے نظم و نسق کو چلائیں گے۔ اگر یہ بھی منظور نہیں تو پھر فیصلہ تلوار کرے گی۔“

یزدجرد کا رد عمل اور وفد کی واپسی

یزدجرد یہ سن کر حیران رہ گیا لیکن اپنی حیرانی اور پریشانی پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی اور پرانے زمانے کے ایران

کی عظمت اور عربوں کی جہالت کو زیر بحث لے آیا۔ پھر دونوں قوموں کی دولت اور غربت کا موازنہ کیا اور ہر طرح سے عربوں کو کم تر ثابت کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ جناب مغیرہ بن زرارہ یہ برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے اپنے امیر کی اجازت سے بادشاہ کی فضول اور بے معنی تقریر کا بڑا سخت جواب دیا کہ بادشاہ آداب مہانداری سے آگاہ نہیں ہے آپ نے عرب قبائل کی اسلام سے پہلے کی سخاوت، شرافت اور اصول پرستی کے واقعات کا ذکر کیے بادشاہ کو خاموش کر دیا اور آگے کہا کہ "اب تو حالات بالکل ہی تبدیل ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حبیب نے ہمارے دلوں کو روشن کر دیا ہے اور ہم مسلمان ہیں دنیا کی کس باطل تہذیب و تمدن یا فلسفہ کو خاطر میں نہیں لاتے اور سب نظاموں کو ہیچ سمجھتے ہیں۔"

بادشاہ یہ سن کر بھڑک اٹھا اور ایک مٹی کا بھرا ہوا ٹوکرا منگوایا اور کہنے لگا کہ وہ تمام وفد کو قتل کر دیتا لیکن بین الاقوامی اصول کو بد نظر رکھتے ایسا نہیں کر رہا۔ لیکن کوئی تحفہ وفد کو نہ دے گا بلکہ ایک مٹی کا ٹوکرا ہے۔ یہ تمہارے سردوں پر لاد دیا جائے گا اور تمہارا جو امیر ہے اس کو اٹھانا پڑے گا۔ یہ سن کر جناب عاصم بن عمرو جو نائب امیر تھے وہ آگے بڑھے اور انہوں نے یہ ٹوکرا اپنے سر پر اٹھالیا کہ امیر نے کانڈ کرنا ہوتی ہے اور اہل وفد تیزی سے وہاں سے واپس چل پڑے۔ وہ بڑے خوش تھے کہ جس سرد میں پردہ اللہ اور اس کے حبیب کا نام بلند کرنا چاہتے تھے۔ اس کی مٹی ان کو اسی ملک کے بادشاہ کے ہاتھوں سے پہلے ہی مل گئی اور وہ واپس رواں دواں تھے۔ رستم جو نجومی تھا اور دربار میں موجود نہ تھا۔ اس کو جب پتہ چلا کہ ان کے ملک کی مٹی اسلامی وفد کے جا رہا ہے تو اس نے اس کو بڑا برا لشکر سمجھا۔ بادشاہ کو بتایا کہ اس نے غلطی کی تھی اور اس نے اسلامی وفد کے پیچھے تیز سوار دستے دوڑائے کہ مٹی واپس لے آئیں لیکن وہ اللہ کے ان مجاہدوں کو نہ پاسکے۔

رستم کا کوچ

رستم ہر طرح کے حیلے بہانے کر رہا تھا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ کسی فیصلہ کن جنگ سے بچ جائے۔ کیونکہ آنے والے حالات ایران کے لئے اچھے نہ تھے لیکن یزدگرد دُشمن تھا کہ رستم جلد سے جلد مسلمانوں کے ساتھ فیصلہ کن جنگ لڑے۔ رستم نے مستعفی ہونے کی بھی دھمکی دی تو بادشاہ خود لشکر کی کانڈ کے لئے تیار ہو گیا۔ اس لئے رستم مجبور ہو گیا اور آخر اس نے مدائن سے حیرہ کی طرف کوچ شروع کر دیا۔ ایک روایت کے مطابق ایرانی لشکر کی تعداد ساٹھ ہزار بتائی گئی ہے! امام شعبی کی المغازی میں ایرانیوں کے لشکر کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار ہے اور اسلامی لشکر کی تعداد تیس ہزار۔ رستم نے چالیس ہزار فوج جالینوس کے ماتحت حبشہ المقدم کے طور پر بھیجی۔ ساٹھ ہزار اس کے اپنے ساتھ تھے اور بیس ہزار عقب میں تھے تو کل تعداد ایک لاکھ بیس ہزار بن گئی۔

طرفین کا آمناسامنا

رستم کے کوچ کرنے کے بعد اور خاص کر حیرہ پہنچنے کے بعد دونوں لشکر ایک دوسرے کے نزدیک اور آنے سانسے آچکے تھے صرف درمیان میں دریائے فرات کا چھوٹا معاون دریا عتیق تھا جس کے پل پر مسلمان قابض تھے۔ یہ حالات توڑے لشکروں تک محدود تھے لیکن مسلمانوں کے چھوٹے دستے متحرک تھے۔ حضرت عاصم بن عمرو، حضرت معنی بن حارث اور حضرت قیس بن مہیرہ اپنے دستوں کے ساتھ دور دور تک دشمن پر وار پہ وار کر رہے تھے اور اب جو ٹڈی دل ایرانی لشکر قریب آ گیا تھا جو لمبے چوڑے علاقہ میں پھیلا ہوا تھا۔ اس پر وار کرنے کا مسلمانوں نے نیا طریقہ نکالا کہ ان کے مختلف پڑاؤ پر چھاپے مارنے شروع کر دیئے۔ اس کام میں جناب طلحہؓ اور عمرؓ بن معد کیرب نے بڑی مہارت دکھائی اور ایرانی لشکر کو بڑا تنگ کیا۔ خاص کر ایک دفعہ جناب طلحہؓ نے ایران کے دو ہزار مردوں میں سے ایک کو قتل کر دیا اور ایک کو قیدی بنا کر لے آئے۔ ویسے اب ایران اور عراق کے لوگوں میں پرانے تعلقات ختم ہو چکے تھے۔ حیرہ کے علاقے میں ایرانی سپاہی لوگوں کے گھروں میں گھس جاتے تھے۔ وہاں کے باشندوں کے ساتھ دست درازی کرتے تھے۔ عورتوں کی عزت لوٹ لیتے تھے وغیرہ۔ بوڑھا عبدالمسیح اور ہمارے جناب شویلؓ کی کرامت کا باپ اس وقت تک زندہ تھا اور وہ شکایت لے کر رستم کے پاس گیا، لیکن اس سیدھی سادی بات کو رستم کے سامنے "ادبی زبان" میں پیش کیا، جس کو رستم کچھ دیر کے بعد سمجھا اور دونوں نے اپنی علم الکلام کی مہارت سے ایک دوسرے کو لاجواب کرنا چاہا۔ مبصرین اور مورخین نے مزے لے لے کر اس گفتگو کو لکھا ہے لیکن ہم اس باطل ادب کو نظر انداز کر رہے ہیں کہ باطل فلسفے والے لوگوں کی عزت لوٹ رہے تھے۔ اور جن کی عزت لوٹی جا رہی تھی وہ ادب اور فلسفہ کو اپنی ڈھال بنا چاہتے تھے۔ بغیرت مند قومیں اینٹ کا جواب پتھر سے دیتی ہیں۔

سے مرد بے حوصلہ کرتا ہے زمانے کا گلہ

بندہ حر کے لئے نشرِ تفسیر ہے نوش ! (اقبال)

رستم کا جنگ سے گریز

رستم بچھ پہنچ چکا تھا یہاں اس نے غماب دیکھا کہ ایک فرشتے نے اہل ایران کے تمام ہتھیاروں کو تالا لگا کر چابی کسی عظیم بادشاہوں کے بادشاہ کو دی جس کے پاس میں رستم کو کسی نے بتایا کہ وہ مسلمانوں کے پیغمبر حضور پاکؐ تھے

اور انہوں نے یہ چاہی حضرت عمرؓ کے دے دی۔ نجومیوں میں کچھ کا خیال تھا کہ ایران کا معاملہ ختم ہے اور کچھ امیدیں دلا رہے تھے کہ اگر جنگ نہ ہوئی تو پھر ایران بچ سکتا ہے۔ چنانچہ رستم نے جنگ سے بچنے کے بہانے تلاش کرنے شروع کر دیئے اور مسلمانوں کو دعوت دی کہ وہ قاصد یا وفد بھیج کر صلح کی بات چیت کریں۔ جناب سعدؓ نے اس کام کے لئے سات مجاہدین کو نامزد کیا لیکن جناب الربیعؓ نے رائے دی کہ ایک وقت میں ایک قاصد بھی ان حالات میں کافی ہے۔ یہ بات جناب سعدؓ کو پسند آئی اور پہلے جناب ربیعؓ کو بھیجا۔ جناب الربیعؓ گھوڑے پر سوار ہو کر ہی رستم کے درباری خیمہ میں داخل ہو گئے اور آدھے فاصلہ تک قالینوں کے اوپر ہی گھوڑے کو جا کر کھڑا کیا۔ رستم اور جناب الربیعؓ کی گفتگو یہ ہوئی:

رستم نے پوچھا: آپ کیا پیغام لائے ہیں؟

الربیعؓ نے فرمایا: وہی پیغام جو ہمارے آقاؐ لے کر آئے۔ وہ منظور کر دیا جزیہ دو درہنہ تلواریں صلہ کرے گی۔

رستم: اللہ تعالیٰ تمہیں اس کے عوض کیا دیتا ہے؟

الربیعؓ: شہیدوں کے لئے جنت اور زندہ رہے تو غازی۔

رستم لاجواب ہو گیا اور کئی دنوں کی مہلت مانگی کہ وہ بادشاہ کے ساتھ مشورہ کرے۔

آج جناب الربیعؓ نے فرمایا: کہ ہمارے آقاؐ کا حکم ہے کہ تین دن سے زیادہ مہلت نہ دو۔

رستم بڑا حیران ہوا اور کہنے لگا کہ کیا تم ان کے امیر ہو۔ الربیعؓ نے فرمایا: نہیں ہم سب ایک جسم کی طرح ہیں اور ایسی

باتوں میں چھوٹے بڑے میں کوئی امتیاز نہیں۔

رستم پر اس کا گہرا اثر ہوا اور وہ ششدر رہ گیا کہ اس سادگی اور سچائی اور ایران کے چھوٹے تمدن میں کتنا بڑا فرق

ہے۔ اس لئے اس نے جناب سعدؓ کو کوئی دوسرا قاصد بھیجنے کی درخواست کی۔ اب جناب خدیفہؓ بن محسن کی باری تھی۔

انہوں نے گھوڑے سے اترنے ہی سے انکار کر دیا اور گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھے ہی تین شرطیں پیش کیں اور واپس چل

پڑے کہ جواب بھجوا دینا۔

رستم حیران تھا اس نے کسی بہتر قاصد کے لئے درخواست کی اور اس دن جناب سعدؓ نے حضرت مغیرہؓ بن شعبہ

کو بھیجا۔ حضرت مغیرہؓ نہ صرف میدان جنگ کے شیر تھے بلکہ سفارتی کاموں یا سیاست کے معاملات میں آپ کا بہت

اوپنچا مقام تھا۔ بڑے ذہین اور حاضر جواب تھے۔ ایرانی افسر مہانذاری نے ان کو پہل کے پار خوش آمدید کہا اور اس

تلاذوقہ کے گیارہ لشکروں میں سے ایک اور جناب عکاشہؓ کے بھائی تھے۔

کے ساتھ خاموشی سے چلتے گئے اور اسی طرح خاموشی سے رستم کے دربار میں پہنچ گئے اور جیسے رستم کے نزدیک پہنچے
چھلانگ لگا کر رستم کے ساتھ اس کے تخت پر بیٹھ گئے۔ رستم اور ایرانیوں نے مجبوراً یہ سب برداشت کیا اور اس
دفعہ رستم نے ایک لمبی چوڑی تقریر کر دی جس میں ایرانیوں کی عظمت کو خوب اچھا حال کر بیان کیا۔
جواب میں حضرت مغیرہؓ نے اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی عظمت اور دینِ فطرت کے فلسفہ حیات پر جو تقریر کی اس

سے سارا دربار سہم گیا اور پھر آپ نے وہی تین شرطیں پیش کر دیں۔

رستم بات کو ختم کرنا چاہتا تھا اور کہنے لگا اگر تم کو مار دیا جائے تو پھر کیا ہوگا؟

جناب مغیرہؓ نے فرمایا۔ سبحان اللہ! ہمیں اور کیا چاہیے۔ جنت کے دروازے کھل جائیں گے۔

اپنی فکر کرو کہ دوزخ منہ کھولے تمہارا انتظار کر رہی ہے۔

رستم کو سخت غصہ آیا اور کہنے لگا تمہارے اور ہمارے درمیان کبھی امن نہیں ہو سکتا۔ میں تم سب کو ختم کر

دوں گا۔

جناب مغیرہؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ قرآن کے رو سے کوئی طاقت کچھ نہیں کر سکتی اور سب کچھ اللہ تعالیٰ

کے ہاتھ میں ہے۔

رستم کو اب ہمت نہ رہی کہ کسی اور قاصد سے بات کرتا لیکن جناب سعدؓ نے اپنے آپ باقی چار مجاہدین کو بھی

دوسرے دن وفد کے طور پر رستم کے پاس بھیج دیا۔ وفد کے ان مسلمانوں نے اپنی تلواریں چتھیڑوں میں لپیٹی ہوئی

تھیں لیکن ان کی دھار بڑی تیز تھی۔ اور مسلمانوں نے پھر وہی تین شرطیں دہرائیں۔ کہتے ہیں کہ ایک لمحہ ایسا

بھی آیا کہ رستم اسلام کی طرف کچھ مائل بھی ہوا لیکن اپنی قوم سے ڈر گیا۔ ان مجاہدین میں کچھ مورخین کے مطابق

مشہور صحابی عرفجہ بن حرمثہؓ، رسالہ کے مشہور افسر بشر بن ابی رحم اور اپنے قبیلوں کے سردار جناب مدعور بن عدی

اور قرافہ بن زاہد ہیں جو کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ رستم کچھ خوش ہوا کہ شاید حالات اور معاملات میں کچھ

تبدیلی آجائے۔ لیکن اس دفعہ وہ ایک اور ڈگر پر چل پڑا۔ ایران کی دولت اور عربوں کی پرانے زمانے

کی نشہ حالی کا موازنہ کرتے ہوئے کئی کہانیاں سنائیں۔ کبھی لومڑی کی کہانی۔ کبھی مکھی اور چوہوں

کی کہانی کہ یہ سب ہوس میں آکر تھوڑے پر اکتفا نہیں کرتیں اور آخر اتنے موٹے ہو جاتے ہیں کہ

لے گیارہ لشکروں میں سے آٹھویں کے کماندار۔ دوسرا باب دیکھیں۔

لپنے بل سے باہر نہیں نکل سکتے۔ ساتھ ہی لالچ کے طور پر ہر امیر کو نقد انعام تحفہ کے طور پر دینے کی پیش کش کی۔ رستم ابھی تک کچھ اس خیال کا حامی تھا کہ غربت نے عربوں کو اکٹھا کر دیا ہے۔ اور موجودہ زمانے کی مشہور کہادت کہ جنگ HAVE NOT اور HAVES کے درمیان ہوتی ہے، کو رستم نے بھی کچھ سمجھ جانا۔ بلکہ بد قسمتی سے یورپ کا دانشور تو آج بھی اسی کلیہ کو لئے پھرتا ہے۔ اور مسٹر آرنلڈ کے حساب سے مسلمانوں کا عروج اسی وجہ سے ہوا کہ عزیز اکٹھے ہو گئے۔

مسلمان اہل وند مسکر لائے، اور انہوں نے رستم کو کہا کہ تم ہماری آمد کے مقصد کو نہیں سمجھے۔ پہلے صرف قاصد آتا رہا۔ ایک آدمی کے الفاظ میں کچھ کمی رہ سکتی ہے۔ ہم آج اجتماعی طور پر تمہیں وہی تین شرائط پیش کرنے آئے ہیں جو مدائن میں پیش کر چکے ہیں، اور ہمارے قاصد بار بار دہرا چکے ہیں اور آج تین دن کا وعدہ بھی پورا ہو گیا ہے۔ ہم وفد کی شکل میں اس لئے آئے ہیں کہ ایک دوسرے پر گواہ ہوں اور یہ اسلامی طریقہ ہے۔ اور آخری بات سن لو، ہمارا مقصد ایران میں اللہ اور اس کی حاکمیت کو جاری و ساری کرنا ہے۔

رستم حیران تھا۔ اب اسے جنگ ناگزیر نظر آرہی تھی۔ کہنے لگا :-

”آپ لوگ دریا پار کریں گے کہ ہم پار کریں“

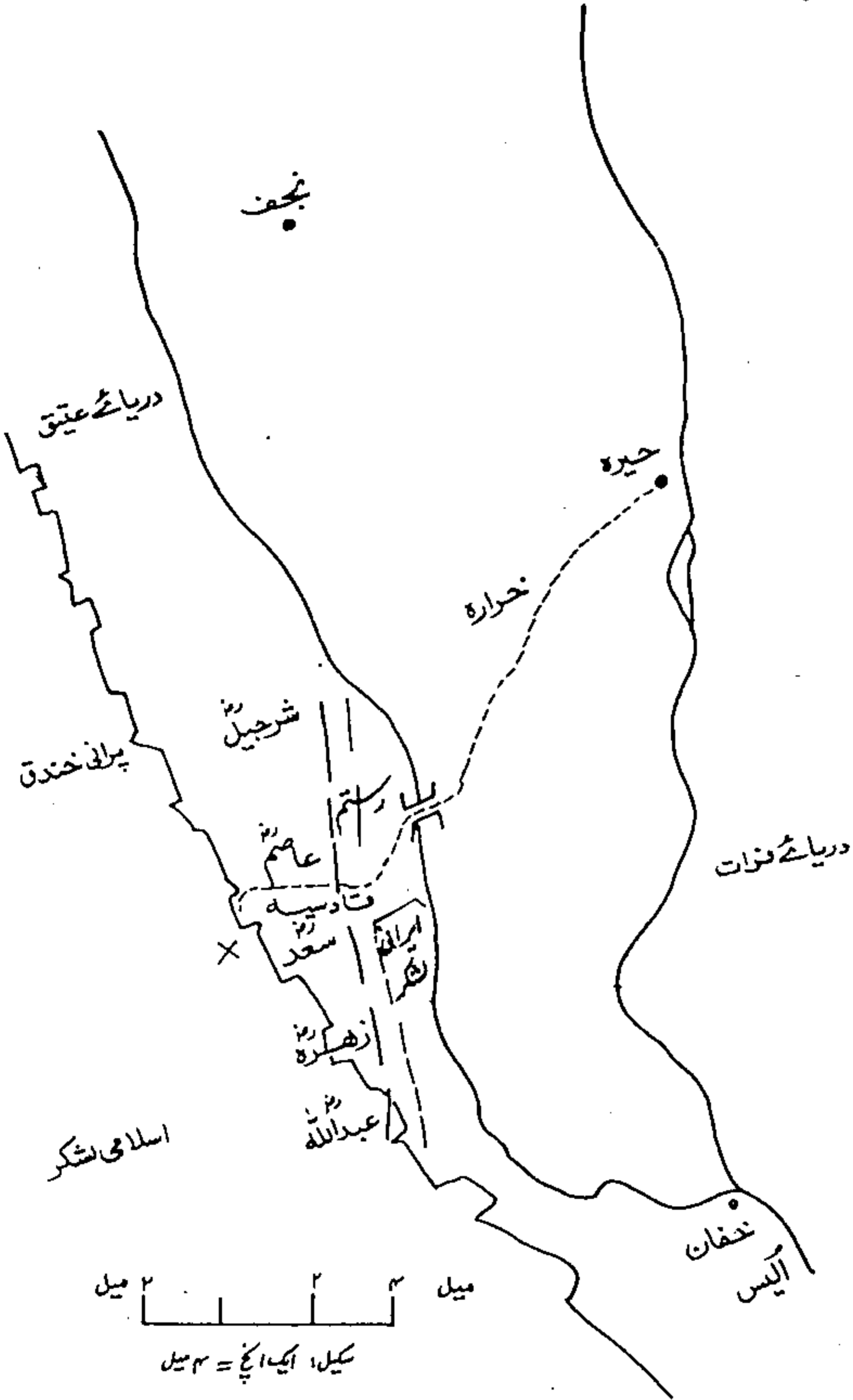
مسلمانوں نے یک زبان جواب دیا :-

”آپ لوگ پار کریں“

تبصرہ

قارئین کو نقشہ اور زمینی حالات کے ساتھ ضرور دلچسپی ہوگی۔ قادیسیہ کے میدان جنگ کو نقشہ دہم میں دکھایا گیا ہے۔ جس میں مسلمانوں کی صف بندی بھی دکھائی گئی ہے۔ کہ وہ کسی سکیل کے ساتھ نہیں ہے۔ گو علاقہ کا نقشہ سکیل کے ساتھ ہے۔ صف بندی محدود علاقے میں پل کے نیچے دریائے عتیق کے پار تھی۔ ایرانیوں کے پیچھے دریا تھا اور مسلمانوں کے عقب میں پرانی خندق۔ ایرانیوں کی صف بندی ایک لکیر کے ساتھ ظاہر کر دی گئی ہے۔ اور نقشہ پران کے دستہ کے کمانڈروں کے نام نہیں لکھے گئے۔ اس زمانے میں زمین کا استعمال فرد کے لئے اتنا اہم نہ تھا، سوائے اس کے کہ وہ جارح کو متحرک رہنے دے زمین کا زیادہ استعمال حکمت عملی کے تحت ہوتا تھا۔ اس لئے ہم زمین کا بیان دو بارہ نہیں کر رہے

شمال
↑



اور اسی پر اکتفا کر رہے ہیں جو حضرت سعدؓ نے حضرت عمرؓ کو خط میں لکھا۔ مسلمانوں کے لحاظ سے ریگستان ان کے پیچھے تھا اور خندق وقتی طور پر ان کے عقب کی حفاظت کے لئے اہم تھی۔ اہم پل پر مسلمانوں کا قبضہ تھا اور اس کو وہ کبھی ختم کرنے پر تیار نہ تھے۔ اہل ایران نے پل حاصل کرنے کے لئے قاصد بھی بھیجا کہ انہیں دریا عبور کرنے کے لئے پل کے استعمال کی اجازت دی جائے۔ مسلمانوں نے کہا کہ بھیجا کہ ایک اور وقتی یا عارضی پل بنا لو۔ اور ایسا ہی ہوا، جس کی وجہ سے مسلمانوں کو اپنی صفوں کو اور دائیں طرف کرنا پڑا۔ یعنی موجود ڈرل کے مطابق دائیں اور باہر کو قدم بڑھاتے گئے۔ نقشہ کی اہمیت اتنی ہی سرسری ضرورت کی ہے کہ اُس زمانے میں چھاتی کے زور اور جذبہ کی زیادہ ضرورت ہوتی تھی۔

لشکرِ اسلام کی صف بندی

جناب سعدؓ نے اپنے لشکر کو پانچ بڑے حصوں میں تقسیم کیا۔ بازوؤں پر عبداللہ بن المعتم اور شریل بن السمرق تھے۔ درمیان میں جناب سعدؓ از خود تھے۔ آپ کے بائیں پر جناب عاصم بن عمر تھے اور دائیں طرف جناب زہرہ بن الحویہ تھے۔ جناب سعدؓ خود تو معذور تھے۔ نہ گھوڑے پر سوار ہو سکتے تھے اور نہ بیٹھ سکتے تھے کہ بدن پر سخت پھنسیاں اور پھوڑے نکل آئے تھے۔ لشکر کے درمیان میں اونچے مقام پر اوندھے منہ لیٹے ہوئے تھے اور چھاتی کے نیچے تکیہ رکھے ہوئے تھے۔ نیچے قاصد کھڑے تھے جن کے ذریعہ سے آپ زبانی یا لکھ کر احکام پہنچاتے تھے۔ اپنا نائب آپ نے جناب خالد بن عرفطہ کو مقرر کیا اور وہ بھی احکام پہنچانے میں مددگار تھے اور گھوڑے پر سوار آپ کے سامنے موجود رہتے تھے۔ کم تعداد کی وجہ سے مسلمانوں کی صفوں کی گہرائی تین یا چار مجاہدین تک محدود تھی۔ لشکر میں کافی امیر تھے اور لشکر دس دس اور سو سو کی ٹولیوں میں بٹا ہوا تھا۔ یہ ایک عجیب نظارہ تھا کہ لشکر کے امیر اپنے دستوں کے آگے حرکت یا چہل قدمی کرتے ہوئے تلوار کو اٹھائے قرآن پاک کی آیات کی تلاوت کر رہے تھے۔ مسلمانوں نے جنگ کے دوران یا جنگ کے شروع میں یہ طریقہ ہمیشہ اپنایا۔ اور عثمانیہ ترک اس طریقہ کو یورپ میں لے گئے۔ اٹھارھویں صدی کے جرمن بادشاہ فریڈرک نے جیب موجودہ ڈرل کی طرح ڈالی تو اُس نے اس طریقہ کی نقل پر بیڈگراؤنڈ پر بھی عام کر دی اور آج کل بھی ”ٹرننگ دی کلر“ کی پریڈ سے پہلے جو کمانڈر اپنی گاردوں کے سامنے چہل قدمی کرتے ہیں، یہ مسلمانوں کی جنگ کے اس

طریقہ کی نقل ہے۔

ایرانیوں کی صف بندی

رستم نے بھی اپنے لشکر کو پانچ بڑے حصوں میں بانٹا۔ درمیان میں وہ خود تھا اور ایک بہت بڑے تخت پر بادشاہ کی طرح بیٹھ گیا جس کو زمین سے اونچا رکھا گیا۔ اس تخت پر ایرانی بادشاہ کا جھنڈا درفش کاویانی لہرا رہا تھا۔ یہ جھنڈا اس سے پہلے بہمن جنگ جس کے وقت بھی لے آیا تھا۔ رستم خود دوسری زرہ پہنے تھا۔ لشکر میں تیس کے قریب ہاتھی تھے جن میں نصف کے قریب درمیان میں اور باقی لشکر میں برابر بانٹے ہوئے تھے۔ صف بندی میں ایرانیوں کی گہرائی دس یا بارہ کے قریب تھی جس سے امام شعبیؒ کا دونوں لشکروں کے بارے تعداد کا جائزہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ ایرانی لشکر کے درمیان پندرہ ہزار جوانوں نے سات سات یا دس دس ٹولیوں میں اپنے آپ کو زنجیروں کے ساتھ باندھا ہوا تھا۔ یہ ایک حدت تھی کہ جنگ سلاسل کے مقابلہ میں تھوڑے لوگوں کو زنجیروں میں باندھا گیا۔ بہر حال یہ ”مادی دیواریں“ خواہ بڑی ہوں یا چھوٹی اسلام کی ”بنیان المرصوص“ کے سامنے نہیں ٹھہر سکتیں۔

ایرانی لشکر کے امرا

ایرانی لشکر کے دائیں حصوں پر جالینوس اور ہرمزان تھے اور بائیں حصوں پر مہران اور میرزاں، عقب میں بہمن تھا۔ جالینوس اور بہمن کے ساتھ مسلمانوں کو واسطہ پڑ چکا تھا۔ اور یہ مہران کوئی نیا مہران تھا۔ ہرمزان اور میرزاں نے تھے ایرانیوں کی پیغام رسانی کے طریقہ کو اس جنگ کے لئے ایسے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ اس طریقہ پر یقین آجاتا ہے۔ کہ سارے راستے پر پیغام رساں موجود تھے جو خبر کو جلدی آگے پیچھے پہنچا سکتے تھے۔ اور ایک چوکی یا مقام سے دوسری چوکی یا مقام تک لکھی ہوئی یا زبانی خبر پہنچانے کا بندوبست تھا۔ یہ بات قابل تسلیم ہے اور ”انسانی وائٹریس“ والا چکر اب خود بخود ختم ہو جاتا ہے کہ وہ ذہنی اختراع یا لفاظی تھی۔

نتائج اور اسباق

یہ باب صرن جنگ کی تیاری کی باتوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ ہمارے آقاؐ نے اس کے زمانے میں جنگ

کی تیاری کو جہادِ اکبر کا نام دیا ہے اور جنگ کو جہادِ اصغر۔ قادیسیہ کی جنگ ایک فیصلہ کن جنگ ہے اور اس کی تیاری میں ہمارے لئے متعدد اسباق ہیں جن کو ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔ یہ سب اسباق کاروائی کے طور پر بیان کر دیئے گئے ہیں کہ میدانِ جنگ کی تیاری سے پہلے ان کے زمانے میں پوری قوم کی تیاری کو زیادہ وقعت حاصل ہے۔ میدانِ جنگ کی تیاری بھی جنگ کی کاروائی کا حصہ ہے کہ مسلمان اپنے مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے ایک تجویز کے تحت صف آرا تھے۔

بائیسواں باب قادسیہ کی جنگ

بعض مورخین نے اس جنگ کو محرم ۱۲ ہجری کا واقعہ بتایا ہے اور بعض مورخین نے محرم ۱۵ ہجری کا۔ جنگ حبر
رمضان ۱۳ ہجری میں ہوئی اور جنگ بویب ۱۲ ہجری میں۔ خود خلیفہ دوم ۱۲ ہجری کو مدینہ سے نکلے۔ اس کے بعد
جناب سعدؓ کو بھیجنے میں ایک دو ماہ لگے ہوں گے۔ پھر جناب سعدؓ کا زرد میں قیام، شرف میں قیام، وفود کو
دائن بھیجنا، رستم کی پیش قدمی وغیرہ تو ظاہر ہے کہ جنگ قادسیہ محرم پندرہ ہجری کا واقعہ ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ جنگ
قادسیہ، جنگ یرموک کے بعد شوال ۱۵ ہجری میں ہوئی، ٹھیک نہیں۔ کچھ مورخین غلطی کر گئے۔ جنگ یرموک کے بعد
شام میں مکمل فتح ہو جانے کے بعد تو وہاں سے بے شمار کمک آ سکتی تھی، اور چونکہ تھوڑی امداد آئی تو ظاہر ہے
کہ ابھی شام میں مکمل فتح نہ ہوئی تھی۔ دوسری کتاب میں زمان و مکان کا پورا جائزہ موجود ہے۔

اسلام کی فیصلہ کن جنگ

ویسے تو جنگ قادسیہ دنیا کی تاریخ کی ایک مشہور ترین جنگ ہے لیکن ہم صرف اسی بات پر اکتفا کریں
گے کہ ہماری عسکری تاریخ میں جنگ قادسیہ کو اہم مقام حاصل ہے اور یہ اسلام کی ایک فیصلہ کن جنگ ہے
اس جنگ کے نتائج اثرات اتنے دؤرس تھے کہ ان سے دنیا کا سیاسی نقشہ ہمیشہ کے لئے تبدیل ہو گیا۔ پہلے
یہ بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کی صف بندی کسی وقتی دفاع یا مکمل انفعالی دفاع کے اصول کے تحت نہ ہوتی تھی اور
اس جنگ میں مسلمانوں نے جو دریا پار نہ کیا، اس کا بھی یہ مطلب تھا کہ مسلمان متحرک دفاع میں یقین رکھتے تھے
اور صف بندی صرف دشمن پر نظر رکھنے اور اپنی ترتیب کے لئے ہوتی تھی۔ اس لئے جناب سعدؓ نے بھی یہی حکم دیا
کہ صف بندی کے ساتھ دشمن پر نگاہ رکھنا اور دشمن کو تھوڑا آگے بڑھنے دینا کہ اس کی صفوں میں کچھ بے ترتیبی
آجائے۔ آپ نے فرمایا: ”وہ چار تکبیریں کہیں گے۔ پہلی دو تکبیریں تنبیہ اور تیاری کے لئے ہوں گی۔ تیسری
تکبیر پر مبارزت طلب کر سکتے ہیں اور چوتھی تکبیر پر اپنے اپنے سامنے بھرپور حملہ کیا جائے گا۔“

مبارزتیں

ظہر کی نماز کے بعد حضرت سعدؓ نے کچھ وقتہ دے کر دو تکبیر کہیں اور مجاہدین اپنی اپنی جگہ دیوار کی طرح جم گئے۔ بعد میں تیسری تکبیر کہی کہ مجاہدین مبارزت طلب کر سکتے ہیں۔ سب سے پہلے مسلمانوں کی صفوں سے دو صحابہ کرام جناب غالبؓ بن عبداللہ اور بائیں درمیانی دستہ کے کانڈر اور اسلام کے عظیم فرزند جناب عاصمؓ بن عمرو نکلے۔ جناب غالبؓ کے مقابلہ کے لئے ہر مزایا جو بابل کی جنگ میں حضرت شعیبؓ سے شکست کھا کر بھاگ گیا تھا جناب غالبؓ نے اس کو شکنجے میں لے کر قیدی بنا لیا۔ یہ جنگ کا پہلا قیدی تھا۔ لیکن جناب عاصمؓ کے سامنے آنے کی کسی کوجرات نہ ہوئی اور ظاہر ہو گیا کہ اہل ایران میں اب مسلمانوں کے ساتھ ذاتی مقابلہ کی ہمت جواب دے رہی تھی۔ جناب عاصمؓ آگے بڑھتے گئے اور اس افراتفری میں کہ کون آگے بڑھ کر مقابلہ کرے۔ ”اور تم آؤ اور وہ آئے“ کے جکر میں ایرانیوں نے وہاں سے اپنی پوری صف ہی خالی کر دی۔ جناب عاصمؓ نے دیکھا کہ اس افراتفری میں وہ ایک خوبصورت خچر جو سامان سے لدا ہوا تھا اس کو بھی پیچھے چھوڑ گئے۔ جناب عاصمؓ نے خچر کو پکڑ کر پیچھے اپنے بستے کی طرف موڑ دیا کہ اس کو سالارِ اعظم کے پاس لے جائیں اور خود میدان جنگ میں تلوار لہراتے رہے لیکن کوئی سامنے نہ آیا۔ جناب سعدؓ نے خچر کے سامان کا ملاحظہ کر لیا تو دیکھا کہ خوشبودار اور اتنے قیمتی قسم کے کھانے اس پر لدے ہوئے تھے جو بادشاہ لوگ کھاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ”یہ کھانے جناب عاصمؓ اور ان کے لشکر میں بانٹ دیئے جائیں“

اس کے بعد سامنے سے تو کسی ایرانی کو مبارزت کی ہمت نہ ہوئی لیکن مسلمانوں کے بائیں بازو کے سامنے سے ایک ”ہزاری“ آگے نکلا اور بڑے گھمنڈ کے ساتھ مبارزت طلب کی۔ ادھر عمروؓ بن معدیکرب کو بھی موقع مل گیا اور انہوں نے جا کر اس کا کام تمام کر دیا۔ ایک ایرانی تیر انداز بدلہ لینے کے لئے تیزی سے آگے بڑھا لیکن عمروؓ بن معدیکرب کے شکنجے سے وہ بھی بچ کر نہ جاسکا۔

اب دونوں طرف افواج میں بے صبری پیدا ہو رہی تھی اور دونوں لشکروں میں سے خاص کر اسلامی لشکروں میں سے اکثر جسد کے لئے بے چین تھے اور بڑی مشکل کے ساتھ لشکر کے نائب جناب خالدؓ بن عرفطہ نے ان کو روکا کہ اس وقت تک حضرت سعدؓ نے چوتھی تکبیر نہ کہی تھی۔

ایرانیوں کا حملہ

رستم کے لئے اب حملہ کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔ اصل میں ابتدا میں وہ حملہ کرنے کی پوزیشن میں بھی نہ تھا۔ مانا کہ اس نے صف بندی کر لی تھی اور صف بندی کی تجویز دریا کو پار کرنے سے پہلے بنائی ہوگی۔ لیکن اتنی بڑی فوج کو دریا پار کرنے میں کافی وقت لگا تھا اور باقاعدہ صف بندی میں ضرور دیر ہوگئی ہوگی لیکن اب وہ تیار تھا۔ اس کی تجویز یہ تھی کہ مسلمانوں کے دونوں بازوؤں پر بھر پور حملہ کرے اور ان کی صفوں کو تباہ و برباد کر کے وہ پورے لشکر کو گھیرے میں لے لے۔ رستم کے لشکر کی تعداد اس کو ایسا کرنے کی اجازت دیتی تھی اور یہ بڑی اچھی تجویز تھی۔ ہاں برابر یا تعداد میں تھوڑی برتری کے ساتھ ایسی تجویز کامیاب نہیں ہو سکتی۔

رستم نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ تمام اسلامی لشکر اور خاص کر دونوں بازوؤں والے حصوں کو تیروں سے چھلنی کر دیا جائے۔ اس زمانے میں تیر ہی دو رما ہتھیار تھے اور ایرانیوں نے تیر کا خوب استعمال کیا۔ مسلمانوں نے بھی تیروں سے جواب دیا لیکن مسلمانوں کے ہتھیار ہلکے تھے اور ایرانیوں کی نسبت تیروں کے اثرات کم تھے۔ رستم بھانپ گیا کہ تیر اسلامی لشکر کا کافی نقصان کر رہے ہیں۔ چنانچہ درمیان والے حصوں کو ٹھہرا دیتے ہوئے رستم نے مسلمانوں کے دونوں بازوؤں پر حملہ کر دیا۔

دائیں بازو پر حملہ کے اثرات

مسلمانوں کے دائیں بازو کے کانڈر جناب عبداللہ^{رض} تھے لیکن ان کے لشکر کے حصہ کے جس دستہ پر حملہ کا بہت ندر پڑا وہ دستہ جناب جریر بن عبداللہ کے بچیلہ قبیلہ کا تھا۔ آپ عظیم صحابی ہیں اور آپ نے اپنے قبیلہ کو خوب جوش دلا کر بڑا سخت مقابلہ کیا لیکن آپ کے سات یا آٹھ سو کے دستہ پر سات آٹھ ہزار ایرانی حملہ کر رہے تھے۔ اس لئے جناب سعد نے جلدی لگ کر دی۔ یہ لگ عقیب یا ریزرو سے نہ تھی بلکہ لشکر کے درمیان سے چھوٹے دستے بھیجے جن کی کانڈر جناب اشعت بن قیس، جمال اور طلیحہ^{رض} کر رہے تھے۔ طلیحہ نے آگے بڑھ کر اس ایرانی پہلوان کا کام تمام کر دیا جو پیش قدمی کی خوشی میں مبارزت طلب کرتا ہوا آگے بڑھا تھا۔ اس طرح ایرانیوں کے قدم اکھڑنے شروع ہو گئے اور جریر بن عبداللہ نے پھر اپنی صفوں کو بحال کر لیا۔

بائیں بازو پر اثرات

ایرانیوں کا مسلمانوں کے بائیں بازو پر حملہ بھی بڑا شدید تھا۔ اس بازو کے کانڈر جناب شرجیل^{رض} تھے لیکن ایرانیوں

کے حملہ کا زور اس دستہ پر پڑا جس کی کمانڈ عمرو بن معدیکرب کے ہاتھ تھی۔ یہ ترنوالہ نہ تھے جیسے ایرانی دستہ آگے بڑھے جناب عمرو نے مولیٰ گاجر کی طرح ان کو کاٹ کے رکھ دیا اور اس کے دستہ نے بھی ایرانیوں کو بری طرح مار دی۔ جناب سعد نے حضرت عاصمؓ کو حکم دیا کہ بائیں بازو کی مدد کریں۔ جناب عاصمؓ نے آگے بڑھ کر ہاتھیوں کے ہودوں کے رستے کاٹ دیئے اور یہ ہودے دھڑام سے نیچے گر گئے۔ اب ایرانی لشکر کے لئے تماشہ بن گیا۔ اور وہ اپنے زخموں کو چاٹ رہے تھے۔

چوتھی تکبیر

عصر کی نماز کے وقت تک ایرانی حملوں کی شدت کم ہو چکی تھی اور حضرت سعدؓ نے چوتھی تکبیر کہہ دی۔ مسلمانوں نے تمام محاذ پر بھر پور حملہ کر دیا اور ان کی صفوں میں گھس گئے اور ایک مقام پر ایرانی صفوں میں اتنے آگے بڑھ گئے کہ رستم کو تخت سے اتر کر اپنی حفاظت کے لئے جنگ میں شریک ہونا پڑا۔ مسلمان متحرک دفاع کی طرز کو اپناتے ہوئے یہ حملہ کر رہے تھے لیکن یہ ضروری نہ تھا اور نہ مسلمانوں کو یہ امید تھی کہ اس ایک ہی حملہ سے کچھ فیصلہ کن نتائج نکل آئیں گے۔ یہ ان کی بنیادی جارحانہ کاروائی تھی کہ آگے بڑھ کر دشمن کی صفوں میں کھلبلی مچائی جائے اور دشمن کو سخت جانی نقصان پہنچایا جائے۔ اس کے لئے مسلمانوں نے ایک عجیب و غریب طریق کار اپنایا ہوا تھا اور تلوار زنی اور نیزوں کے زور سے یہ محدود پیش قدمی چھوٹی سطح پر اپنے قسم کی ایک بڑی تیز متحرک کاروائی تھی۔

پہلے دن کی جنگ کا زیادہ زور بجلہ قبیلہ پر پڑا لیکن شہادت زیادہ تر طلحہ قبیلہ کے قبیلہ بنو اسد کو نصیب ہوئی جو بجلہ قبیلہ کی مدد کے لئے گئے تھے اور انہوں نے متحرک ہو کر اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کے بجلہ قبیلہ کی بروقت مدد کی۔ اس لئے جنگ قادیسیہ کا پہلا دن عام طور پر بنو اسد کا دن مانا جاتا ہے۔ گو حضرت عاصمؓ کا قبیلہ تمیم یا قبیلہ بجلہ از خود اور عمروؓ معدیکرب کا قبیلہ کنندہ اور ازو وغیرہ کسی سے کم نہ تھے۔ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہوتی ہے کہ کوئی دن کسی کو نصیب کر دیتا ہے۔ بہر حال پہلے دن کی جنگ میں شام ہونے تک حالات تقریباً وہی تھے جو جنگ کے شروع ہوتے وقت تھے اور کافی اندھیرا ہو جاتے تک بھی لڑائی جاری رہی۔

دوسرا دن

پہلے دن کی جنگ میں اور کامیابیوں کے علاوہ مسلمانوں کے لئے بڑی کامیابی یہ تھی کہ کافی ہاتھیوں کو بھی میدان

جنگ سے زخمی کر کے فرار کرادیا۔ رات کو اطمینان کے ساتھ مسلمانوں نے زخمیوں کی مرہم پٹی کی اور شہدا کو دفن کیا جن کی قبریں اب بھی وہاں موجود ہیں اور ایرانیوں کی بے پناہ تعداد کے باسے میں مسلمان زیادہ فکرمند نہ تھے اور ان کو اپنی فتح کا یقین ہونے لگا اور رستم کی رات بڑی خراب گزری اس کو کچھ ایسے محسوس ہو رہا تھا کہ جناب فاروق اعظمؓ نے اس کے کلیجہ کو چھار دیا۔ دوسرے دن سوچ جب کچھ ادھر آگیا تو پھر مبارزت کا سلسلہ شروع ہوا۔ دونوں طرف سے بہادر لوگ آگے بڑھ رہے تھے اور یہ مقابلہ زوروں پر تھے کہ ایرانی فوج کے ایک حصہ کا کمانڈر جالینوس بھی آگے بڑھا اور مبارزت طلب کی اس کے سامنے طلحہ تھے اور وہ تلوار لے کر آگے بڑھے۔ جالینوس ایرانی فوج میں مانا ہوا بہادر تھا لیکن ظلیعہ کی شمشیر زنی کے سامنے اس کے قدم اکھڑ گئے اور اس نے بھاگ کر اپنی جان بچائی۔ باقی مبارزتوں میں بھی مسلمانوں کا ہتہ بھاری رہا۔ لیکن ایک مبارزت میں ابن قطیبہؒ شہید ہو گئے۔ لیکن شہادت سے پہلے اپنے ہم مقابل ایرانی کمانڈر شہر یار کا سر قلم کر دیا۔

دو معجزے

جنگ کے دوسرے دن دو معجزے بھی رونما ہوئے جس نے مسلمان لشکریوں کو حیران کر دیا۔ پہلا معجزہ جناب قعقاع بن عمرو کی شام سے آدھی اور دوسرا معجزہ ابو محجنؓ نے دکھایا۔ شام سے تقریباً چھ ہزار کے لشکر نے واپس آنا تھا جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ جناب عمرؓ نے شام میں جناب ابو عبیدہؓ کو خط لکھ دیا تھا یہ لشکر دو حصوں میں کھج کر رہا تھا اور جیش المقدم جس کی کمانڈ جناب قعقاعؓ کر رہے تھے وہ اپنے باقی لشکر سے ایک دن کی مسافت پر آگے تھا۔ ان کو جنگ کے باسے میں کچھ علم تھا اور ویسے وہ علاقہ کے چپے چپے سے واقف تھے اور جناب خالدؓ کے ساتھ کاظم سے لے کر مضعج تک جنگوں میں حصہ بھی لیا تھا اور حیرہ میں ان کے نائب کا کام بھی کیا تھا۔ آپ دونوں کو جنگ اجنادین میں اور دمشق کی پہلی فتح تک اپنے ہاتھ بھی دکھانے تھے۔ ان کو قادیسیہ میں داخل ہونے سے پہلے جنگ کی بو آ گئی اور ان کی دور رس نگاہ بھانپ گئی کہ جنگ شروع ہو چکی تھی۔ اس لئے میدان جنگ سے تھوڑا پیچھے انہوں نے اپنے لشکر کو لشکریوں میں بانٹا اور ہر حصہ میں پندرہ بیس مجاہد شامل کئے اور حکم دیا کہ پہلے حصہ کے ساتھ جس طرح نعرہ تکبیر کے ساتھ وہ خود داخل ہوں گے۔ اسی طرح باقی مجاہدین باری باری نعرہ تکبیر کے ساتھ وقفے وقفے کے بعد میدان جنگ میں داخل ہوتے رہیں گے۔

اس کارروائی کے اثرات کو کوئی قلم بیان نہیں کر سکتی۔ جن لوگوں نے میدان جنگ میں وقت گزارا ہے ان کو

معلوم ہے کہ ایک مجاہد کی کمک تمام دنتے کو ہشاش بشاش کر دیتی ہے اور یہ طریق کار مردہ دلوں میں بھی جان ڈال دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آجکل کی جنگ میں بھی سمجھدار کمانڈر کمک یا عارضی طور پر میدان جنگ میں داخل ہونے والوں کو ہدایت دیتے ہیں کہ نعرۂ تکبیر سے میدان جنگ میں داخل ہوں۔ اور اگر واپس جانا ہو تو ایسے آہستہ سے اور چھپ کر نکلو کہ کسی کو معلوم نہ ہو سکے۔ بہر حال قعقاعؓ کی آمد نے میدان جنگ کا نقشہ ہی تبدیل کر کے رکھ دیا۔ لیکن جناب قعقاعؓ کی شخصیت ہی ایسی ہے کہ قعقاعؓ کی آمد کے بعد مورخین نے اپنی قلم کارخ ہی ان کی طرف موڑ دیا۔ اس میں ان کا کوئی قصور نہیں۔ قعقاعؓ بن عمرو اور عاصمؓ بن عمرو کی وجہ سے ان کے قبیلے کا نام بھی تاریخ اسلام میں سنہری الفاظ سے لکھا ہوا ہے اور دنیا میں ایسے ماں باپ بہت ہی کم ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے قعقاعؓ اور عاصمؓ جیسے فرزند عطا کئے۔

جناب قعقاعؓ میدان جنگ میں

جناب قعقاعؓ میدان جنگ میں اپنی پہلی ٹولی کے ساتھ داخل ہوئے اور صفوں سے آگے نکلتے ہوئے مبارزت طلب کی۔ قعقاعؓ اور مسلمانوں کی خوش قسمتی کہ ایرانیوں نے ان کو کوئی "نوارد" اور جنگ کا نابلد جو شیلہ سمجھ لیا۔ اور آگے سے بہمن جاو ذیہ نکلا جو حبر کی جنگ میں مسلمانوں کو نقصان پہنچا چکا تھا۔ کہتے ہیں کہ بہمن بہت زیادہ عمر کا تھا اور نوشیروان عادل کے زمانے سے فوج میں تھا۔ اس نے سمجھا کہ "نا تجربہ کار" نوارد جوان کے ساتھ وہ کوئی داؤ کھیل سکے گا۔ لیکن قعقاعؓ ملک شام میں بہمن اور حبر کی جنگ کے واقعات سے واقف ہو چکے تھے۔ وہ پکار اٹھے۔ خبردار! آج میں جناب ابو عبیدہؓ اور عظیم بدری صحابی سلیطؓ کا بدلہ لئے بغیر نہیں رہ سکتا اور چند لمحوں کے بعد بہمن زمین پر تڑپ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر بریزان ایک محافظ کے ساتھ آگے نکلا کہ شاید بہمن کی عمر کی زیادتی نے اس نوارد کو یہ موقع دیا ہے اور اس کو جانے نہ دیا جائے۔ جناب قعقاعؓ کے ساتھ بھی ایک مجاہد شامل ہو گیا، اور دونوں نے مل کر دونوں ایرانیوں کا صفایا کر دیا۔ ایرانی ششدر رہ گئے۔ لحظہ بھر میں ان کے دو حیرت نیل زمین پر تڑپ رہے تھے۔ اور مسلمانوں نے اس خوشی میں ایک بھر پور حملہ بھی کر دیا۔ لیکن ایرانیوں کی تعداد ان کے آڑے آئی اور وہ بہادری کے ساتھ لڑے بھی۔ مسلمانوں کو کچھ زیادہ کامیابی نہ ہوئی۔ اور مسلمان حملہ روک کر کچھ سستانے لگے۔

لیکن جناب قحطاع کو آرام نہیں آ رہا تھا۔ انہوں نے سپہ سالار کو جا کر سلام کیا۔ اپنے ساتھیوں کو اپنے بھائی جناب عاصم کے لشکر کا ایک حصہ بنانے کی اجازت چاہی۔ اور خود سپہ سالار کی اجازت سے ایک داؤ تیار کیا۔ ایک اونٹ پر ایک بہت بڑی تھول ڈالی اور ساتھ کچھ ایسی لکڑیاں باندھیں کہ اونٹ، ہاتھی سے بھی زیادہ خطرناک جانور نظر آنے لگا۔ ایرانی فوجیوں پر تو اس جھلاوے کا اثر نہ ہوا لیکن یہ جھلارا اور داؤ اس لحاظ سے بڑا کامیاب رہا کہ ایرانی لشکر کے گھوڑے اس کو دیکھ کر بدک گئے۔ سورج غروب ہونے سے پہلے مسلمانوں نے ایرانیوں پر ایک اور زوردار حملہ کیا جس سے ایرانیوں کی صفوں میں شگاف پڑ گئے۔ بلکہ جناب قحطاع اپنے قبیلہ بنو تمیم کے چند مجاہدوں کو لیکر رستم کے قریب پہنچ گئے اور رستم کو ایک بار پھر تخت سے اتارنا پڑا۔ لیکن سورج غروب ہونے والا تھا اور رستم دوسری دفعہ بچ نکلا۔

ابو محجن

دوسرے دن کی جنگ ختم ہونے سے پہلے البتہ مسلمان مجاہدین دوسرے معجزے سے خوب لطف اندوز ہوئے۔ اسلامی لشکر میں ایک شاعر تھے، جنہوں نے شراب کی تعریف میں کوئی شعر کہہ دیا۔ ان کا نام ابو محجن تھا۔ وہ اس مکان میں بیڑیاں پہنے قید تھے جہاں جناب سعد کی زوجہ سلمیٰ بھی تھیں۔ جنگ میں شرکت نہ کرنے کی وجہ سے بار بار آپس بھرتے تھے۔ جناب سلمیٰ سے نہ رہا گیا۔ اور پوچھا کہ انوس کس بات کا کر رہے ہو۔ تو ابو محجن نے عرض کی کہ آپ اگر میری بیڑیاں کھول دیں تو یہ آپس ختم ہو جائیں گی۔ مجھے بھی تلوار چلا کر جو سرور آئے گا، تو ندامت میں کچھ کمی آجائے گی۔ جناب سلمیٰ کو ترس آ گیا اور انہوں نے ابو محجن کو وعدہ پر آزاد کر دیا۔ آپ نے سپہ سالار کا گھوڑا لیا اور اس پر سوار ہو کر دشمن کی صفوں پر اتنے حملے کئے جن کی تعداد ہی بے شمار تھی۔ ادھر سے ادھر دشمن کی صفوں کو تہس نہس کر رہے تھے۔ اور جو آگے آتا تھا اس کو ڈھیر کر جاتے تھے۔ مسلمان حیران تھے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ گھوڑا، سپہ سالار کا تھا۔ ان کو خیال ہوا کہ سپہ سالار ان کے حملوں سے ناخوش ہیں اور بیماری کے باوجود جنگ میں شریک ہو گئے ہیں اور دشمن کو ہاتھ دکھا رہے ہیں۔ اس ندامت سے مسلمان مجاہدین نے بھی دشمن پر بھرپور حملے کر کے دشمن کی صفوں میں کھلبلی مچادی۔ کچھ لوگوں نے سمجھا کہ شام

سے ہاشم پہنچ گئے ہیں۔ جناب ابو محجن جب تھک گئے اور ان کی تلوار کی دھار کچھ کند ہوئی، تو واپس آگئے اور پاؤں میں بیڑیاں پہن کر پھر اپنے آپ کو تید کر لیا۔

جناب سعدؓ کو جب حالات کا پتہ چلا تو ان کو بلا کر کہا کہ "تمہاری اس بہادری کے بعد تمہاری سزا کو قائم رکھنے سے ان کو بڑی ندامت آرہی ہے۔" تو ابو محجن نے عرض کی "اے سالار مجھے بھی وہ شعر کہنے سے بڑی ندامت آرہی ہے۔ اللہ کی قسم آج سے شراب کی تعریف سے توبہ کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ پچھلے گناہ معاف فرمائے۔"

جناب فاروقِ اعظمؓ کی طرف سے انعامات

دوسرے دن کی جنگ تھمنے ہی وال تھی کہ خلیفہ دوم کا قاصد پہنچ گیا۔ اس کے پاس چار تلواریں اور چار گھوڑے تھے اور حکم تھا کہ جو لوگ بہتر طور پر ان چیزوں کا حق ادا کرے تھے ان کو یہ انعامات دیئے جائیں جناب سعدؓ کے لئے فیصلہ مشکل تھا اور اس کا اعلان بھی ضرور کیا ہوگا۔ بہر حال تلواریں جناب عاصمؓ بن عمر، طلحہؓ، جمالؓ اور اشعث بن قیس کو عطا ہوئیں اور گھوڑے جناب قعقاعؓ اور بنو میتم کے تین سواروں کو جو ان کے ساتھ شام سے آئے تھے۔ پہلا دن اگر بنو امیہ کا تھا تو ان کے کانڈر طلحہؓ کو تلوار پیش کی گئی۔ دوسرا دن واقعی بنو میتم کا تھا۔ دو بھائی اور تین سوار انعامات حاصل کر گئے۔

جنگ کا تیسرا دن

تیسرے دن مسلمان مجاہدین فتح کے لئے بڑے پُر امید تھے کہ ہاتھی جو پہلے دن میدان جنگ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے وہ دوسرے دن بھی میدان جنگ میں نظر نہ آئے لیکن تیسرے دن ہاتھی پھر میدان جنگ میں آکر موجود ہو گئے۔ ان کی مرہم پٹی کر دی گئی اور نیا طریقہ یہ نکالا کہ ایک محافظ دستہ مقرر کیا جو ہاتھیوں کے گرد رہتا تھا۔ ہاتھی جب آگے حرکت کرتے تو بھی یہ دستہ ساتھ ہالہ بنا کر آگے پیچھے ہوتا۔ مقصد یہ تھا کہ کوئی نزدیک سے ہاتھیوں کو زخمی نہ کرے یا ہودوں کے رے نہ کاٹ دے۔ یہ دیکھ کر مسلمان کچھ فکر مند ضرور ہوتے۔ لیکن جناب قعقاعؓ نے ان کی دلجوئی کے لئے سامان پیدا کر دیا۔ انہوں نے بنو میتم کے کچھ لوگوں کو رات کے وقت لشکر کے پیچھے بھیج دیا اور حکم دیا کہ صبح کے وقت سے وہ میدان جنگ میں بالکل اسی طرح داخل ہوتے رہیں جس طرح نئی لنگ کے طور پر کل کے دن وہ خود داخل ہوئے تھے۔

ساتھ ہی ہاشم بن عقبہ کو پیغام بھیجا کہ جنگ شروع ہے اور وہ بھی میدان جنگ میں اسی ترتیب سے داخل ہو جس طرح قعقاعؓ داخل ہوئے تھے۔ ہاشمؓ بھی باخبر ہو چکے تھے اور یہ طریقہ اپنانے سے سارا دن مسلمانوں کو کمک کے طور پر ٹولیاں پہنچتی رہیں۔

مورخین کا اختلاف

شام سے مکہ کی نفری کے سلسلہ میں اختلاف ہے اور کچھ مورخین یہ تعداد صرف بارہ سوتاتے ہیں۔ طبری نے بھی یہ تعداد کم ہی بتائی۔ لیکن پہلے مورخین یعنی ابن اسحاق وغیرہ کے لحاظ سے مکہ پانچ یا چھ ہزار تھی۔ اور اس تعداد کو اکثر بعد کے مورخین نے صحیح مانا۔ اور ہم بھی اس کے ساتھ اتفاق کرتے ہیں کہ اتنی دور سے مکہ جب آئے تو تعداد کافی ہونا چاہیے تھی۔

رستم کی ڈھارس

جنگ کے تیسرے دن رستم کو کچھ ڈھارس بندھ رہی تھی ہاتھی میدان جنگ میں ٹھہر گئے تھے اور رستم پہلا ایرانی سپہ سالار تھا کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں اتنے دن ٹھہر گیا تھا۔ ایرانی فوج میں بھی کچھ بھروسہ پیدا ہونے لگا کہ مسلمانوں کے اتنے سخت حملوں کو وہ برداشت کر گئے تھے۔ ان کا رسالہ جو اونٹوں سے کچھ ڈر گیا تھا۔ اس کے ساتھ انہوں نے کوئی طریقہ ضرور کیا کہ اونٹوں پر جھول ڈال کر اپنے گھوڑوں کا ڈر اس "بھلاوے" کے لئے ختم کر دیا کہ جنگ کے تیسرے دن ان بناوٹی "بھلاوے" کا گھوڑوں پر کوئی اثر نہ ہو رہا تھا اور ایرانی رسالہ نے پیش قدمی کر کے درمیان سے مسلمانوں کی صفوں کو اس طرح تتر بتر کر دیا کہ ان کے چند شاہسوار جناب سعدؓ کے نزدیک بھی پہنچ گئے لیکن مسلمان مجاہدوں نے ان کو مار بھگا دیا۔ جناب سعدؓ نے چند مسلم ایرانی افسروں کے ساتھ مشورہ کیا کہ ہاتھی کی گز درجگہ کون ہے تو معلوم ہوا کہ آنکھ اور سونڈ۔ چنانچہ سعدؓ نے چند بہادر مسلمانوں کو بلا کر یا پیغام کے ذریعے کہلا بھیجا کہ وہ ہاتھیوں کے سونڈ کاٹ کر یا ان کو اندھا کر کے میدان جنگ سے بھگانے کا بندوبست کریں۔ مسلمان مجاہدین تیار ہو گئے اور اس کی بسم اللہ جناب عاصمؓ اور قعقاعؓ دونوں بھائیوں نے مل کر کی۔ ان کے سامنے بڑا سفید ہاتھی تھا۔ انہوں نے ایک لخت حملہ کر کے ہاتھی کو اندھا بھی کر دیا اور اس کی سونڈ بھی کاٹ دی۔ اب ہاتھی بے ہتھیار ہو گیا۔ صرف پاؤں تلے روندنے کا کام کر سکتا تھا لیکن اندھا تھا۔ اپنے پرلے کی تیز نہ تھی۔ اپنے اوپر سے ہودوں اور سواروں کو گرا

دیا اور بے مہار میدان جنگ میں بھاگنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر جمال اور اس کے دستے نے اپنے سامنے دلے اور عمر بن معدیکرب اور اس کے دستے نے اپنے سامنے دلے ہاتھیوں کا یہی حال کیا۔ اب میدان جنگ میں ایک تاشابن چکا تھا۔ ہاتھی شتر بے مہار ہو گئے اور اپنے ہودوں کو اپنی فوج کے اوپر گرایا اور اپنی ہی فوج کو روند ڈالا۔ ہاتھیوں کے میدان جنگ خالی کر دینے کے بعد مسلمانوں نے ایرانیوں پر ایک بھر پور حملہ کیا لیکن کچھ زیادہ کامیابی نہ ہوئی۔

جنگ کی آخری رات لیلیٰ الہریہ

قادسیہ کی جنگ کے ہر دن اور رات کے الگ الگ نام ہیں۔ پہلے دن کو یوم ارمات کہتے ہیں کہ کچھ بد نظمی رہی۔ دوسرے دن کو یوم اغوات کہتے ہیں کہ کچھ راحت ملی کہ شام سے مکہ پہنچ گئی تھی۔ تیسرے دن کو یوم عباس کہتے ہیں کہ بڑی خوزیز جنگ ہوئی اور بہت سخت کام کرنا پڑا بلکہ رات کو بھی جنگ جاری رہی اور ایک دوسرے کے ساتھ بہت زور سے بات نہ کرتے تھے بلکہ آہستہ گفتگو کرتے تھے۔ اس لئے اس کا نام لیلیٰ الہریہ پڑ گیا۔ سورج کے غروب ہونے کے بعد جنگ کی شدت میں ضرور کمی آگئی لیکن چاندنی رات تھی اور جنگ ختم نہ ہوئی۔ میدان جنگ یا اپنے لشکروں پر پے سالاروں کا زیادہ کنٹرول نہ تھا اور یہ سب کچھ مسلمانوں کو چھوٹے دستوں کے جوش جہاد کی وجہ سے تھا کہ وہ اپنے امیروں کے تحت رات کو بھی حملہ پر حملہ کر رہے تھے۔ جناب سعدؓ کو صرف یہ خبر ملتی تھی کہ اب فلاں قبیلہ یا فلاں امیر یا فلاں دستہ آگے جا کر حملہ کر رہا ہے اور جناب سعدؓ اوپر ہاتھ اٹھا کر ان مجاہدین کے لئے اللہ کی رحمت اور فتح مندی کی دعائیں مانگتے تھے۔ مورخین نے اس سلسلہ میں تقریباً سب قبائل کا ذکر کیا ہے لیکن ابراہیم زیادہ شہرت جناب تعقاعؓ، عمرو بن معدیکربؓ، طلحہؓ، اشعث بن قیسؓ، قیس بن ابی یعوثؓ اور قیس بن بصرہ کو حاصل ہوئی۔ قیس بن ابی یعوثؓ جنگ میں نو وارد تھے وہ شام کے محاذ پر جنگ لڑنے گئے اور جنگ لڑے بغیر عراق کی فوج کی کمک کے لئے جناب ہاشمؓ بن عتبہ کے ساتھ جنگ کے تیسرے دن پہنچے اور اسی رات کو شہرت حاصل کر لی۔

چوتھا دن

چوتھے دن جب قادسیہ کی آفت پر سورج نمودار ہونے سے پہلے روشنی ہوئی تو طرفین ایک لمحہ کے لئے رک گئے کہ

رات کی کارروائی کے بعد وہ کہاں تھے۔ یہ قدرتی امر ہے۔ میدان جنگ کے دن اور رات میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ رات کیسے گزری وہ رٹے رٹے یا جیسے بھی ہو گزر جاتی ہے۔ لیکن رات کے کئی نتیجے صبح روشنی میں ظاہر ہوتے ہیں۔ ان میں سے کچھ کے بارے میں پہلے سے سمجھ ہوتی ہیں۔ اور کچھ آدمی کو حیران کر دیتے ہیں اور ایرانیوں کے ساتھ ہی ہوا۔ مسلمان چونکہ تھے اور وہ رات کے جلوں سے بہت کچھ حاصل کر چکے تھے۔ ایرانی تھک کر چور ہو چکے تھے اور مسلمانوں کا سپہ سالار جانتا تھا کہ مسلمان اور سختی برداشت کر لیں گے۔ اس لئے اس نے رات کے عطیات اور ثمرات کا فائدہ اٹھانے کے لئے یلغار کا حکم دے دیا کہ اشارہ پر یہ کام ہوگا۔

رستم حیران تھا کہ اس کا لشکر رات کیسے خیریت میں گزار گیا۔ اس لئے اس نے کچھ مشکاف پڑ تو کئے لیکن اس نے سمجھا کہ مسلمان بھی تھک چکے ہوں گے اور جلدی کسی حملہ کی اس کو امید نہ تھی۔ یہ اس کی بڑی غلطی تھی بلکہ سب ایرانی امرا سستی کر رہے تھے کہ مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر کے تحت پورے معاذیر یلغار کر دی۔ قعقاع اپنے دستے کے ساتھ رستم کے نزدیک پہنچ گئے۔ رستم نے ہاتھیوں کی طرح بھاگ کر دریا میں پناہ لینا چاہی لیکن ہلال نامی ایک شخص نے رستم کو پہچان لیا اور اس کی ٹانگ پر دھک مار کر اس کو باہر کھینچا اور پھر اس کا سر قلم کر دیا۔ اس کے بعد رستم کے تخت پر آ کر کھڑا ہو گیا اور اعلان کر دیا کہ رستم کو اس نے قتل کر دیا ہے۔ یہ سن کر مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے اور ایرانیوں نے بھاگنا شروع کر دیا۔

ایرانی جنرل جالینوس نے وہ کرنا چاہا جو حضرت ثنیٰ نے ایسے حالات میں جس کی جنگ میں کیا تھا۔ لیکن وہاں مسلمان ربط و ضبط کے ساتھ دریا کی دوسری طرف ایک دفاعی لائن بنا ہے تھے اور یہاں ایرانی شہزادے مہار کی طرح تتر بتر ہو رہے تھے۔ اس لئے جالینوس کی کوشش زیادہ کامیاب نہ ہو رہی تھی۔ گو جالینوس اور اس کے ساتھی بہادری سے لڑے اور ریمز گارڈ کا اچھا کام کیا لیکن جلدی سے حضرت زہرہ نے اس کا کام بھی تمام کر دیا۔ اب ایرانی بے ترتیبی سے بھاگ رہے تھے۔ اپنی فوج سے ان کی مدد صرف وہ لوگ مجبوراً کر رہے تھے جو پابہ زنجیر تھے۔ پندرہ ہزار ایرانی زنجیروں کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنی زنجیریں کاٹنا شروع کر دیں کیونکہ مسلمان ان کو تہ تیغ کر رہے تھے۔ اس سارے خونی ڈرامے میں جو دیر لگ رہی تھی۔ اس لئے ایرانی امراء اور رسالہ والوں کو جو اونچے درجہ کے سپاہی ہوتے تھے، ان کو بھاگنے کا کچھ موقع مل گیا۔

وہ قارئین کو شاید عجیب معلوم ہو گا کہ ہلال کو باقی مجاہدین کی طرح کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔ یہ بد قسمت انسان غلیفہ سوم اور چہارم کے عہدوں میں شہر پسندوں میں شامل ہو گیا تھا۔ شاید رستم کو قتل کرنے میں تکبر کیا اور ذاتی تفاخر پیدا ہوا۔ عبرت کا مقام ہے اللہ تعالیٰ سے ہر وقت اپنے نیک خاتمہ کی دعا کرنا چاہیے۔

ایرانی بھاگنے والوں کا پھر بچا جناب تعقاع، شرجیل اور زہرہ نے کیا اور بڑی دور دور تک ان کو پکڑتے مارتے گئے۔ یہ تعاقب اتنا لمبا تھا کہ کئی تعاقب کرنے والے دوسرے دن واپس قادیسیہ پہنچے جب کہ مسلمانوں کے بچے اور عورتیں بھی میدان جنگ میں پہنچ چکے تھے اور زخمیوں کی مرہم پٹی میں مصروف تھے۔ شاید ہی کوئی ایسا مجاہد ہو جو زنی نہ ہوا ہو۔ مسلمان شہداء کی تعداد بھی تقریباً پانچ اور چھ ہزار کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے۔ آج تک کسی جگہ میں اتنے مسلمانوں نے شہادت نہ پائی تھی۔ البتہ دشمن کا نقصان پانچ گنا زیادہ تھا۔ شاید زیادہ مرے ہوں کیونکہ پندرہ ہزار تودہ تھے جو ”پاہ زنجیر“ تھے۔ لفظ ”پاہ زنجیر“ یہ غلط فہمی پیدا کر سکتا ہے کہ ان کے پاؤں زنجیر سے بندھے ہوئے تھے۔ نہیں بات یہ نہ تھی۔ وہ کمز سے ایک دوسرے کے ساتھ زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے۔ لفظ ”پاہ زنجیر“ ہماری اپنی جدت ہے۔ کہ ان مبصروں سے اتفاق نہیں ہے جو اس طریق کار کو بہادری سمجھتے ہیں۔ چونکہ وہ زیادہ متحرک نہ تھے اور اس سے ان کی حربی خوبی محدود ہو کر رہ گئی تو لفظ ”پاہ زنجیر“ استعمال کر دیا گیا)

فتح کی خوشخبری

حضرت سعدؓ نے مال غنیمت کو اسلامی طریقہ کے مطابق فوج میں تقسیم کر دیا اور پانچواں حصہ مدینہ شریف بھیجا لیکن اس سے پہلے ایک تیز رفتار قاصد کو فتح کی خوشخبری کے لئے مدینہ بھیجا۔ یہ قاصد بنو فزارہ کے سعد بن علیہ تھے۔ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کو نہ جانتے تھے۔ ابھی یہ قاصد مدینہ سے چند میل کے فاصلہ پر تھے تو امیر المؤمنین سے ملاقات ہو گئی کیونکہ حضرت عمرؓ ہر روز فتح کی خوشخبری سننے کے لئے مدینہ سے چند میل باہر آجاتے تھے۔ شتر سوار کو امیر المؤمنین نے پہچان تو لیا کہ قاصد ہے اور اس سے ایران کے حالات پوچھے جس نے قادیسیہ کی خوشخبری سنائی۔ آپ نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ آپ اس اونٹنی سوار کے ساتھ ساتھ شہر کی طرف دوڑتے رہے اور اس سے فتح کی باتیں سنتے رہے۔ قاصد بھی تیزی میں تھا وہ باتیں سناتا رہا اور حضرت عمرؓ دعائیں دیتے اور کہتے ”اے اللہ کے بندے اور سادہ اور سادہ“ اور خوشی سے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اور اسی حالت میں مدینہ پہنچے۔

اسباق

جنگ قادیسیہ سے مندرجہ ذیل سبق حاصل ہوتے ہیں :

- ا۔ ترجیحات پہلے مقرر کر دی جائیں اور ان پر قائم رہا جائے۔
- ب۔ اپنی جینی ہوئی زمین پر دشمن کو جنگ کے لئے مجبور کیا جائے۔
- ج۔ اسلامی فلسفہ حیات کی جنگ میں بنیادی حیثیت حاصل ہے کہ ہر وقت اس پر عمل کیا جائے۔
- د۔ لڑائی کی نبض شناسی اور بروقت کارروائی اہم ضروریات ہیں۔
- ر۔ دلولہ اور جذبہ کی بے حد ضرورت ہے۔
- س۔ بہادروں کو بروقت انعامات اور عطیات ضرور دیئے جائیں۔
- ھ۔ دشمن کا تعاقب ضرور کیا جائے۔
- ض۔ نتائج کے اثرات یا اثرات سے فائدہ اٹھایا جائے۔
- جنگ قادسیہ، دنیا کی ایک فیصلہ کن جنگ مانی جاتی ہے، جس نے ایران کے دروازے اسلام کے لئے کھول دیئے۔ لیکن مسلمانوں نے فوراً تعاقب نہ کیا، صرف محدود تعاقب کیا۔ کہ مدائن پر قبضہ کرنے کا وقت نہ آیا تھا کہ اب دو سکر محاذ یعنی شام میں بھر پور جنگ ہونا تھی، جس کو جنگ یرموک کہتے ہیں۔ اور اس کا ذکر دوسری کتاب میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پورے نو ماہ بعد یعنی شعبان پندرہ ہجری میں مدائن کی طرف پیش قدمی کی گئی۔

تیسواں باب

مدائن پر قبضہ

حضرت سعدؓ نے اپنے لشکر کو پانچ حصوں میں بانٹ دیا اور اس طرح آپ نے شعبان کے مہینہ میں مدائن کی طرف کوچ کا حکم دے دیا۔ نقشہ یازدہم حالات کو اور واضح کرے گا۔ ساری کاروائی جناب زہرہ بن الحویہ کے عیش المقدم لے کی۔ باقی لشکر کے چار حصوں میں سے دو کانڈر تو قادیسیہ والے پرانے کانڈر جناب عبداللہؓ اور شرجیلؓ تھے اور دونے کانڈروں میں قادیسیہ کے نائب سالار جناب خالد بن عرفطہ اور شام سے کمک والی فوج کے کانڈر اور جناب سعدؓ کے بھتیجے ہاشم بن عتبہؓ تھے۔ جناب سعدؓ کا سارا لشکر کوئی بیس یا پچیس ہزار رہ گیا تھا۔ کچھ دستے حیرہ کے گرد و نواح میں بھی چھوڑ دیئے گئے تھے۔

ایرانیوں کا طریق کار

رستم کے شکست سے پہلے ہی یزدجرد جنرل خیرجان کو ملک کے طور پر بھیج چکا تھا۔ یہ یزدجرد کے دادا خسرو پرویز کے ساتھ بھی کام کر چکا تھا۔ آگے جنگ نہادند کے بعد اس کے خزانہ کے سلسلہ میں کچھ دلچسپ قصے بھی سامنے آئیں گے۔ راستے میں اسے قادیسیہ کی جنگ کے بھگوڑے مل گئے اور اسے حالات سے باخبر کیا۔ اس نے تمام بھگوڑوں کو روک کر بابل کے مقام پر ایک دفاعی پوزیشن تیار کی اور کچھ دستوں کو بابل سے آگے برس کے مقام پر بھی متعین کیا۔ اسی دوران یزدجرد کو رستم کی تباہی و بربادی کی خبر مل گئی تو اس نے رستم کے رقیب اور حریف فیروزان کو بلا کر سپہ سالار اعظم مقرر کر دیا اور حکم دیا کہ مسلمانوں کی کسی متوقع پیش قدمی کو روکا جائے۔

فیروزان نے آگے بڑھ کر جگہ جگہ لشکر مقرر کئے۔ یہ سب کچھ ایک جنگ کی بجائے ایک جنگی مشق نظر آتی تھی۔ جیسے ہم ایڈوانس ٹیکنیکٹ کی کوئی جنگی مشق پریگنڈیا ڈویژن کی سطح پر تیار کریں۔ جو خواہ پوری فوج کے ساتھ ہو یا سگنل ایکسٹریکٹ ہو۔ ہاں اگر کسی جگہ ایپائر اور کنٹرول سٹاف سخت ہو تو وہ الگ بات ہے کہ وہ "پیش قدمی" کو کچھ کنٹرول کریں۔ جنگ میں ایسا تماشہ دوسری جنگ عظیم میں پہلے ۱۹۴۰ء میں ہوا جب فرانس کی میینٹ لائن ٹوٹی تو جرمن فوجوں نے ہیرس کی طرف اس طرح پیش قدمی کی یا ۱۹۴۳ء میں اتحادیوں نے جب یورپ میں جزیرہ یانا شیررگ میں دوسرا محاذ کھولا

۱۔ نقشہ یازدہم سے استفادہ کریں۔

اور وہاں پر دو تین ماہ کی سخت لڑائی کے بعد جب جرمنوں کے دفاع میں شگاف پڑا تو اتحادی فوجیں پیرس کی طرف اسی طرح روانہ ہوئیں۔

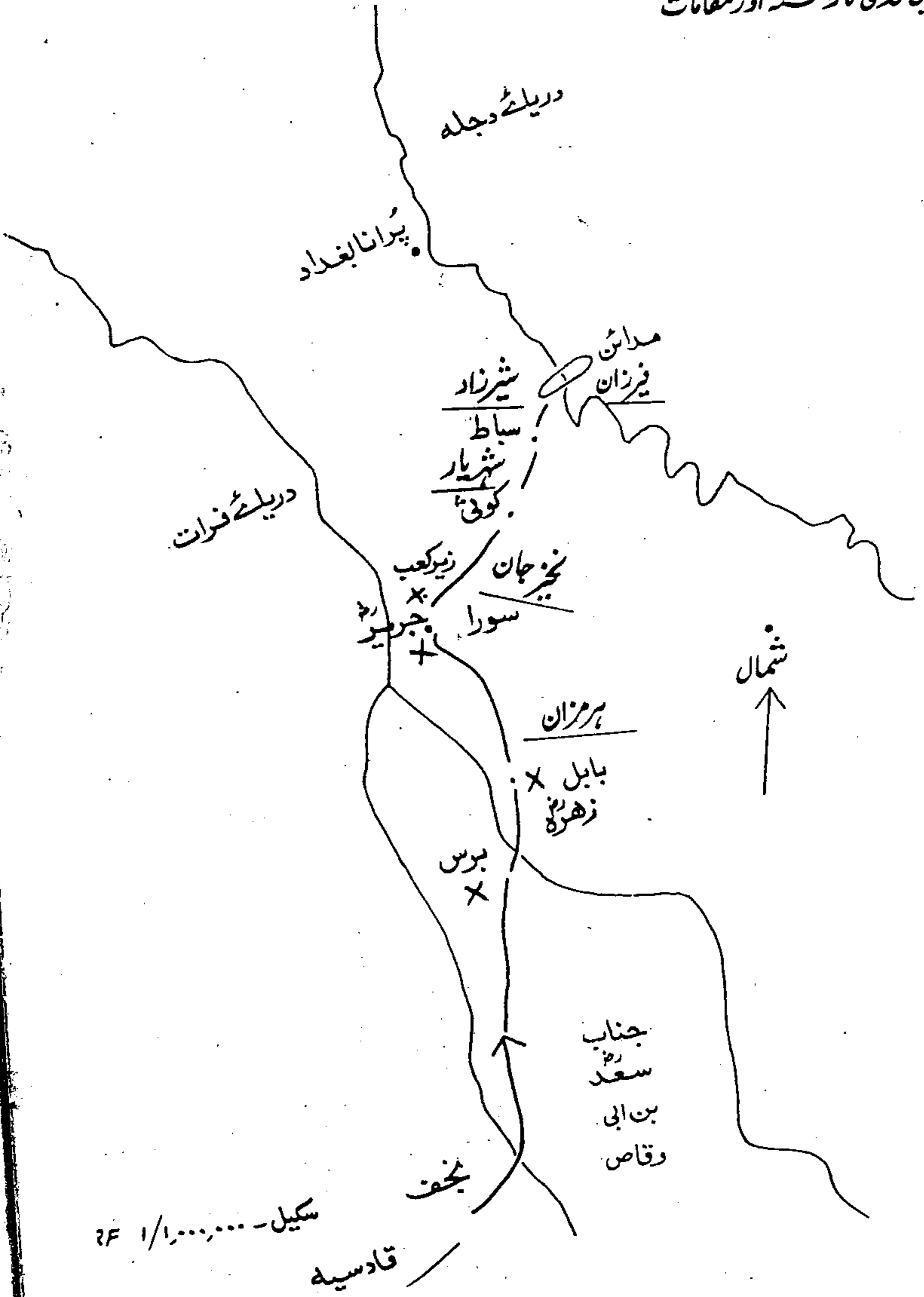
جھڑپیں

مسلمانوں اور ایرانیوں میں پہلی جھڑپ برس کے مقام پر ہوئی۔ ایرانی کمانڈر مبارزت طلب کر کے حضرت زہرہؓ کے مقابلے میں آیا اور زخمی ہونے کے بعد اس نے بھاگ کر بابل میں پناہ لی۔ اس کے بعد برس کے سولہ ماہوں نے مسلمانوں کی باجگذاری اختیار کی اور چند دن بعد مسلمانوں کے باقی چار لشکر بھی وہاں پہنچ گئے۔ اسکے بعد فیروزان نے بابل کے مقام پر مسلمانوں کو روکنے کی کوشش کی اور کچھ روزیں نے اسکو بابل کی دوسری جنگ کا نام بھی دیدیا ہے لیکن ہمارا جائزہ یہ ہے کہ تعاقب ہوا تھا اور ایک جھڑپ تھی کہ صرف جناب زہرہؓ کے لشکر کے ساتھ دو دو ہاتھ ہوئے تھے اور جلد ہی ایرانی کمانڈر مدائن کی طرف بھاگنے کی بجائے اہواز اور خوزستان کی طرف بھاگ گیا۔ یہ قادیسیہ کا بھگڑا جنرل ہرمزان تھا اور اس کے ساتھ اب ہمیں اکثر واسطہ پڑتا رہے گا۔ البتہ ایرانی لشکر کا کچھ حصہ کوئی کی طرف بھاگ گیا۔

کوئی سے آگے سورا اور ذیرکعب کے مقام پر بھی فیروزان نے کچھ دستے تعین کئے ہوئے تھے۔ سورا کے مقام پر بالکل معمولی جھڑپ ہوئی اور ایرانی بھاگ گئے۔ البتہ ذیرکعب کے مقام پر نجیرجان جو ایک مضبوط پوزیشن اختیار کئے ہوئے تھا۔ وہ خود تو پہلی مبارزت میں ہلاک ہو گیا۔ گونجیرجان اور اس کے خزانہ اور خوبصورت بیوی کی کہانی ابھی باقی ہے لیکن اس کے لشکر نے سخت مقابلہ کیا۔ جناب زہرہؓ کے حکم پر عظیم صحابی جناب جریرؓ نے ایک دستہ کے ساتھ بائیں بازو سے آگے بڑھ کر ایرانی پوزیشن کو اکھیر دیا اور اس کے بعد تمام ایرانی کوئی کی طرف بھاگ گئے۔

فیروزان کا تجزیہ

فیروزان فرار ہونے کی کارروائی میں حق بجانب تھا وہ اپنی شکست خوردہ فوج سے کافی کام لے رہا تھا کہ اس کو مدائن کا دفاع مضبوط کر لیا وقت مل رہا تھا۔ وہ پُر امید تھا کہ دریا کی وجہ سے مدائن کا قلعہ بند دفاع بڑا مضبوط تھا اور چند سال پہلے اہل روم کی افواج مدائن تک پہنچ گئی تھیں۔ لیکن مدائن کے دفاع میں شگاف نہ کر سکی تھیں اور پھر مسلمانوں کے پاس تو محاصرہ توڑنے والا سامان بھی نہ تھا۔ علاوہ ازیں مسلمان تیراک بھی نہ تھے اور دریائی جنگ یا کشتیوں کے استعمال سے بھی نابلد تھے۔ اس لئے مسلمانوں کو اتنی دیر روک لینے سے وہ مدائن کے دفاع کو کافی مضبوط کر چکا تھا اور پھر کچھ سر پھرے فوجیوں کو باقی مقامات پر چھوڑ کر خود مدائن پہنچ گیا جہاں پر اپنی تمام تر توجہ مدائن کے



سکیل - ۱/۱۰۰۰۰۰ ۲۴

قادسیہ

دفاع پر دینی شروع کر دی۔

ایک ایسا ہی سر پھرا شہریار تھا جس کو خیال تھا کہ مبارزت میں اس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا اور وہ کوئی کے دفاع کا ذمہ دار تھا اور جیسے ہی اسلامی لشکر وہاں پہنچا تو بڑے ہتک آمیز لہجہ میں مبارزت طلب کی کہنے لگا کہ وہ عام آدمی کے ساتھ مبارزت نہیں کرتا اگر لشکر میں کوئی سردار موجود ہے تو آگے آئے۔ عام طور پر مبارزت کے لئے جناب زہرہ خود جاتے تھے لیکن یہ بات ان کو پسند نہ آئی اور فرمایا کہ ہمارے ہاں سب سردار ہیں اور جناب نائل بن جو شتم کو آگے بھیجا کہ یہ ہمارے سردار ہیں۔ یہ مقابلہ بڑا دلچسپ رہا اور ایک وقت آیا کہ کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ کون بہتر وار کر رہا ہے اور آخر میں دونوں گتھم گتھا بھی ہو گئے۔ لیکن اللہ کے فضل سے جناب نائل نے شہریار کو چاروں شانے چت گرایا اور اپنی تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد ایرانی فوج ہاں سے بھاگ گئی اور کوئی پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ کوئی وہ جگہ ہے جہاں کسی زمانے میں نمرود نے حضرت ابراہیمؑ کو قید رکھا تھا۔ مسلمان لشکریوں نے بڑی عقیدت کے ساتھ ان مقامات کی زیارت کی اور جناب سعد سمیت اہل لشکر نے وہاں نوافل ادا کئے۔ اور جناب سعد سمیت تمام اہل لشکر نے جناب ابراہیمؑ اور حضور پاکؐ پر درود و سلام بھیجا۔ اور خدا کے فضل سے ہم ہر نماز میں ایسا التھیات میں کرتے ہیں۔

مدائن اور کوئی کے درمیان صرف ایک پڑاؤ کا فاصلہ تھا جس کو ساطر کہتے ہیں۔ یہ جگہ دراصل مدائن کی فوجی چھاؤنی تھی، فیرزان تو مدائن چلا گیا۔ یہاں پر شیرزاد کو چھوڑ گیا تھا۔ یہ شیرزاد وہی تھا جس نے انبا کے مقام پر حضرت خالدؓ کے زمانے میں مسلمانوں کو بڑے قریب سے دیکھا تھا اور جان کی امان طلب کر کے بھاگ گیا تھا۔ اس لئے یہاں پر بھی جلد صلح اور باجگذاری کے لئے تیار ہو گیا اور اس کے بعد اسلامی لشکر مدائن کی طرف بڑھ گیا۔

مدائن

مدائن کو صغین بھی کہتے تھے اور اہل یونان سیٹین کہتے ہیں۔ یہ مقام اہل ایران کا مینجورڈارڈ، میکسلا یا ہٹریہ ہے۔ موجودہ ادبوں اور دانشوروں نے پرانی تہذیب و تمدن کی تمام کہانیوں کو اس شہر کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے اور گو بابل کی تہذیب اس سے پرانی ہے لیکن اس شہر کے ساتھ اہل ایران کا کچھ زیادہ ہی تعلق رہا ہے اور اس کے باسے میں بہت تحقیق ہوئی ہے کہ اس کی بنیاد کب رکھی گئی؟ دروانے کتنے تھے؟ اور سکندر یونانی نے بھی اس کی ایک دیوار بنائی۔ ہلوس نے شہر کا مغربی حصہ بنایا تھا اور پارٹھیوں نے یہ کیا اور نو شیروان نے وہ کیا، وغیرہ۔ لیکن اہل اسلام کو ایسی تاریخوں کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہے۔ یہ سب باطل تہذیبوں کی نشانیاں ہیں۔ ہمیں تو ان

سے عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ وہ سب تہذیب و تمدن مٹ گئے جو غیر اسلامی تھے۔

یہ مدائن دریاے دجلہ کے دونوں کناروں پر آباد ہے۔ مغرب کی طرف سے اسلامی لشکر جب مدائن کے قریب پہنچا تو اس طرف جو شہر آباد تھا اس کے دفاع کے لئے ایرانیوں نے شہر کے آگے ایک خندق کھودی ہوئی تھی۔ مسلمانوں نے حکم دیا کہ منجیقین تیار کی جائیں اور خود شہر کا محاصرہ کر لیا۔ گو مدائن کے لوگوں کو کھانے پینے کی کوئی تکلیف نہ تھی کہ کشتیوں کے ساتھ ان کا دجلہ کے پار دوسرے مدائن کے ساتھ رابطہ تھا لیکن مسلمانوں نے جگہ جگہ منجیقین نصب کر دیں اور دن رات شہر پر پتھر یا آگ وغیرہ برساتی جانی شروع کر دی اور مکمل دو ماہ کے محاصرہ کے بعد ایرانی تنگ آ گئے اور کافی لوگ اس طرف والے مدائن کو چھوڑ کر دریاے دجلہ کے پار والے مدائن میں چلے گئے۔ لیکن دریا کے اس طرف کوئی کشتی نہ چھوڑ گئے۔

مدائن پر قبضہ

بادشاہ یزدجرد دار الحکومت میں موجود تھا۔ یزدجرد مدائن کے دفاع پر کافی زور دے رہا تھا لیکن وہ سمجھ چکا تھا کہ اسلام کا سیلاب آسانی سے نہیں ٹھم سکتا اور جلد اس کو مدائن سے ہاتھ دھونے پڑیں گے اور اس کی سلطنت پارہ پارہ ہونے والی تھی کہ اس کے دادا نے حضور پاک کے خط کو پھاڑ دیا تھا اور حضور پاک نے فرما دیا کہ ایرانی سلطنت اسی طرح پارہ پارہ ہو جائے گی اور وہ وقت آچکا تھا۔ یزدجرد اپنے خزانہ کو خچروں پر لاد کر حلوان اور باقی پہاڑی علاقوں میں منتقل کر رہا تھا۔

اب مسلمانوں کے لئے مسئلہ یہ تھا کہ دریا پر کوئی پل نہ تھا اور تمام کشتیاں دوسری طرف تھیں۔ لیکن دریا کی ایک ایسی جگہ تھی جہاں سے دریا کو پیدل چل کر یا گھوڑوں پر سوار ہو کر پار کیا جاسکتا تھا۔ حضرت سعد نے خواب میں دیکھا کہ وہ دریاے دجلہ کو پار کر رہے ہیں۔ عظیم صحابی حضرت سلمان فارسیؓ بھی انہی دنوں جناب سعدؓ کے پاس مشیر کے طور پر پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کے غلاموں کے لئے خشکی کو مسخر کر دیا ہے۔ اسی طرح دریا بھی مسخر ہیں۔ لہذا سعدؓ کے لشکر نے بحرِ ظلمات میں گھوڑے دوڑا دیئے۔ حبش المقدم کا کام جناب عاصمؓ بن عمرو کر رہے تھے اور ایرانیوں نے جب دریا کی دوسری طرف یہ دیکھا تو ان کی فوج بھی دریا میں کود گئی اور دریا کے بیچ و بیچ لڑائی شروع ہو گئی۔ یہ عجیب و غریب قسم کی لڑائی شاید دنیا میں پہلی بار ہوئی ہوگی۔ بہر حال حضرت عاصمؓ کو اللہ تعالیٰ نے فتح نصیب فرمائی اور ایرانیوں نے بری طرح مار کھائی۔

اسی دوران بادشاہ یزدجرد نے مدائن چھوڑ دیا۔ دراصل وہ تیار بیٹھا تھا۔ جب اس کو مسلمانوں کے دریا میں کود

جانے کی خبر ملی تو اس نے بھاگنے ہی میں خیریت سمجھی۔ ایرانی فوجوں کو جب یہ پتہ چلا تو وہ بھی دل چھوڑ گئے کہ خواہ مخواہ لڑائی کیوں لڑیں۔ اتنے میں مسلمان دستے کچھ دریا کے پار پہنچ گئے تو اس کناٹے سے کشتیاں پکڑ کر مسلمانوں کے لئے دوسری طرف بھجوا دیں اور اسلامی لشکر نے جلدی سے ودیا پار کر لیا اور اسلامی لشکر ایرانی دار الحکومت میں داخل ہو گیا۔

نقاب کرنے والی اسلامی فوج بادشاہ کو تو نہ گرفتار کر سکی لیکن اس کے مال و دولت پر قبضہ کر لیا اور قیمتی سامان سے لدے ہوئے خچر اور سونے کی اشرافیوں سے لدے ہوئے ٹوسب مسلمانوں کے ہتھے پڑھ گئے۔ مال غنیمت اہل لشکر میں بانٹا گیا اور ہر مجاہد کے حصہ میں بے پناہ دولت آئی۔ فخر یعنی پانچواں حصہ اور خاص قسم کی اشیاء کو مدینہ شریف بھیجا گیا جس میں ایک تیس گز لمبا چوڑا قالین بھی تھا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کے مشورہ پر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس کو عظیم صحابہ میں بانٹ دیا۔ اس کے ایک ٹکڑے کی قیمت بھی بے بہا تھی۔

مبصرین کے تبصرے

کچھ مبصروں نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اگر وہ قالین باقی بچتا تو آج وہ کسی میوزیم کی شان ہوتا۔ یہ افسوسناک پہلو ہے۔ اسلام میں میوزیم اور سادی چیزوں کی نمائش کو پسند نہیں کیا گیا۔ لیکن غیروں کی نقالی میں یہی مال و دولت والی چیزیں آگے چل کر ہمارے زوال کا باعث بنیں اور ایسے ہی مال و دولت نے مسلمانوں کو دنیا میں آگے بڑھنے سے روک دیا۔ جہاں دولت ہو وہاں شہرت ہوتی ہے اور اسلام قناعت کا دعوے دار ہے اور زندگی میں میاں نہ روی چاہتا ہے کہیں ہوتا یہ رہا کہ دولت، علم، عقل سب چیزوں کی ریل پیل ہوئی تو ہم زوال بغداد سے نہ بچ سکے۔ دولت نے ہمیں کئی دفعہ آسان زندگی کی طرف مائل کیا اور ہمارے اوپر ذلت کی گھڑیاں مسلط کیں۔ پہلے تو یہ ہوتا تھا کہ کسی جگہ مجاہد کھڑے ہوتے تھے اور اللہ کے نام پر تلوار اٹھا کر عزت بحال کر دیتے ہیں۔ اسلام کے لحاظ سے وہ علم جس میں حضور پاکؐ کا عشق اور عسکریت نہ ہو وہ ایک خالی نیام کی طرح ہے اور دولت کے ساتھ محبت اور موت سے کراہت پیدا کرتا ہے۔ اس فتح کے بعد مسلمانوں نے مدائن میں نماز شکرانہ ادا کی۔

چوبیسواں باب

فتوحات کے اثرات اور جلوہ و تکریت کی لڑائیاں وغیرہ

کسی ملک کے دار الخلافہ پر قبضہ کرنا بڑے دور رس نتائج کا حامل ہوتا ہے۔ دین فطرت کی یہ خاصیت ہے کہ اہل اسلام جہاں گئے وہاں چونکہ ملک فتح کرنے کی بجائے وہ لوگوں کے دلوں کو فتح کرتے تھے، تو اسلام ہر اس جگہ قائم و دائم ہے جہاں قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے جا کر اسلام کے جھنڈے گاڑے۔ چنانچہ مدائن پر قبضہ کرنے کے بعد اہل ایران نے اسلام کی آغوش میں داخل ہونا شروع کر دیا۔ حضرت سلمان فارسیؓ کی تبلیغ کچھ زیادہ ہی پُر اثر تھی۔ اس لئے کئی ایرانی نو مسلم مجاہدوں کی صفوں میں بھی شامل ہو گئے اور مجاہدین اسلام جب باری باری گھروں میں چھٹی جاتے تو تب ہی ہر جگہ لشکرِ اسلام کی تعداد میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔

مسلمان کسی ملک میں جا کر کوئی شاہانہ زندگی بسر کرنے کی طرح نہ ڈالتے تھے بلکہ وہاں کا نظام وہاں ہی کے لوگوں کی مدد سے چلاتے تھے اور فوج کو ضرورت کے مطابق الگ جگہوں پر چھاؤنیوں میں رکھتے جس کا ذکر آگے آئے گا۔ مدائن پر قبضہ کے بعد پہلی ضرورت یہ تھی کہ دار الخلافہ کے گرد و نواح کے علاقہ میں کافی دور دور تک ایرانی مخالفت کا صفایا کیا جائے۔ مدائن پر قبضہ کے بعد میں جلوہ، تکریت اور موصل تھے۔ جہاں پر ایرانی فوج ابھی کافی تھی۔ دوسری طرف وسطی ایران میں ہمدان، قم، نہاوند اور رے وغیرہ کے علاقے تھے۔ جنوب میں ویلیا یا ابواز اور خرمستان کا علاقہ تھا۔

ایران پر مکمل قبضہ کے لئے ان علاقوں میں دشمن کے محلِ سرکوبی کی ضرورت تھی چنانچہ سب سے پہلے شمالی علاقوں کے دشمن کی سرکوبی کی گئی۔ اس کی ضرورت اس لئے تھی کہ ایران اور روم کے حکام مل کر مسلمانوں کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھائیں

۱۱. ان مقامات کے محل وقوع کے لئے پندرہویں نقشے (نقشہ پانزدہم) سے استفادہ کریں۔

۱۲. نقشہ سہ از دہم اور پانزدہم دس نقشہ دوازدهم

جیسا کہ الفرائض کے مقام پر جناب خالدؒ کے خلاف ایرانی اور رومی لشکر متحد ہو گئے تھے اس لئے جناب سعدؓ نے اپنے بھتیجے ہاشمؓ بن عتبہ کے ماتحت بارہ ہزار کا لشکر تیار کیا اور ان کو جلولہ کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔

جلولہ کی جنگ

جلولہ دریائے دجلہ کے کنارے مدائن کے شمال میں واقع ہے۔ ایرانیوں نے جلولہ کے مقام کا بہتر دفاع کیا ہوا تھا۔ شہر سے ایک میل آگے ایک خندق کھودی ہوئی تھی۔ خندق کے ایک طرف دریا تھا اور اسے پانی سے بھریا تھا۔ اس کی دوسری طرف دلدل تھی۔ جگہ جگہ پھندے، کندیاں اور داؤ لگے ہوئے تھے۔ اس لئے جناب ہاشمؓ اس شہر کو جلد فتح نہ کر سکے۔ ایرانی فوج کی کمانڈ مہران کے ہاتھ میں تھی۔ یہ وہی مہران تھا جس نے مسلمانوں کی مدائن میں پیش قدمی روکنے میں بھی کام کیا اور مدائن کے دفاع میں بھی رستم کے بھائی کا ساتھ دیا۔ یزدجرد جلواں سے مہران کو ہر طرح کی کمک بھیج رہا تھا تاکہ مسلمان لشکر جلولہ کا محاصرہ جاری نہ رکھ سکیں۔ یہ جنگ طوالت کے لحاظ سے تمام جنگوں پر سبقت لے گئی اور پورے چھ ماہ مسلمان جلولہ کے ایک طرف صف بند رہے بلکہ ان چھ ماہ میں ایرانیوں نے کئی دفعہ خندق کو پار کر کے مسلمانوں پر حملے بھی کئے جن کی تعداد کئی مہینوں نے سو کے قریب بھی بتائی ہے لیکن یہ زیادتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایرانی سردسے روز ممد کرتے تھے۔ اصل بات یہ تھی کہ اسلامی لشکر میں تجربہ کار امرا کی کمی تھی۔ جناب قعقاعؓ کے بغیر کوئی نامور کمانڈر موجود نہ تھا۔ قیسؓ بن ہبیرہ، طلحہؓ اور عمروؓ بن معدیکرب چھٹی گئے ہوئے تھے اور کافی دیر کے بعد جلولہ پہنچے۔

اور ہمارے لئے یہ تسلیم کرنا مشکل ہے کہ ایرانی اتنے باہمت ہو گئے تھے کہ اس طرح حملے کرتے۔ دراصل مسلمان تازہ چکے تھے کہ ایرانی شہر کو سر کرنا مشکل کام ہے اور جلولہ کی قدرتی اور بناوٹی دفاع کو کچھ اس طرح شیر و شکر کر دیا گیا تھا، کہ اس کو سر کرنے کے لئے بے پناہ دقت کی ضرورت تھی، کہ جلولہ دنیا کے کنارے ایک اہم مقام تھا۔

ویسے حکمت عملی کے لحاظ سے یہ کوئی اہم مقام نہ تھا لیکن وہاں پر اتنی زیادہ ایرانی فوج کو چھوڑ کر آگے تکریت یا ریل کی طرف پیش قدمی نہیں ہو سکتی تھی۔ ان حالات میں مسلمان لشکر والے ایرانیوں کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے کہ وہ باہر نکلیں۔ مسلمانوں نے کئی دفعہ کمزوری کا اظہار بھی کیا۔ مسلمان ایک بڑی "کنڈی" اور داؤ لگا کر ایرانیوں کو پھانسا چاہتے تھے۔ مسلمان اس دن کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے جس دن زیادہ سے زیادہ ایرانی باہر نکل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوں۔

آخر ایرانی اس حوصلہ افزائی کے چکر میں آگئے اور باہر نکل کر پوسے لشکر کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ حضرت ہاشم تیار تھے اور انہوں نے ایرانیوں کے ساتھ وہی کیا جو خالد بن ولید نے ایرانیوں کے ساتھ ولجہ کے مقام پر کر چکے تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ ولجہ کے مقام پر حرکت کی گنجائش تھی اور پیچھے جانے کی کارروائی چھپ کر کی گئی۔ رسالہ کا استعمال کیا اور کارروائی دونوں بازوؤں پر کی گئی۔ یہاں پر چھاتی کے زور سے آگے بڑھ کر صرف ایک بازو پر پیدل دستوں کی مدد سے کارروائی کر کے دشمن کو گھیرے میں لے لیا گیا اور اس کا سہرا جناب تعقاع کے سر ہے۔ سامنے سے جناب ہاشم نے بھر پور حملہ کیا۔ جنگ قادسیہ کے چوتھے دن کی لڑائی کی طرح یہاں پھر اللہ تعالیٰ نے آندھی سے مسلمانوں کی مدد کی کہ ایرانیوں کے سامنے سے آندھی چلنے لگی۔ ایرانی فوج ضرور بہادری سے لڑی اور گھمسان کارن پڑا۔ لیکن ایرانیوں کے پاس سپاہی کے بغیر چارہ نہ تھا اور ایسی سپاہی اب قلعہ کے اندر کر کے بھی کوئی افادیت حاصل نہ ہو سکتی تھی۔ اس لئے انہوں نے میدان جنگ سے بتر بتر ہو جانے کو ترجیح دی اور جو بچ گئے۔ انہوں نے حلوان وغیرہ کی راہ لی۔ بہران بھی فرار ہونے میں کامیاب ہوا۔ طبری نے اس جنگ میں دشمن کا نقصان ایک لاکھ بتایا ہے۔ مسلمانوں کے لشکر کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ دشمن کی تعداد زیادہ سے زیادہ پچیس یا تیس ہزار ہو سکتی ہے۔

اس لئے لاکھ والی بات تو بے شمار کیلئے ہے۔ ممکن سے آدھا دشمن کھیت رہا ہو۔ فوجی اور عسکری نقطہ نظر سے یہ جنگ ہنی بال کی کنائی (CANNAE) کی جنگ سے کافی مشابہت رکھتی ہے۔ اس جنگ سے مسلمانوں کو بے شمار مال غنیمت حاصل ہوا اور دولت کی ریل پیل ہو گئی اور یہی دولت کچھ دنوں کے بعد مسلمانوں کی حرکت میں ٹھہراؤ پیدا کر دے گی لیکن یہ چیز تیسری اور چوتھی کتاب میں آئے گی۔ یہاں صرف اتنا واضح کرنے کی ضرورت ہے کہ دولت حب الدنیا اور کراہت الموت کی بنیاد بنتی ہے اور ہمارے آقاؐ کو یہی فکر تھا۔

۱۔ ہنی بال واحد غیر یورپین جنرل ہے جس کی فوجی بصیرت کو یورپ کے عسکری تاریخ کے مبصروں نے کچھ مقام دیا ہے۔ آپ کا تعلق موجودہ یونین سے تھا اور قبل از مسیح اہل روم کے ساتھ کافی جنگیں لڑیں۔ یورپ والوں کی اس "فراخدی" کے پیچھے اہل روم کے ساتھ ان کی اپنی کورتیں ہیں۔

تکریت اور موصل پر چڑھائی

جلوہ سے شمال کی طرف تکریت اور موصل کے علاقوں میں بھی ایرانی افواج موجود تھیں بلکہ موصل کا ایرانی کمانڈر اب تک کسی اور دنیا میں رہا تھا اور اپنی طاقت پر اُسے کچھ زیادہ ہی بھروسہ تھا کہ اس نے موصل سے نکل کر تکریت پہنچ کر وہاں سے مسلمانوں پر یلغار کرنے کی تجویز بنائی۔ حضرت سعدؓ نے جناب عبداللہؓ بن معتم کو پانچ ہزار کے لشکر کے ساتھ اس کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ اس ایرانی کمانڈر کا نام عتیق تھا اور تکریت سے کچھ عرب قبائل خاص کر بنو تغلب وغیرہ بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ لیکن حالات تبدیل ہو رہے تھے اور جب عرب قبائل کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو انہوں نے خفیہ طور پر مسلمانوں کے ساتھ پیام رسانی شروع کر کے مسلمانوں کی مدد کا وعدہ کر لیا۔ اور اس طرح سے یہ ایرانی کوشش بہت جلد خش و خاشاک ہو گئی اور پوری ایرانی فوج کو گھیرے میں لے کر تہس نہس کر دیا گیا۔ جناب عبداللہؓ نے پہلے تو جناب ربیعؓ کے ماتحت ایک دستہ کو موصل بھیج دیا لیکن پھر پورے لشکر کو لے کر اپنے از خود موصل تک حربی مظاہرہ کیا اور موصل تک کے علاقوں کو مسلمانوں نے اپنی باجگذاری میں لے لیا۔

متعدد کاروائیاں

حضرت سعدؓ نے مسلمان فوجیوں کے کئی دستے بنا کر دیگر اطراف میں بھی بھیجے۔ شمالی علاقوں کے علاوہ نزدیک کے وسطی علاقوں اور ساتھ کے پہاڑی علاقوں میں بھی کچھ دستے حربی مظاہروں کے لئے بھیجے گئے۔ یہ دستے خانقین، قصر شیرین اور حلوان کے علاقوں تک گئے۔ وہاں پر لوگوں کو اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی اور کئی جھڑپیں بھی ہوئیں اور ایسی ہی ایک جھڑپ میں قادسیہ، مدائن اور جلوہ کا جھگڑا جنرل بہران بھی ہلاک ہو گیا۔ یہ کاروائیاں اس سلسلہ کی کڑیاں تھیں کہ جناب سعدؓ یزدجرد کا پیچھا کر کے ایرانی شہنشاہیت کو پاش پاش کر دینا چاہتے تھے لیکن حضرت عمرؓ نے ان کاروائیوں کو محدود کرنے کے احکام دیئے، ان کے خیال کے مطابق اس کا ابھی وقت نہ آیا تھا۔ عراق کے جتنے علاقہ پر قبضہ ہو چکا تھا۔ اس کے سولین نظم و نسق کو بحال کرنے کی ضرورت تھی اور اسے فوجی طور پر مضبوط کرنا تھا۔ حضرت عمرؓ کے تجزیہ کو پیش کرنے سے پہلے ایک اور دلچسپ بیان ضروری ہے۔

قصر شیریں

مسلمان اب قصر شیریں تک پہنچ گئے تھے۔ شیریں اور فرہاد کا قصہ ہمارے علاقہ کی لوک کہانیوں میں مشہور ہے اور شیریں کے وجود کا تو تاریخی ثبوت موجود ہے کہ وہ یزدجرد کی دادی تھی اور خسرو پرویز کی تین بیگمات میں سے بڑی چہیتی تھی۔ اس نے یزدجرد کے باپ کی اپنے خاندان سے چوری اور خفیہ طور پر شادی کر دی تھی کہ یزدجرد گمنامی میں پیدا ہوا۔ اس ملک کا محل ہی قصر شیریں کے نام سے مشہور ہوا اور بادشاہ نے اس کو سردیوں کے لئے بنوا کر دیا تھا۔ اس محل کی تعمیر کے وقت نوجوان انجینئر فرہاد کی نظر شیریں پر پڑ گئی اور لڑکھائی ہو گیا۔ شیریں نے بھی آگے سے کچھ محبت کا اظہار کیا اور بادشاہ کی اجازت سے فرہاد کو ایک بڑی چٹان پھاڑ کر محل میں پانی پہنچانے کا کام سونپا گیا کہ اگر وہ اس میں کامیاب ہو گیا تو شیریں اس کو مل جائے گی۔ فرہاد چٹان کو پھاڑنے میں تو کامیاب رہا لیکن شیریں کو حاصل نہ کر سکا کہ اس کا وہی حشر ہوا جو ہر عاشق "یا پتنگ کا ہوتا ہے لیکن تاریخی طور پر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ شیریں نے بھی عاشق کے ساتھ ہمدردی میں جان دے دی۔ اس لئے کئی لوگ فرہاد کے وجود کے بارے میں بھی شک کرتے ہیں اور پورے واقعہ کو بناوٹی کہانی کا نام دیتے ہیں۔ پرانے ادب میں ایسی قصہ گوئیوں کے لئے جگہ اور زمانے یا کسی ایک ادھی تاریخی شخصیت کو قصہ میں ضرور شامل کیا جاتا تھا کہ کہانی سچی نظر آئے۔ اسلام اسی وجہ سے قصہ گوئی کے خلاف ہے کہ اس میں جھوٹ ہوتا ہے اور ہم ہیں کہ عورت اور مرد کے عشق کی ہر کہانی پر لٹو ہو رہے ہیں۔ خواہ یہ کہانی عرب سے لیلیٰ مجنوں کی ہو یا ایران سے شیریں فرہاد کی۔ بلکہ کسی عاشق کو بلخ و بخارا سے چناب کے کنارے لے آئے ہیں اور کسی کو ستیان سے سندھ کے ریگستانوں میں اور اپنے ہیرا بنجھا میں غیر تمند کیدو کی جس طرح مٹی پلید کی ہے اور اسلامی معاشرے کا مذاق اڑایا ہے تو توبہ بھلی ہے۔

”ہند کے شاعر و صورت گر و افسانہ نویس

آہ - بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار“ اقبال

حضرت عمرؓ کا تجزیہ

جناب فاروقِ اعظمؓ ان وسیع علاقوں کی فتوحات کی وجہ سے بہت مصروف تھے۔ فتوحاتِ شام

اور ایران دونوں ملکوں میں ہو رہی تھیں۔ اول زبان کا مسئلہ تھا اور ان کے خیال کے مطابق عالم اسلام کی زبان عربی ہونا چاہیے تھی کہ وحدت فکر میں آسانی ہے۔ مغرب میں یہ معاملہ کافی کامیاب رہا جس کا ذکر تیسری کتاب میں ہے۔ مشرق میں کامیاب ہونے کے بعد عیسائیوں، مسلم خراسانی اور برہمنوں نے اس چیز کو ختم کیا اور رہی وہی کٹر منگولوں کے زمانے میں نکل گئی۔ اس کا خمیازہ ہم آج تک بھگت رہے ہیں۔

ورنہ لسانی وحدت بھی بڑی کام کی چیز ہوتی ہے۔

دوسرا مسئلہ زر اور زمین کا تھا۔ بلکہ زن کا بھی تھا۔ زن کے معاملہ میں اسلام میں سختی نہ تھی اور مجاہدین نے غیر ملکوں میں شادیاں کیں اور گو خلیفہ دوم نے اس سلسلہ میں کوئی بندش کے احکام نہ دیئے لیکن اس کی کثرت کو پسند نہ فرمایا، آپ اس کام کو آہستہ آہستہ کرنے کے حق میں تھے۔ آپ کو ڈر یہ تھا کہ غیروں کے ساتھ زیادہ شادیوں سے غیروں کے باطل فلسفہ کے معاشرتی رسم و رواج مسلمانوں کے تمدن میں داخل ہو جائیں گے اور آگے ہی ہوا کہ مسلمانوں نے غیروں کے تمدن کو اپنایا بلکہ اکبر بادشاہ جیسے لوگ آدھے ہندو ہو گئے اور پھر کافر ہو کر مرے۔

زر و زمین والا مسئلہ بھی اہم تھا کہ مجاہدین نے جائیدادیں حاصل کر کے زر خیز علاقوں میں آباد ہونا شروع کر دیا اور دولت کی ریل پیل نے جہاد کے دلولہ اور جذبہ میں کمی پیدا کرنا شروع کر دی۔ حضرت عمر رضیہ سب کچھ جانتے تھے لیکن یہ بڑے مشکل مسائل تھے اور صحابہ کرام رضیہ میں بھی کئی ایسے تھے جو ان معاملات کی تک نہ پہنچ سکے۔ حضرت عمر رضیہ، حضرت علی رضیہ، حضرت ابوذر رضیہ، حضرت ابو عبیدہ رضیہ، حضرت سلمان فارسی رضیہ وغیرہ جیسے عظیم صحابہ ان باتوں کو اچھی طرح سمجھتے تھے لیکن باقی عظیم صحابہ رضیہ میں سے کسی ایک رزق حلال کی زیادتی کو کوئی غلط بات نہ سمجھتے تھے اور اصولی طور پر تو بات صحیح ہے۔ لیکن اس کے اثرات میں شاید بہت لوگ نہ گئے۔ پھر دولت کی ریل پیل کی یہ حالت ہو گئی کہ صدقہ یا خیرات لینے والا کوئی نظر نہ آتا تھا۔

ان تمام معاملات کے باسے خلیفہ دوم نے ہدایات جاری کیں کہ یہ چیزیں ہمارے مقصد زندگی کو خراب نہ کریں اور فوری طور پر فوجی چھاؤنیاں بنانے کے احکامات جاری کئے کہ مجاہدین ذرا الگ تھلگ رہیں۔ گو اسلام کے لحاظ سے پوری قوم اللہ کی فوج ہے لیکن ساری باجگذار رعایا اس وقت تک ابھی اللہ کی فوج نہ تھی اس لئے مجاہدین کو ایک رکھنا ضروری تھا اور پھر اتنی بڑی حکومت کے لئے ہمیشہ در فوج کی بھی ضرورت تھی۔ حضرت سعد رضیہ نے پہلے انبار کو چھاؤنی بنایا لیکن وہاں مکھیوں کی زیادتی کی وجہ سے مجاہدین تنگ آ گئے اور آخر

بوڑھے عبدالمسیح بن بقیدہ جو جناب شویلؒ والی کرامت کے والد تھے اس کے مشورہ سے کوفہ کو چھاؤنی بنایا
جنوبی علاقوں میں ابلہ سے آگے بصرہ کو چھاؤنی بنایا گیا۔ کیونکہ وسطی ایران میں کسی کاروائی سے پہلے
خلیفہ دوم جنوبی علاقوں پر مسلمانوں کے تسلط کو مضبوط کرنا چاہتے تھے کہ اب ان علاقوں کی اہمیت
مسلمانوں کو بھی محسوس ہو رہی تھی کہ ایرانی بادشاہت باہر کے ملکوں سے مکمل طور پر رابطہ ٹوڑ دیا جائے اور
ہمارا اگلا باب انہی علاقوں کی مہمات کے بارے ہے۔

نتائج و اسباق

- ۱۔ نتائج حکمتِ عملی کی تجاویز کے مطابق عیاں ہوئے۔ شمالی علاقوں پر قبضہ کر کے ایران اور ملک
شام کے درمیانی علاقوں پر مسلمان چھا گئے۔
- ۲۔ سولین نظم و نسق اور فوجی نظام کو بہتر بنایا گیا اور چھاؤنیوں کی بنیاد ڈالی گئی۔
- ۳۔ جنوبی علاقوں کو اسلام کی آغوش میں لانے کے لئے حکمتِ عملی تعین کی گئی۔
- ۴۔ وسطی علاقوں میں محدود حربی مظاہرے جاری رکھے گئے اور ابھی ایرانی شہنشاہیت کے
مکمل خاتمہ کے وقت کا تعین باقی تھا۔

۵۔ اسباق عیاں ہیں کہ دل کو بیدار رکھنا پڑتا ہے۔
 دل بیدار فاروقی دل بیدار کمراری
 مس آدم کے حق میں کیمیا ہے دل کی بیداری
 نہ تیری ضرب ہے کاری نہ میری ضرب ہے کاری

اقبالؒ

پچیسواں باب

خرزستان اور فارس کے صوبوں کی مہمات

ایران اور عراق کی سرحد پر ابواز کا نام اکثر سننے میں آتا ہے۔ اس کے ارد گرد کے علاقہ کو صوبہ خرزستان یا صوبہ ابواز کہا جاتا ہے اور یہاں سے جنوب کی طرف خلیج فارس کے ساتھ ساتھ صوبہ فارس ہے۔ نقشہ دوازدهم دیکھیں کہ اس علاقہ کا یہ ایک خاکہ ہے۔ ہمارے پرانے مورخین اور مبصرین نے اس علاقہ کی اسلامی لشکروں کی مہمات کو ایک دوسرے کے بیچ ملا دیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے لشکروں کے کئی امیر ہوتے جنہوں نے محدود علاقوں میں پیش قدمی کی یا حربی مظاہرے کئے۔ یہ کاروائیاں مدینہ شریف سے سیدھے احکام کے طور پر خود مختار طور پر کی گئیں اور عراق و ایران کے سپہ سالار کے احکام کے تحت بھی کاروائیاں محدود ہوتی تھیں کہ حکمت عملی کے تحت اس علاقہ کی باری دیر میں آئی، گو واسطہ جنگ کا نظمہ کے بعد ہی پڑ گیا تھا۔ اس لئے معاملات لمبے ہو گئے۔ زمین مسلمانوں کو فوجی لحاظ سے پسند نہ تھی۔ ڈیلٹا، جگہ جگہ ندیاں، سمندر، پانی، کیچڑ اور دلدل وغیرہ اس لئے معاملات ہر طرح سے محدود رہے اور طول پکڑتے رہے۔ پچھلے تمام بیانات میں سرسری طور پر اس علاقہ کے بارے ہم اشارہ کرتے آئے ہیں۔ اب مختصر طور پر تمام واقعات کو مہمات کے نام دے کر آپ کے سامنے کسی ترتیب اور سلسلہ کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔

پہلی مہم

کاظمہ کی جنگ سے پہلے اور بعد بھی ابلہ اور بصرہ کا ذکر ہو چکا ہے۔ آٹھویں باب میں ذکر ہے کہ ایک گشتی دستہ جناب معقل بن مقرنؓ کے تحت ابلہ کی طرف بھیجا گیا۔ پھر نویں باب میں ذکر ہے کہ جناب سوید بن مقرنؓ کو ان علاقوں کا فوجی گورنر بنا کر حفیرہ کے مقام پر تعینات کیا گیا۔ لیکن ساتھ یہ بھی واضح کیا گیا کہ حیرہ کی طرف پیش قدمی کی تو اس علاقہ سے اپنے عاملوں کو واپس بلا لیا گیا تھا کہ اتنے بڑے علاقہ کا انتظام ان حالات میں سینھاننا مشکل تھا۔ دراصل یہ پہلو پہلے ہی واضح کر دیا گیا ہے۔ یہ

علاقے گو ایرانیوں کے لئے اہم تھے لیکن مسلمانوں کے لئے اس وقت تک اتنے اہم نہ تھے اور نجاج سے خیر والے راستے کے بجائے مسلمان نجاج سے زرد اور شراف کے اتے میدھے حیرہ پہنچ جاتے تھے۔

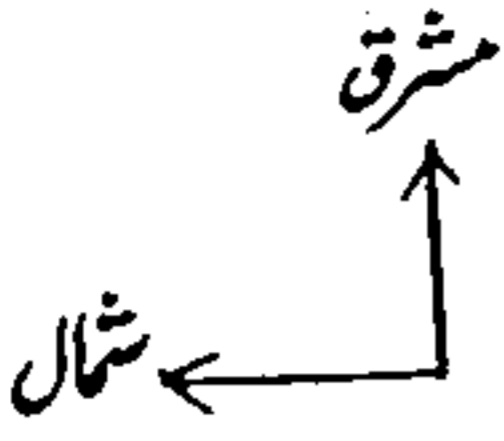
بے شک یہ علاقے مسلمانوں کی سرحد کے نزدیک تھے لیکن مسلمان بین الاقوامی طور پر سمندروں میں داخل نہ ہوئے تھے اور اس وقت تک ان کے لئے سمندروں کے کنٹرول میں اُبھ جانا ٹھیک بھی نہ تھا۔ دوم ارض علاقوں کی زمین کے باسے اور تجزیہ کر دیا گیا ہے کہ مسلمانوں کے لئے فوجی لحاظ سے ناپسندیدہ تھی۔ سوم ان علاقوں میں ایرانی روسا کی جاگیریں تھیں اور ہر جگہ ذاتی مفاد کے تحت مسلمانوں کے ساتھ سخت مقابلہ ہوتا اور بادشاہت اس وقت تک قائم تھی وہ ان جاگیرداروں کی خوب امداد بھی مہیا ہو رہی تھی۔ چنانچہ مسلمانوں کی یہ حکمت عملی تھی کہ پہلے ایرانی حکومت اور اس کی فوج کے بڑے حصے کو برباد کیا جائے اور صرف ان علاقوں پر قبضہ رکھا جائے جو اس سلسلہ میں مددگار ہوں۔ ان علاقوں پر قبضہ سے کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے پہلی مہم کے بعد ان علاقوں میں معاملات کو "دیکھ بھال" تک محدود رکھا گیا۔

دوسری مہم

لیکن مسلمان یہ سمجھتے تھے کہ اس علاقے سے مکمل طور پر بے فکر ہو جانے کے بڑے نقصانات تھے۔ ایرانی اس طرف سے کوئی بڑی پیش قدمی کر کے مسلمانوں کے ذرائع آمد و رفت میں خلل ڈالتے۔ گو مسلمانوں کی "بندوبستی دوم" نہیں ہوتی تھی لیکن عارضی طور پر ایرانی کچھ خلل انداز ہو سکتے تھے۔ اس لئے جن دنوں خلیفہ دوم نے حضرت ابو عبیدہؓ کو جناب شتاریؓ کی جگہ عراق کا سپہ سالار مقرر کیا۔ انہی دنوں جناب عبیدہؓ بن عرزوان کو دو ہزار کے لشکر کے ساتھ ابلہ کے علاقہ میں بھیجا گیا کہ وہاں یہ کشتی کار وایاں اور حربی مظاہرے جاری رکھے جائیں لیکن حضرت ابو عبیدہؓ کی شہادت کے بعد جب عراق کی سپہ سالاری جناب سعدؓ کو سونپی گئی تو حضرت عمرؓ نے حضرت عبیدہؓ کو حکم دیا کہ سات یا آٹھ سو سواروں کا دستہ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کے ماتحت جناب سعدؓ کی مدد کو بھیجیں اور خود اپنے علاقہ کی مہمات کو محدود رکھیں یعنی حربی مظاہرے یا دیکھ بھال سے آگے نہ بڑھائیں۔ اس چیز کا ذکر پچھلے ابواب میں جناب سعدؓ کو ملک کے عنوان کے تحت ہو چکا ہے اور اس وجہ سے دوسری مہم بھی محدود ہو گئی۔

نقشہ رواز دہم۔

جنوبی علاقے۔ فارس اور خراسان کے صوبے



پرسیپولس

شیواز

چور



سکیل - RF 1/2,

تیسری مہم

مدائن کی فتح کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ کو حکم دیا کہ حضرت مغیرہؓ بن شعبہؓ کو آٹھ سو سواروں سمیت ابلہ کے علاقہ میں جناب عقبہؓ بن عمروؓ کے پاس واپس بھیج دیں۔ ہمارے کسی مبصر یہاں پر جناب مغیرہؓ کی بجائے حضرت عقبہؓ کو آٹھ سو سواروں کا کمانڈر لکھ گئے جس نے معاملات کو اور گڈ کر دیا۔ لیکن ہمارا تجزیہ یہ ہے اور مختلف مورخین کے بیان کی چھان بین کر کے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ حضرت عقبہؓ کو نو مسلم قبائل سے اور مجاہدین کی بھرتی کا حکم بھی ملا اور جناب مغیرہؓ کے سواروں کو ملا کر ان کے پاس چھ ہزار کا لشکر ہو گیا اور انہوں نے خلیفہ کے حکم پر آگے پیش قدمی کی۔ آگے سے مقابلہ ہرمزان سے ہوا۔ قارئین کو یاد ہو گا کہ جب مسلمان مدائن کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے کہ بابل کے مقام پر جو جھڑپ ہوئی تو قادیسیہ کی جنگ کا بھگوڑا ہرمزان بابل کے مقام سے بھاگ کر خزرستان چلا گیا۔ اس علاقے میں اس کی جائیداد تھی۔ اس نے مسلمانوں کی پیش قدمی کو روکا لیکن ہرمزان پر شکست کھائی اور مسلمانوں نے دونوں دریاؤں دجلہ اور فرات کے سنگم تک کے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اس زمانے میں یزدجرد دار الخلافہ چھوڑ چکا تھا اور ایرانی جنرل کچھ خود مختار تھے۔ اس لئے ہرمزان نے مسلمانوں کے ساتھ صلح کر لی۔ مسلمان خود ابھی اس پوزیشن میں نہ تھے کہ زیادہ آگے پیش قدمی کرتے۔

چوتھی مہم

اس علاقے کی چوتھی مہم کے سلسلہ میں اختلاف ہے کہ یہ کسی حکمت عملی کا نتیجہ تھی یا جناب علاءؓ بن الحضرمی کی ذاتی تجویز یا خواہش کے تحت ہوئی۔ بہر حال اکثر مورخین کا خیال ہے کہ جناب علاءؓ بھی کسی کامیابی کے خواہشمند تھے اور یہ ان کی اپنی تجویز تھی۔ جناب علاءؓ حضور پاکؐ کے زمانے سے بحرین کے عامل تھے اور اس کا ذکر جلال مصطفیٰؐ میں موجود ہے۔ حضور پاکؐ کی وفات کے وقت جناب علاءؓ بھی مدینہ میں تھے۔ دوسرے اور چوتھے باب میں جناب علاءؓ کی بحرین کی مہم کے لئے نامزدگی اور کارروائی کو مکمل طور پر بیان کیا گیا ہے۔ حضرت سعدؓ کی کامیابیوں کو سن کر جناب علاءؓ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ کیوں نہ وہ بھی کچھ علاقے فتح کریں اور انہوں نے سمندری راستہ سے صوبہ فارس پر حملہ کی تجویز

بنائی جس کی نشاندہی نقشہ دوازدهم پر کردی گئی ہے۔

حضرت عمرؓ اس وقت تک کسی سمندری جنگ کے حق میں نہ تھے۔ جس کو مؤرخین نے غلط رنگ دیا ہے کہ حضرت عمرؓ سمندری جنگ سے نفرت کرتے تھے اور ان کو کراہیت تھی وغیرہ۔ یہ سب اضافی باتیں ہیں۔ حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ پہلے سمندر کو سمجھا جائے، اس کو استعمال کرنے کا طریقہ سیکھا جائے۔ تو پھر سمندری جنگ کے بارے سوچا جاسکتا ہے۔ حضرت عمرؓ اسلام کو خشکی تک کیسے محدود کر سکتے تھے لیکن ان کے لحاظ سے وہ وقت اس کام کے لئے یعنی سمندری جنگ کے لئے موزوں نہ تھا۔ اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علاءؓ کی یہ کارروائی خلیفہ دوم کی اجازت کے بغیر تھی۔

بہر حال جناب علاءؓ نے بحیرین کے نزدیک کے ساحل سے پار علاقوں کے نو مسلم عرب قبائل کو شامل کر کے ایک لشکر تیار کیا اور اس کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ بحرین اور کچھ ساحلی علاقوں کے لوگ سمندر میں کشتیوں کو چلانے کے کام سے واقف تھے اور خلیج فارس میں تو ہر طرح کی کشتیاں آسانی سے چلتی تھیں۔ پانی میں کافی ٹھہراؤ تھا یا اس موسم میں ٹھہراؤ تھا۔ چنانچہ تینوں لشکر صوبہ فارس میں کشتیوں کے ذریعے سے طائوس کے علاقے میں اتر گئے لیکن ایرانی چوکنے تھے اور سمندری جنگ کو سمجھتے تھے۔ ساحلی علاقوں کی جنگ کو بھی وہ زیادہ بہتر سمجھتے تھے۔ اس لئے اسلامی لشکر کے تینوں دستوں کو کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی بلکہ دو لشکروں کے سردار اور ان کے لڑکے بھی جنگوں اور جھڑپوں میں شہید ہو گئے۔ اب مسلمان مجاہدین ان علاقوں میں پھنس کر رہ گئے۔ انہوں نے ہتھیار تو نہ ڈالے لیکن جنگوں اور بیابانوں میں گزارا کرنا شروع کر دیا کیونکہ ساحل پر ایرانیوں کا کنٹرول تھا۔ یہ مجاہدین واپس بحرین چلی نہیں جاسکتے تھے۔

حضرت عمرؓ کا رد عمل اور پانچویں مہم

حضرت عمرؓ کو جب ان حالات کا علم ہوا تو آپ نے جناب علاءؓ کو معزول کر دیا۔ لیکن ساتھ ہی حضرت عقبہؓ بن مغزول کو حکم دیا کہ خشکی کے راستے سے آگے بڑھ کر ان مسلمانوں کے ساتھ رابطہ قائم کریں اور ان سب علاقوں کو اسلام کی علمبرداری میں شامل کریں۔ خلیفہ دوم کے حکم پر حضرت سعدؓ نے عقبہؓ کی امداد کے لئے جناب نعمانؓ بن مقرن کے ماتحت ایک دستہ فوج کا بھیجا اور مدینہ سے حضرت سلمہؓ کے ماتحت بھی ایک دستہ آچکا تھا۔ جناب عقبہؓ نے آگے پیش قدمی کی اور ہرمزان کے لشکروں کو کئی مقامات پر شکست دی اور ہرمزان ایک طرف مسلمانوں کے ساتھ صلح کر چکا تھا اور اپنے آپ کو اس علاقہ کا خود مختار حاکم کہتا تھا لیکن اندرونی طور پر وہ یزدجرد سے ملا ہوا تھا اور وہاں سے کمک حاصل

کرتا رہتا تھا۔ ان حالات میں حضرت عقبہؓ اگر اور زیادہ آگے بڑھتے تو خطرہ یہ تھا کہ ہرمزان ان کے پچھلی طرف کے راستوں کو سدود کرتا اور یہ لشکر بھی گھیرے میں آجاتے۔ چنانچہ حضرت سعدؓ سے اور مدد مانگی انہوں نے جناب عاصمؓ ہی عمرو کے ماتحت ایک لشکر جناب عقبہؓ کی مدد کے لئے بھیجا۔ اب اسلامی لشکر کی تعداد دس بارہ ہزار کے قریب ہو گئی۔ جناب عقبہؓ نے خود چند دستوں کے ساتھ بائیں جانب کے علاقوں کی حفاظت کی ذمہ داری نبھائی اور جناب ابو جرمؓ کو ایک لشکر کے ساتھ سمندر کے ساتھ ساتھ آگے روانہ کیا اور ان مجاہدین کو ایرانیوں کے گھیرے سے نکالا گیا۔ بہر حال اس طرح ساحلی علاقوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا لیکن شمال کی طرف ابھی خزرستان اور فارس کے کافی علاقوں پر ایرانیوں کا ہی قبضہ تھا۔

چھٹی مہم

کچھ عرصہ بعد حضرت عقبہؓ حج سے واپس آتے وقت اونٹ سے گر کر زخمی ہو گئے اور بعد میں وفات پا گئے اور جناب فادوی اعظمؒ نے جناب مغیرہؓ بن شعبہ کو بصرہ کا عامل مقرر کیا اور آپ نے اس محاذ کے حربی مظاہروں میں اور جان ڈال دی لیکن جناب مغیرہؓ کے خلاف ایک زنا کا مقدمہ دائر ہو گیا جس کا فیصلہ خلیفہ دوم نے کرنا تھا۔ جناب مغیرہؓ کے بارے میں روایت ہے کہ جادی حد رکھتے ہوئے آپ نے اسی کے قریب شادیاں کیں۔ آپ زیادہ وجیہ تو نہ تھے لیکن ان کی شخصیت میں عورتوں کے لئے بے حد جاذبیت تھی۔ اس لئے ایک دفعہ کچھ مخالفین کو غلط فہمی ہوئی یا کچھ بات تھی کہ انہوں نے مقدمہ کر دیا کہ فلاں عورت بھی جناب مغیرہؓ کے بالا خانے میں اس حالت میں دیکھی گئی۔ چار گواہوں میں زیاد ابن سمیہ بھی تھا۔ جس کا آگے چوتھی کتاب میں ذکر آئے گا۔ اس نے عورت کی پہچان کے بارے شکوک ظاہر کئے تو جناب مغیرہؓ کافی عرصہ کے بعد اس مقدمہ سے بری ہوئے۔

آپ کی جگہ جناب ابو موسیٰؓ اشعری کو بصرہ کا عامل مقرر کر دیا گیا۔ اسی زمانے میں ہرمزان نے ایک صلح نامے کو توڑ کر مسلمانوں کو ذک پہنچائی تو جناب ابو موسیٰؓ رضی اللہ عنہ آگے بڑھ کر اہواز پر قبضہ کر لیا۔ اور ایرانیوں کو شکست دی اور وہ بھاگ گئے۔ ہرمزان بھی بھگڑا ہو گیا اور جناب ابو موسیٰؓ نے دور دور

لئے۔ جناب ابو موسیٰؓ اشعریؓ عظیم صحابی ہیں۔ جلال مصطفیٰؐ میں کثرت کے ساتھ آپ کا ذکر ہے۔ اس کتاب میں آگے اور تیسری و چوتھی جلد میں بھی آپ ہمارے ساتھ رہیں گے۔

یک تقاب کیا۔ مسلمانوں نے ان سب علاقوں کو بصرہ کے صوبہ کا حصہ بنا لیا اور موجودہ صوبہ خیزستان پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور مسلمانوں نے علاقہ میں جگہ جگہ چوکیاں قائم کر دیں اور تمام امن و امان ہو گیا اس کے بعد اخانی یا فالتو لشکر کو لے کر جناب نعمان بن مقرنؓ کو ذہ چلے گئے۔

کوہ میں تبدیلیاں اور ساتویں مہم

حضرت عمرؓ نے اہل کوہ سے تنگ آ کر ایک دفعہ فرمایا تھا کہ عجیب لوگ ہیں۔ جب کہ ان پر کوئی مضبوط آدمی مقرر کرتا ہوں تو اس کے خلاف دروغگوئی شروع کر دیتے ہیں اور جب کسی معتدل اور بھلے آدمی کو ان پر مقرر کرتا ہوں تو اس کو خاطر میں نہیں لاتے۔ اس لئے ان چند سالوں میں حضرت عمرؓ نے کوہ میں کئی تبدیلیاں کیں لیکن یہ معاملات مکمل طور پر قابو میں نہ آسکے اور واقعہ کہ بلا تک بلکہ اس سے کئی سال بعد بھی کوہ میں کوئی نہ کوئی سازش جنم لیتی رہی۔ یہاں پر ہم اس کی تفصیل میں نہیں جاتے صرف اشارہ کافی ہے اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ان کو جناب سعدؓ بن ابی وقاص کی بددعا ہے کہ انہوں نے جناب سعدؓ جیسے بزرگ صحابی کو بھی معاف نہ کیا اور ان کے خلاف الزام لگائے۔ خلیفہ وقت نے ان کی جگہ حضرت عمارؓ بن یاسرؓ کو مقرر کیا جو بڑے معتدل اور چوٹی کے صحابی تھے لیکن اہل کوہ ان کو خاطر میں نہ لاتے تھے اور فتنہ و فساد کرتے رہے۔ حضرت عمارؓ کچھ عرصہ کے لئے خیزستان کی مہم پر چلے گئے تو ان کے نائب جناب عبداللہؓ بن مسعود کے ساتھ بھی ویسا ہی کیا۔ ان ہی دنوں جناب مغیرہؓ بن شعبہ کے خلاف الزامات ثابت نہ ہوئے تو پھر ان کو کوہ کا عامل مقرر کر دیا گیا۔ بعض مؤرخین اور مبصرین نے ان تبدیلیوں کی آڑ میں ان سب عظیم صحابہ کرام کے واقعات کے جائزے لے کر جو الفاظ استعمال کئے ہیں ایسی ہمت اللہ تعالیٰ ہماری قلم کو کبھی بھی نہ دے۔ ہمارے لئے سب صحابہ کرام بہت عظیم ہیں۔

جناب عبداللہؓ بن مسعود اور عمارؓ بن یاسرؓ ان خوش نصیبوں میں ہیں جو مکہ کے اولین مسلمانوں میں شامل ہیں اور اسلام لانے کی وجہ سے بڑی مصیبتیں سہیں۔ عمارؓ ان کے والدؓ اور ان کی والدہؓ سب نے اسلام کے لئے تکلیفات برداشت کیں۔ عبداللہؓ بن مسعود اسلام کے عظیم عالم اور حنفی فقہ کے بانی سمجھے جاتے ہیں۔ آپ کا ذکر جلال مصطفیٰؐ میں کئی جگہ پر ہے۔

بہر حال جن دنوں میں جناب عمارؓ بن یاسرؓ کو فوجی گورنر اور سپہ سالار تھے۔ اس زمانے میں یزدجرد کی شہ پر ہرمزان نے اربق کے گرد نواح میں ایک بڑی فوج اکٹھی کی اور مسلمانوں کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے کے لئے موقع کی تلاش شروع کر دی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بصرہ کے گورنر تھے۔ انہوں نے یہ خبر مدینہ بھیجی تو جناب عمرؓ نے جناب عمارؓ کو حکم دیا کہ ایک لشکر بصرہ بھیجیں۔ جناب عمارؓ نے حضرت نعمان بن مقرنؓ کو دوبارہ ایک لشکر کے ساتھ ادھر بھیج دیا جنہوں نے ابو موسیٰؓ کے حکم پر اور ان سے امداد لے کر آگے پیش قدمی کی اور ہرمزان کو اربق کے مقام پر شکست دی۔

لیکن یہ ہرمزان کی کچھ شرارت بھی تھی وہ مسلمانوں کو کم نفری کے ساتھ آگے بڑھنے کی شہ دینا چاہتا تھا کہ ششتر کے مقام پر اس نے لاؤ لشکر اکٹھا کر دیا۔ ابو موسیٰؓ نے مدینہ شریف اطلاع بھیجی اور حضرت عمارؓ نے جناب جریرؓ کو ایک ہزار کا لشکر دے کر ابو موسیٰؓ کی مدد کے لئے بھیجا۔ لیکن اسی دوران خلیفہ دوم کے احکام آگئے کہ تمام ترکوشش کے ساتھ جنوبی علاقوں سے ایرانی بادشاہ کے فتنہ کو ختم کر دو۔ چنانچہ حضرت عمارؓ نے نصف لشکر جناب عبداللہؓ بن مسعود کے ماتحت کوفہ چھوڑا اور جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے وہ خود باقی لشکر کے ساتھ خزرستان کی طرف چل پڑے۔ مسلمانوں کے ایک بہت بڑے لشکر نے ششتر کے علاقہ میں ہرمزان کے ساتھ کئی لڑائیاں لڑیں اور آخر ہرمزان قید ہوا اور اس کو مدینہ بھیج دیا گیا۔ جہاں پر حیلہ و بہانہ سے اس نے اپنی جان بچالی ورنہ کئی دفعہ کی ششتر کے بعد اس کا سر قلم ہونا چاہیے تھا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ کو شہید کرنے والے ایرانی فیروز کو بھڑکانے والا بھی یہی ہرمزان تھا کہ اس نے اس کے بعد مدینہ شریف ہی میں رہائش رکھی ہوئی تھی اور دل سے مسلمان نہ ہوا تھا۔ یہ ذکر تیسری کتاب کے تیسرے باب میں ہے۔

بہر حال حضرت عمارؓ بن یاسرؓ نے بڑی کامیابی کے ساتھ خزرستان اور فارس کے وسیع علاقوں پر قبضہ کر کے ان علاقوں کو ابو موسیٰؓ کے حوالے کیا اور خود واپس کوفہ آکر اپنا عہدہ سنبھال لیا۔ جس پر کچھ عرصہ اور قائم رہے۔ جناب ابو موسیٰؓ کے لئے اب صرف "صفائی" کا کام باقی رہ گیا تھا اور انہوں نے شوش کے علاقوں تک پیش قدمی کر کے ان سب جگہوں کو اسلام کی آغوش میں دے دیا۔ شوش میں حضرت دانیال پیغمبر کی قبر ہے جو کچھ دریا برد ہونے والی تھی مسلمانوں نے قبر کو صحیح حالت میں اور اس کو دریا برد ہونے سے بچایا اور اس مقام کے تقدس کو بحال کر دیا جو آج تک قائم ہے۔

نتائج و اسباق

یہاں حکمت عملی ایک واضح شکل اختیار کر جاتی ہے۔ شمال میں قبضہ کے بعد اب جنوب میں اہل ایران کا سمندروں سے جو باقی دنیا کے ساتھ رابطہ تھا اس کو بھی کاٹ دیا گیا۔ اب درمیانی علاقے باقی تھے اور ظاہر ہے مسلمان اب آخری کلہاڑا چلانے کی تیاری میں مصروف تھے۔ جس کا ذکر اگلے باب میں ہے اور یہی اس باب کی کارروائی کا بڑا نتیجہ تھا۔ مسلمان کتنے چوکنے تھے۔ کس طرح پہل کاری کو اپنے ہاتھ میں رکھا۔ کس طرح بروقت سوجھ بوجھ کے ساتھ کارروائی کی سب پہلو مختصر طور پر بیان کر دیئے گئے ہیں۔ یہ تمام ابواب فوجی حکمت عملی کے بحث و مباحثہ اور عسکری تاریخ کے مبصروں کے لئے نکتوں کی وضاحت کے لئے بڑی اچھی فوجی مشقیں بنائی جاسکتی ہیں۔

ان میں کئی اسباق ہیں جس میں خاص کر زمین کا مطالعہ۔ ڈیلٹا کی جنگ میں پھونک پھونک کر قدم رکھنا اور ریگستانی علاقہ کے لوگوں کا ڈیلٹا میں اس وقت مکمل کارروائی کرنا جب وہ اس علاقہ کو اچھی طرح سمجھ گئے تھے۔ ہر پہلو کا مطالعہ کافی دلچسپ ہے۔ لیکن وہ لوگ زندہ تھے۔ ہماری طرح ان کے دل مردہ نہ ہو چکے تھے وہ غیر تمند تھے اور سب کچھ اللہ اور رسول کے لئے کرتے تھے۔ ایرانیوں کا علم نجوم ان کو نہ سمجھ سکا۔

”تیرے مقام کو انجم شناس کیا جانے

کہ خاکِ زندہ ہے تو تابع ستارہ نہیں“

اقبالؒ

چھبیسواں باب

معرکہ نہادند کے لئے طرفین کی تیاری

یہ ایرانی سلطنت کے آخری دن تھے۔ لیکن اتنی بڑی سلطنت جس کا صدیوں سے دنیا میں طوطی بولتا رہا ہو۔ اس پر ایک آخری بھر پور وار کی ضرورت تھی جس کا موقع خود ایرانیوں نے فراہم کر دیا تھا جن صوبوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا ان کے متعدد جوان لشکروں کی بھگدڑ کے ساتھ ایران کے در دراز علاقوں میں چلے گئے تھے اور وہ اپنے علاقوں میں واپسی کے خواہاں تھے اس لئے اہل ایران ان علاقوں میں جب بھی کوئی لشکر تیار کرتے جہاں پر ان کی حکومت تھی تو ایسے لشکر میں شمولیت کے لئے یہ بھگوڑے بے تاب ہوتے تھے کہ شاید فتح کی صورت میں ان کو واپس اپنے علاقوں میں جانے کا موقع مل جائے۔ چنانچہ جس زمانے میں مسلمان لشکر خزرستان اور فارس کے صوبوں میں پیش قدمی کر رہے تھے اس زمانے میں نہادند کے مقام پر اہل ایران مسلمانوں کے ساتھ ایک اور جنگ کی تیاری میں مصروف تھے۔ کچھ صوبوں میں مثلاً آذربائیجان، قیص، اصفہان، مرو، سہ اور طبرستان وغیرہ کے علاقوں میں ایرانی حکومت قائم و دائم تھی۔ ان سب جگہوں سے افواج نہادند میں اکٹھا ہونا شروع ہو گئیں اور طبری کے مطابق اس جگہ تقریباً ایک لاکھ تیس ہزار کے قریب ایرانی جوان اکٹھے ہو گئے۔ ممکن ہے تعداد زیادہ نہ ہو لیکن اتنی تعداد ضرور تھی جس نے مسلمانوں کو فکر مند کیا۔

فتح و قریب

مسلمان چوکیوں نے اس اجتماع کی خبر جناب عثمان بن یاسرؓ کو کوئٹہ میں دی جو اس وقت کوئٹہ میں سپہ سالار اور فوجی گورنر تھے۔ آپ نے وہاں سے جس قاصد کو یہ خبر ملے کہ مدینہ بھیجا اس کا نام قریب تھا اور اس کے والد کا نام ظفر تھا۔ اس سے اہل مدینہ نے یہ شکون لیا کہ ظفر یا فتح قریب یا نزدیک ہے۔ حضرت عمرؓ بھی اب ذہنی طور پر تیار تھے۔ اس لئے انہوں نے مشاورت طلب کی اور خود کوئٹہ جانے کا ارادہ بھی ظاہر کیا کہ وہاں سے وہ ساری بہم کو آگے اپنی نگرانی میں چلا میں گئے۔ صحابہ کرامؓ پر دشمن کی تعداد کا کچھ ایسا اثر ہوا کہ کئی عظیم صحابہ نے مشورہ دیا کہ ملک شام، حجاز اور یمن فوج کو ایران بھیج دیا جائے لیکن حضرت علیؓ نے فرمایا کہ حالات اتنے بھیانک نہیں ہیں۔ ویسے بھی فتوحات دسے نصیب ہو رہی ہیں اور اللہ کی مدد پر بھروسہ کیا جائے۔ ایران کے علاقے میں اتنے مجاہدین موجود

ہیں کہ وہ اکٹھے ہو کر تمام حالات پر قابو پاسکتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہما سے پہلے دو دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے باہر جانے کے حق میں تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بیت المقدس ہو بھی آتے تھے۔ اس دفعہ بالکل مختلف رائے دے رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہما اس سے بڑے متاثر ہوئے اور جناب علی رضی اللہ عنہما کی رائے کو پسند فرمایا۔

نعمان بن مقرن کا تقرر

گو عراق و ایران میں متعدد چوٹی کے صحابہ موجود تھے لیکن جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہما کے طریقہ پر اس دفعہ جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہما نے ایک نوجوان کو اس نئی مہم کے لئے سپہ سالار مقرر کیا۔ آپ جناب مقرن رضی اللہ عنہما کے عظیم فرزند نعمان رضی اللہ عنہما تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے جناب عمار رضی اللہ عنہما یا سر رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ وہ کوفہ ہی میں رہ کر جناب نعمان رضی اللہ عنہما کی ہر طرح مدد کریں گے اور ان کے لشکر کی تیاری میں مدد دیں گے۔ جناب نعمان رضی اللہ عنہما کسی تعارف کے محتاج نہیں اور روایت ہے کہ آپ ان تین نو عمر بزرگوں میں شامل تھے جن کو جنگ احد میں شرکت کی اجازت ملی۔ آپ کے والد مقرن رضی اللہ عنہما صحابہ بدر میں سے ہیں اور ان کا اور ان کے دس بیٹوں کا ذکر پچھلے ابواب میں ہو چکا ہے۔ بہر حال حضرت نعمان رضی اللہ عنہما کی مہم کے لئے خلیفہ دوم نے مندرجہ ذیل احکامات بھی جاری کئے:

۱۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما بصرہ میں اپنے نائب کو چھوڑیں گے اور خود بصرہ سے لشکر کا تیسرا حصہ ساتھ لے کر جناب نعمان رضی اللہ عنہما کو رپورٹ کریں گے۔

۲۔ مدائن سے حضرت خذیفہ رضی اللہ عنہما بن ایمان کا ایک لشکر بھی جناب نعمان رضی اللہ عنہما کے ساتھ شامل ہوگا۔

۳۔ مدینہ سے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہما بن شعبہ جو اس وقت مقدمے سے بری ہو چکے تھے وہ ایک لشکر تیار کر کے حضرت نعمان رضی اللہ عنہما کے پاس جلد جلد پہنچ جائیں گے اور اس لشکر میں متعدد صحابہ رضی اللہ عنہما کو شرکت کی دعوت دی گئی اور جناب عبداللہ رضی اللہ عنہما بن عمر سمیت کئی صحابہ کبار رضی اللہ عنہما لشکر میں شامل تھے۔

۴۔ خلیفہ دوم نے یہ حکم بھی دیا کہ بصرہ سے جناب ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کے جانشین تسلی کریں گے کہ خزرستان کے علاقوں سے کوئی ایرانی نہادند کی طرف تو نہیں جاتا کہ ممکن ہے کچھ لوگ کسی بہانے سے خزرستان سے نکل کر نہادند میں جا کر ایرانی لشکر میں شامل ہو جائیں۔

۵۔ جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہما نے حکم دیا کہ اگر جناب نعمان رضی اللہ عنہما شہید ہو جائیں تو اس کے بعد سپہ سالاری کے لئے جانشینی کی یہ ترجیحات ہوں گی۔ اول جناب خذیفہ رضی اللہ عنہما پھر جناب جریر رضی اللہ عنہما بن عبداللہ اور آخر میں جناب مغیرہ رضی اللہ عنہما بن شعبہ۔

نہاد کا عمل وقوع اور اس طرف پیش قدمی

آذربائیجان

طبرستان

جزیرہ

دریائے دجلہ
موصل

دریائے فرات

ہمدان

نہاد

اصفہان

مسلمانوں کی پیش قدمی

کوزہ
قادسیہ

نیچلے ذیر مسلمانوں

تشی شیعہ

خوزستان

بصرہ

فارس

خلیج فارس

۵۰ ۱۰۰ ۱۵۰
میل
سکیل

حضرت نعمانؓ کی پیش قدمی

جناب نعمانؓ نے بصرہ، مدینہ اور کوفہ کے لشکروں کو کوفہ ہی کے مقام پر اکٹھا کیا اور پھر مدائن پہنچ گئے۔ مدائن سے جناب خذیفہؓ کے لشکر کو ساتھ شامل کر کے قصر شیریں کے راستے کرمان شاہ کی طرف پیش قدمی کی۔ نقشہ سیارہم سے اس سلسلہ میں راہنمائی حاصل کریں۔ قصر شیریں تک بلکہ اس سے آگے تک مسلمانوں کی چوکیاں موجود تھیں۔ آپ نے اپنے لشکروں کے اجتماع کے لئے تزار کے مقام کو چنا۔ آپ بصرہ سے صوبہ خوزستان میں ابواز کے راستے بھی پیش قدمی کر سکتے تھے لیکن فوجی حکمت عملی کے لحاظ سے اوپر والا راستہ اختیار کیا گو علاقہ پہاڑی تھا لیکن دیکھ بھال اور پھیلاؤ کو مد نظر رکھتے ہوئے مسلمانوں نے اس راستے کو پسند کیا۔ سردی کا موسم آنے والا تھا اور مسلمان کچھ جلدی میں تھے اہل ایران تو سردی برداشت کر سکتے تھے لیکن گرم علاقے کے مسلمان زیادہ سردی برداشت نہ کر سکتے تھے۔ اس لئے تزار پہنچنے کے بعد جناب نعمانؓ نے اپنے بھائی نعیمؓ کو جیش المقدم پر مقرر کر کے حکم دیا وہ تیزی سے آگے بڑھیں اور نہایت سے گیارہ میل پیچھے جس جگہ کو آج کل سعد وقاص کہتے ہیں وہاں رکنے کا حکم دیا۔ آپ بھی پیچھے دوں دوں تھے۔

اسلامی لشکر کی تعداد کوئی تیس یا چالیس ہزار کے قریب بتائی جاتی ہے اور آگے ایرانی فوج ایرانی جنرل مردان شاہ کے ماتحت کوئی ایک لاکھ کے قریب تھی۔ مسلمانوں نے حسب دستور صلح کی ایک کوشش کی اور جناب مغیرہؓ بن شعبہ کو سفیر بنا کر بھیجا لیکن معاملہ بالکل اسی طرح رہا جو کچھ دستم اور جناب مغیرہؓ کے درمیان قادسیہ کے مقام پر ہوا تھا۔ بلکہ ایرانی اس بار کچھ زیادہ ہی پر امید تھے۔ اب لڑائی بالکل ناگزیر ہو گئی تھی۔ اور مسلمان تیار تھے۔

کیا تو نے صحرا نشینوں کو یکتا
خبر میں نظریں اذانِ سحر میں
طلب جس کی صدیوں سے تھی زندگی کو
وہ سوز اس نے پایا انہیں کے جگر میں

اقبالؒ

ستائیسواں باب جنگ نہادند۔ محرم ۲۱، ہجری

نہادند کی جنگ دنیا کی ایک مشہور ترین جنگ ہے۔ اس جنگ کے بعد ایران کی شہنشاہیت کا خاتمہ ہو گیا اور ایران فارس کے لوگ اسلام کی آغوش میں داخل ہو گئے اور مسلمان کی حیثیت سے ان خطوں کے مسلمانوں نے علمی اور عسکری میدانوں میں عظیم کام کئے۔ قادیسیہ کی جنگ کی طرح یہ بھی ایک فیصلہ کن جنگ تھی اور اسلام کی عسکری تاریخ میں ان دونوں جنگوں کو بہت بلند مقامات حاصل ہیں۔

نہادند کا علاقہ سطح مرتفع ہے اور سطح سمندر سے اور تقریباً تین ہزار فٹ بلند ہے۔ ویسے چھوٹی چھوٹی ندیاں اور وادیاں کثرت سے موجود ہیں۔ نہادند کا میدان جنگ ایرانیوں کا چنیدہ تھا۔ انہوں نے پوزیشن ندی کے کنارے کچھ اونچی زمین پر لی ہوئی تھی اور ایرانی پوزیشن پر حملہ کرنے کے لئے اس ندی کو پار کرنا پڑتا تھا۔ نقشہ چہار دہم کا خاکہ میدان جنگ اور فوجوں کی صف بندی کو سمجھنے کے سلسلہ میں کچھ مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ ایرانی فوج کے دایاں اور بائیں بازو دونوں ٹیلوں پر تھے۔ اس لئے مسلمان کوئی متحرک طرز جنگ اختیار کر کے دشمن کو بازو سے اکھیڑنے کی کارروائی بھی نہیں کر سکتے تھے۔

چنانچہ مسلمان صرف ندی کو پار کر کے سامنے ہی سے حملہ کر سکتے تھے۔ لشکروں کی صف بندی ہو چکی تھی۔ حضرت نعمانؓ نے بازوؤں پر جناب حذیفہؓ اور اپنے بھائی نعیمؓ کو مقرر کیا اور خود درمیان میں تھے۔ جناب قعقاعؓ رسالہ کے افسر تھے لیکن آگے ہر لشکر تقریباً دس حصوں میں بٹا ہوا تھا اور ہر ہزار مجاہدین پر صحابہ کرامؓ یا اور نامور مجاہدین آئے تھے۔ ایرانیوں کے لشکر کے بھی تین بڑے حصے تھے۔ مردان شاہ درمیان میں تھا اور بازوؤں پر بہمن اور زادق تھے۔ یہ کوئی نیا بہمن تھا۔ ایرانی فوج کے عقب میں انوشق تھا۔

یہ ایرانیوں کا اپنا علاقہ تھا اور ان کے پاس رسد و رسائی کی کوئی کمی نہ تھی۔ مسلمانوں کا رسد کا بڑا ذریعہ مدائن تھا جس پر چند سال پہلے قبضہ کیا تھا اور وہ کافی دور تھا۔ باقی علاقہ جو مسلمانوں کے عقب میں تھا وہ اتنا آباد نہ تھا۔ لڑائی شروع ہوئی تو مسلمان جلدی میں تھے۔ ایرانیوں کو کوئی جلدی نہ تھی۔ وہ اپنی جینی ہوئی زمین پر ایک لاؤ لشکر کے مدافع تھے۔ مدافع کے انتظار والے تمام فوائد ان کے حق میں تھے۔ زیادہ سردی اور خوراک میں کمی کی وجہ سے

بعد میں اگر اسلامی لشکر سپاہی اختیار کرتا تو ایرانی مسلمانوں پر جگہ بجگہ حملے کرتے یا سپاہی کے راستوں کو مسدود کرتے پھر یہ ایرانی فوج پہلی بھاری بھر کم ایرانی فوجوں سے مختلف تھی۔ یہ لوگ نسبتاً ہلکے پھلکے اور متحرک تھے۔

لڑائی کا پہلا دن

چنانچہ مسلمانوں کے پاس ندی پار کئے بغیر کوئی چارہ نہ تھا اور ساری ایران کی مہمات میں جس کی جنگ کو چھوڑ کر یہ پہلی جنگ تھی جہاں پر مسلمان مجبور ہو کر دشمن کی چٹنی ہوئی زمین پر اس پر حملہ آور ہوئے تھے۔ صف آرائی وہی رہی اور ندی بھی دو پہر تک پار کر لی گئی لیکن لڑائی کا تیسرا نعرہ ”اللہ اکبر“ ظہر کی نماز کے بعد دیا گیا جس کو سننے کے بعد اسلامی لشکر نے بھر پور حملہ کر دیا۔ اول اور چڑھ کر آگے بڑھنا تھا اور پھر ایرانیوں نے سخت مقابلہ کیا۔ اس لئے مسلمانوں کو کوئی خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی۔ سوائے اس کے کہ دشمن کی لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔ لیکن کافی مسلمان مجاہد بھی شہید ہو گئے۔

لڑائی کا دوسرا دن

دوسرے دن بھی معاملات ویسے ہی رہے۔ بازو کی طرف سے کوئی چھوٹی موٹی کارروائی بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے سورج کے چڑھنے کے بعد مسلمانوں نے سامنے سے ایک اور بھر پور اور سخت مقابلہ کیا اور نتائج بالکل پہلے ہی دن کی طرح تھے۔ دشمن بے جگرگی سے لڑا۔ اس کی لاشوں سے میدان جنگ پٹے گیا لیکن مجاہدین اس کی صفوں میں کوئی برائے نام شگاف بھی نہ بنا سکے۔

جنگ میں التوا

لگے دو دن جنگ خود بخود ہی تھم گئی۔ مسلمانوں نے کوئی زوردار حملہ نہ کیا اور ایرانی بھی دیکھ بھال میں مصروف رہے لیکن ایرانی بہتر حالات میں تھے۔ میدان جنگ ان کی مرضی کا تھا اور وہ زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہے تھے یعنی ایرانیوں کی جنگ کچھ بامقصد تھی۔ پہلے وہ بادشاہ کی سلطنت کی حفاظت کے لئے لڑ رہے تھے اور اب اپنی بقا کے لئے لڑ رہے تھے۔

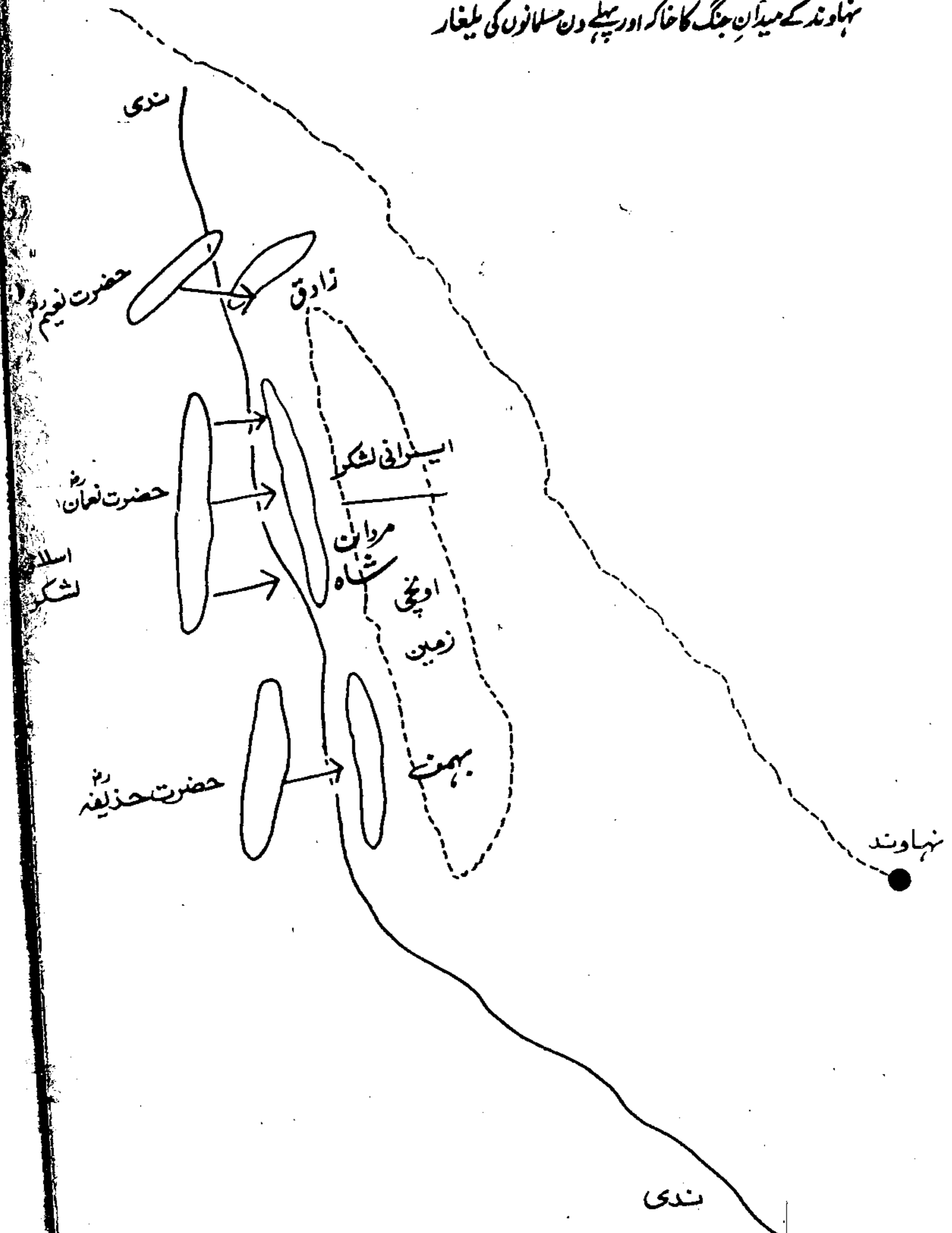
حضرت نعمانؓ کا صلاح و مشورہ

ان حالات میں حضرت نعمانؓ نے میدان جنگ کے چیدہ اور تجربہ کار سرداروں کو اکٹھا کیا اور آئندہ کے طریق کار

ریغیر سکیل کے

نقشہ چہار دہم

نہاوند کے میدان جنگ کا خاکہ اور پہلے دن مسلمانوں کی یلغار



کے بائے میں مشاورت طلب کی۔ برہادر کی آرا کو مورخین نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ آخر جناب طلحہ اور عمر بن معدیکرب کی رائے سے ایک ملی جلی تجویز بنائی گئی کہ دشمن کے چھوٹے چھوٹے حملوں کے سامنے کچھ سپاہی اختیار کی جائیں اور جب دشمن ہمت کر کے خوب آگے بڑھے تو دونوں بازوؤں سے اس کو گھیر لیا جائے۔ اس وقت تک دشمن ایسی زمین پر آگیا ہوگا جو مسلمانوں کی مرضی کی ہوگی۔ اس کے لئے سپاہی کافی زیادہ اور بائیں بازو کی طرف اختیار کرنا پڑتی تھی کہ مدائن کو راستہ ایسی ہی سمت سے جانا تھا۔

مسلمانوں کا نئی تجویز پر عمل

وہیے مسلمانوں نے اپنے لشکر میں کچھ یہ بھی مشہور کر دیا کہ خلیفہ وقت وفات پاگئے۔ ندی کے پار سے آگے والی جویوں کو رات کے اندھیرے میں واپس لایا گیا۔ جمعہ کی صبح اور لڑائی کے پانچویں دن ایرانی کمانڈروں کو مسلمانوں کی "کنزوری" پر کوئی شک نہ رہا اور انہوں نے ندی کو پار کرنا شروع کر دیا۔ مردان شاہ ندی کو پار کر کے پہلے صف بندی کرنا چاہتا تھا اور پھر پور حملہ کرنا چاہتا تھا۔ مسلمانوں نے بھی ایرانیوں کے سامنے اپنی صف بندی کو کچھ قائم رکھا کہ ایرانیوں کو کسی دھوکے کا شک نہ پڑ جائے اور مسلمان بالکل لڑائی قدرتی طریقہ پر لڑ کر سپاہی اختیار کر رہے تھے۔ ایرانیوں کو مسلمانوں کی کنزوری کا پکا یقین ہو گیا اور ان کو فتح نظر آنے لگی۔ مسلمانوں نے کچھ تبدیلی یہ کر دی کہ جناب قعقاع کے رسالہ کو بھی کافی پھیلی اور بائیں طرف ہٹا لیا گیا اور جناب نعیم کو بازوؤں سے ہٹا کر لشکر کے درمیان میں رکھا گیا اور ان کی جگہ جناب مغیرہ اور اشعث کو بھیجا گیا۔ جناب سوید کو بھی درمیان میں لایا گیا۔ ایرانی فوج نے یہ سب دیکھ کر ندی کو کچھ بے ترتیبی سے پار کرنا شروع کر دیا کہ فتح کی خوشی میں ان کی صف بندی میں ہر جگہ کچھ بے ترتیبی آگئی۔ جناب مغیرہ بن شعبہ جو حربی کارروائی میں ماہر مانے جاتے تھے وہ یہ سب کچھ دیکھ کر اس خیال کے حامل ہو گئے کہ ایرانیوں پر اسی وقت جوابی حملہ کر دیا جائے وہ گھوڑے پر سوار تھے۔ انہوں نے سرپٹ گھوڑا دوڑایا اور جناب نعمان کے پاس آئے اور ان کو مشورہ دیا کہ وہ جوابی حملہ کا بہترین وقت تھا۔ جناب نعمان بھی گھوڑے پر سوار تھے اور کفن کی طرح کا سفید لباس زیب تن کیا ہوا تھا اور نہایت صبر کے ساتھ اس گھڑی کے منتظر تھے۔ جس گھڑی بعد دوپہر حضور پاکؐ جوابی حملہ کیا کرتے تھے۔ حضرت مغیرہ کے علاوہ کئی اور سرداروں نے بھی جلدی حملہ کرنے کے بائے میں مشورہ دیا بلکہ کچھ نے ذرا سخت الفاظ استعمال کئے لیکن حضرت نعمانؓ مسکرا دیتے تھے۔ وہ بڑی دھیمی آواز میں جواب دیتے تھے اور فرماتے تھے۔ "اللہ تعالیٰ ہماری عزت رکھے گا اور جو کچھ آپ جلدی

میں حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ وہی انشاء اللہ انتظار اور صبر سے حاصل ہو جائے گا۔ اس کے بعد آپ نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے اور یہ عرض کی: "اے میرے رب میری آنکھوں کو نوح سے ٹھنڈک پہنچا۔ ایسی فتح جس سے اہل اسلام کی عزت دوبالا ہو جائے اور پھر مجھے شہادت نصیب کر دینا۔"

تبصرہ

کچھ مبصروں کا خیال ہے کہ جناب مغیرہؓ بن شعبہ کا مشورہ صحیح تھا بلکہ کئی لوگ یہاں تک بھی چلے گئے کہ اگر حضور پاکؐ اس وقت وہاں پر موجود ہوتے تو وہ وہی کچھ کرتے جو مغیرہؓ بن شعبہ سوچ رہے تھے۔ حضور پاکؐ کیا کرتے ہم اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے۔ ہاں ہمیں معلوم ہے کہ حضور پاکؐ نے فرمایا کہ مسلمانوں! جوابی حملہ بعد دوپہر کے کیا کرو کہ یہ وقت اس کام کے لئے اچھا ہوتا ہے اور آپ نے اکثر حالات میں جوابی کارروائی بعد دوپہر کو ہی کی۔ اس میں حکمت بھی پنہاں ہے کہ جب دشمن سویرے کے وقت کوئی کارروائی شروع کرتا ہے تو دوپہر تک اپنا پورا زور لگا چکا ہوتا ہے اور اس وقت تک کافی تھک چکا ہوتا ہے اگر بہت سے ہی جوابی کارروائی کی جائے تو دشمن اپنی تجویز کو تبدیل بھی کر سکتا ہے یا اپنی کامیابی کو روک کر ادھر بھی سخت مقابلہ شروع کر سکتا ہے۔ بعد دوپہر جوابی کارروائی سے دشمن کے پاس رد عمل کا وقت تھوڑا رہ جاتا ہے۔ بہر حال جناب نعمانؓ کے سامنے صرف یہ بات تھی کہ حضور پاکؐ نے کیا کیا اور اس کا جواب یہ تھا کہ حضور پاکؐ نے بعد دوپہر جوابی کارروائی کی۔ جناب نعمانؓ اپنی ساری کارروائی کو حضور پاکؐ کے فرمان اور عمل پر قربان کرنے کو تیار تھے اور اسلامی فلسفہ حیات کے مطابق تمام حکمت عملیاں، تدبیرات، سلیقے، فن، ہنر اور حربی خوبیاں یا دنیا کا کوئی کام اس چیز کے تابع کر دینا چاہتے تھے جو حضور پاکؐ نے کیا اور اسی میں اسلام کی بڑائی کا راز پنہاں ہے۔

نگاہِ عشق و مستی میں وہی ادل وہی آخر

وہی قرآن وہی فرقاں وہی یس وہی طہ

اقبال

جناب نعمانؓ عشق کے انتہائی مقام پر پہنچ چکے تھے۔ معاملات کو جس طرح وہ سمجھتے تھے اس کو دنیاوی بودے پیمانے کیسے ناپ سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جناب مغیرہؓ خاموشی سے واپس چلے گئے۔

حقلی اور فوجی لحاظ سے بھی جناب نعمانؓ کا تجزیہ صحیح تھا۔ شروع میں دشمن کی بے ترتیب صفوں پر حملہ کیا جاتا تو دشمن ندی کو پار کر کے واپس چلا جاتا اور ادھر ہی بیٹھ جاتا اور معاملہ ادھر کا ادھر ہی رہتا۔ دشمن پر جوابی حملہ اس وقت کیا گیا کہ وہ مکمل طور پر الجھ چکا تھا اور واپس جانے کے قابل نہ تھا اور ایسی شکست سے دشمن کو دوچار ہونا پڑا کہ ایرانی سلطنت ہی ختم ہو گئی۔ اگر جلدی جوابی حملہ کر دیا جاتا تو دشمن شاید ادھی نغری کو بچا کر سپائی اختیار کر لیتا اور پھر کہیں اور لڑائی لڑتا۔ یعنی اس کو نہاوند میں شکست ہوتی۔ شکستِ فاش نہ ہوتی۔

مسلمانوں کا جوابی حملہ

ایرانی آگے بڑھ رہے تھے اور ان کی تمام تر فوج مسلمانوں کے ساتھ گتھم گتھا ہو چکی تھی کہ بعد دوپہر اللہ اکبر کی صدا کے ساتھ مسلمانوں نے جوابی حملہ کر دیا تو ایرانی حیران ہو گئے۔ دوپہر سے پہلے وہ بڑھ چڑھ کر حملے کر رہے تھے اور مسلمان صبر سے ان کے حملے برداشت کر رہے تھے بلکہ ایک بازو سے جناب قعقاعؓ کا رسالہ ایرانیوں کو گھیرے میں لینے کی کوشش کر رہا تھا اور دوسرے بازو سے مسلمان پیدل فوج قعقاعؓ کے ساتھ ربط پیدا کرنے کے لئے آگے بڑھ رہی تھی۔ سامنے والی ایرانی فوج پھر بھی معاملات کو نہ سمجھ سکی۔ ان کو خیال تھا کہ مسلمان کسی بڑی سپائی کی تجویز کو چھپانے یا زیادہ سے زیادہ لشکر کو دشمن کے چنگل سے چھڑانے کے لئے ریسرگارد کی سخت کارروائی کر رہے ہیں اگر وہ مسلمانوں کی چال کو سمجھ جاتے اور جلدی سپائی اختیار کر لیتے تو شاید فوج کا کچھ حصہ بچ کر نکل سکتا لیکن ان کی غلط فہمی قائم رہی اور وہ جال میں پھنس چکے تھے۔ حضرت مغیرہؓ کو اپنا اختلاف بھول چکا تھا اور جناب اشعثؓ طلیحہؓ اور عمر بن معدیکربؓ وغیرہ کے ساتھ بل کر دشمن کی فوجوں کو وہ مولیٰ گاجر کی طرح کاٹ رہے تھے۔

حضرت نعمانؓ کی یلغار

حضرت نعمانؓ یلغار کا حکم دے چکے تھے اور فرما چکے تھے کہ اب جذبہ جہاد اور چھاتی کے زور سے اللہ اور رسولؐ کی خوشنودی حاصل کی جائے اور کسی اور حکم کی ضرورت باقی نہ رہے گی تھی تو آپ خود آگے بڑھ کر دشمن کو تہس نہس کر رہے تھے۔ آپ کے دونوں بھائی سویدؓ اور نعیمؓ جان چکے تھے کہ ان کا عظیم بھائی آج اپنے خاندان، انصار مدینہ اور اہل اسلام کے نام کو چار چاند لگانے پر تلا ہوا ہے اور شہادت کی خوشبو ان کی رگ رگ میں بس چکی تھی۔ دشمن پر وار کے بعد محمود

آنکھوں سے وہ اپنے دونوں بھائیوں کو دیکھتے تھے اور شاید اسی لئے جناب نعیمؒ کو بازو سے ہٹا کر درمیان میں لے آئے تھے کہ ضرورت کے وقت وہ ان کو سنبھالادیں اور پھر وہ وقت آگیا کہ جناب نعمانؒ کو اتنے زخم آچکے تھے کہ وہ اپنے آپ کو نہ سنبھال سکے۔ جناب نعیمؒ ان کے ہم شکل بھی تھے اور انہوں نے لشکر پر یہ نہ ظاہر ہونے دیا کہ سپہ سالار آخری دم پر ہے وہ خود "نعمان" بن گئے اور جناب سویدؒ نے اپنے عظیم بھائی کو زمین پر لٹا دیا اور منہ کو چادر سے ڈھانپ دیا اور خود جہاد میں مصروف ہو گئے۔

ایرانیوں نے غلطی یہ کی تھی کہ ندی پار کرنے کے بعد کچھ لوگوں نے اپنے آپ کو زنجیروں میں باندھ لیا تھا یا اوپر والوں کے حکم سے "پابہ زنجیر" کر دیئے گئے اور جناب نعمانؒ کا دل بے تاب اس وقت کا انتظار کر رہا تھا کہ جب ایرانی بندھ جائیں تو پھر جوابی حملہ ہو۔ آدھے یا اس سے کچھ کم باندھ دیئے گئے اور باقی آدھے جب مسلمانوں کے جوابی حملے کی تاب نہ لاسکے اور پیچھے مڑے تو اوندھے منہ ان بندھے ہوئے لوگوں پر گرنے لگے اور پیچھے سے مسلمانوں کی تلوار سب کا کام تمام کر رہی تھی۔ لاشوں کے ڈھیر اس قدر لگ گئے کہ مسلمانوں کو ان لاشوں کے اوپر سے کود کر آگے بڑھنا پڑا۔ سورج کے غروب ہونے سے پہلے ایرانیوں کو مکمل شکست ہو چکی تھی اور جناب عمارؒ بن بامرؒ کے بھائی معقلؒ جناب سپہ سالار نہادند، نعمانؒ بن مقرنؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زمین پر جھک کر عرض کی۔ "اے سالار اللہ تعالیٰ نے فتح سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیں۔"

جناب نعمانؒ کے آخری الفاظ

حضرت نعمانؒ نے یہ خوشخبری سننے کے بعد آنکھیں کھول دیں اور فرمایا "الحمد للہ۔ خلیفہ دوم کو اس کی جلد اطلاع دے دینا" اور پھر ان کے چہرہ مبارک پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی کہ شہادت کا تحفہ ان کو پیش ہو رہا تھا۔ اور بربلب تبسم آید "کا وقت آگیا تھا۔ قارئین یہ ہے مسلمان کا فلسفہ حیات۔ اگر آپ نے تصور میں جناب نعمانؒ کے چہرہ مبارک کا بلور نہیں لیا تو اپنے قلب کا علاج کرائیں۔

شہادت کا تحفہ

یہ شہادت کا تحفہ کئی ہزار مسلمانوں کو نصیب ہوا۔ مورخین نے شہدا کی تعداد نہیں لکھی۔ طبری

کے مطابق ایک لاکھ سے زیادہ ایرانی مارے گئے لیکن اس کے لحاظ سے ایرانی لشکر کی تعداد بھی ڈیڑھ لاکھ تھی۔ ہمارا اندازہ باقی مورخین اور اسلامی لشکر کے تناسب سے یہ ہے کہ دشمن کے لشکر کی تعداد کوئی لاکھ کے قریب ہوگی۔ لہذا ساٹھ ہزار کے قریب مارے گئے ہوں گے۔ اس لئے مسلمان شہدا کی تعداد بھی چھ سات ہزار سے کم نہیں کیونکہ شہادت کا تحفہ وصول کرنے والوں میں جناب طلحہؓ اور عمرؓ بن محمد کرب بھی تھے جو ہر جنگ میں اپنی بہادری کا لوہا منوا چکے تھے۔ اسلام سے پہلے ایک جھوٹی نبوت کا دعوے دار دوسرا مرتد تھا۔ پھر دونوں نے توبہ کی اور اسلام کی آغوش میں داخل ہوئے۔ اللہ کی عطا ہے کہ ان کا خاتمہ نیک ہوا اور ان کی آخری آرام گاہ بھی جناب نعمانؓ جیسے اسلام کے عظیم فرزند کے نزدیک ہے اور آج ہم جناب طلحہؓ اور جناب عمرؓ بن محمد کرب کے نام مبارک کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لفظ لگا کر اپنے دل کو تسلی دیتے ہیں کہ ایسے لوگ ہمارے قافلہ میں ہو گزرے ہیں۔

دشمن کا تعاقب

فتح کے بعد جناب نعیمؓ نے خلیفہ دوم کے احکام کے تحت اسلام کا علم جناب خدیفہؓ کے پیرو کر دیا۔ رات پڑ چکی تھی۔ اس لئے فوری تعاقب نہ ہو سکا۔ صبح سویرے جناب خدیفہؓ نے خود آگے بڑھ کر دور دور تک دشمن کا تعاقب کیا۔ کچھ لوگوں نے نہادند شہر کے اندر قلعہ بند ہونے کی کوشش کی لیکن ڈر گئے اور آخر بھاگنے کو ترجیح دی۔ ویسے کافی ایرانی جنگی قیدی بھی بنائے گئے اور متعدد مال و دولت مسلمانوں کو مال غنیمت کے طور پر حاصل ہوا۔

نخیر جان کا خزانہ

جنرل نخیر جان کا ذکر دائن کی طرف مسلمانوں کی پیش قدمی کے وقت ہو چکا ہے کہ وہ رستم کی مدد کو آ رہا تھا اور زیر کعب میں ہلاک ہوا۔ یہ نخیر جان اسی نہادند کے علاقہ کا جاگیر دار تھا اور یزد جزد کے دادا کے زمانے میں بھر پور جوانی میں تھا اور اس کی ایک بڑی خوبصورت بیوی تھی۔ وہ عورت کسی طرح یزد جزد کے دادا خسرو پر دیز کے جرم میں داخل ہونا چاہتی تھی اور نخیر جان کو پتہ چل گیا اور اس عورت سے نہ صرف لا تعلق ہو گیا بلکہ باتوں باتوں میں ایک طریقہ کے ساتھ نخیر جان نے وہ عورت شہنشاہ کو پیش کر دی۔ شہنشاہ نے

نہ صرف اس پیشکش کو منظور کیا بلکہ اس عورت کو دیکھ کر اتنا خوش ہوا کہ اپنے حرم سے ہر عورت سے قیمتی تحفے بھی اس عورت کو دلوائے اور خود بھی نخیر جان کو مالا مال کر دیا۔ چند ماہ بعد خسرو یرویز مر گیا اور وہ عورت مال و دولت کے ساتھ نخیر جان کے پاس واپس آگئی اور جلدی مر گئی یا ماری گئی۔ بہر حال ایران میں نخیر جان شہنشاہ کے بعد دوسرے نمبر کا امیر آدمی تھا۔ اور اس کا سارا خزانہ تہاوند کے قریب ایک قلعہ میں چھپا ہوا تھا جو مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔

تبصرہ

قارئین کو شاید یہ کہانی پسند نہ آئے کہ ہم نے جو قلم کی پاکیزگی کا وعدہ کیا ہوا تھا اس لحاظ سے یہ کہانی اس کتاب کے لئے موزوں نہ ہو۔ لیکن مولانا روم کی مثنوی پڑھ لیں اس میں باطل فلسفہ والوں کی ایسی کہانیاں موجود ہیں اور ہم اس کہانی سے زر اور زن کے فتنہ کی بے غیرتی والے اثرات اور ایران کے زوال پذیر حکمرانوں کی زندگی کے حالات سے قارئین کو آگاہ رکھنا چاہتے ہیں کہ ان سے ہم سبق سیکھیں۔ جو ہر مرد عیاں ہوتا ہے بے منت غیر

غیر کے ہاتھ میں ہے جو ہر عورت کی نمود!

(اقبالؒ)

مال غنیمت اور دولت

مسلمانوں نے مال غنیمت سے پانچواں حصہ اور نخیر جان کا سارا خزانہ مدینہ بھیج دیا۔ خلیفہ نے نخیر جان کا خزانہ عراق و ایران واپس کر دیا کہ افواج کی کفالت پر خرچ کیا جائے۔ مال غنیمت اور جزیرہ سے اب دولت کی ریل پیل شروع ہو چکی تھی۔ حضرت عمرؓ اسی وجہ سے بہت زیادہ آگے پیش قدمی کی اجازت نہ دے رہے تھے کہ دولت کی ریل پیل کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا اور مجاہدین غیروں کے تمدن کو اپنانے لگ گئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان غلط راستوں پر بڑے بند باندھے اور بعد میں حضرت عثمانؓ کے زمانے میں جناب ابوذر غفاریؓ نے بھی بہت کوشش کی کہ مسلمان دولت کے چکر میں نہ پڑیں ورنہ اپنے فلسفہ حیات سے دور ہو جائیں گے۔ دولت کو صرف قناعت اور ضرورت تک محدود رکھا جائے اور اپنے فقر کو ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے۔

جنگ کے نتائج و اسباق

۱۔ جنگ نہاوند کو اسلام کی تاریخ میں فتوحات کی فتح کا نام دیا گیا ہے اور اس کے بعد ایرانی شہنشاہیت کا خاتمہ ہو گیا۔ اس محاذ پر باطل کی تلوار والا فتنہ تو ختم ہو گیا لیکن باطل کے تین "زالوں" یعنی زر، زمین اور زن کا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا۔ زن کا مسدہ تو دین فطرت نے کچھ حل کیا ہوا تھا کہ چار شادیوں کی اجازت تھی۔ لیکن زر اور زمین کا فتنہ ایک طرف حسد اور دوسری طرف سہل زندگی کو لے آتا تھا۔ سہل زندگی کے بعد ہم "امن پسند" ہو جاتے ہیں۔ اور امن پسندی کے چکر میں تلوار کو سرد خانے میں رکھ چھوڑتے ہیں اور دیکھ لیں کہ آج اسی تلوار کے لئے غیروں کے آگے ہاتھ پھیلا رہے ہیں اور ہم آزاد ہوتے ہوئے بھی معتمد کی طرح قید خانے میں فریاد کر رہے ہیں۔

مرد حر زنداں میں ہے بے نیزہ و شمشیر

میں پشیمان ہوں پشیمان ہے مری تدبیر بھی

اقبالؒ

۲۔ ایک ضروری سبق یہ ہے کہ جب حضور پاکؐ کی سنت موجود ہو تو اس کو اپناؤ وہی حکمت عملی ہے۔ اس چکر میں نہ پڑیں کہ حضور پاکؐ اگر آج ہوتے تو یہ کرتے۔ حضورؐ کی سنت اپنانا ہی بہت بڑی حکمت عملی ہے۔

۳۔ اس جنگ کے باقی اسباق ساتھ ساتھ بیان کر دیئے گئے ہیں اور تبصرے و جائزے بھی ساتھ پیش کر دیئے گئے ہیں۔ ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ سپانی اختیار کر کے دشمن کو شکنجہ میں لینے کی کارروائی بہت مشکل تجویز ہوتی ہے۔ ۱۹۷۱ء میں سیالکوٹ کے محاذ پر ہم نے بھی دشمن کو شکنجہ میں لینے کے لئے سپانی اختیار کی۔ اور نہاوند کے معرکہ میں اس قسم کے معرکوں کی نقل کی اور اپنے علاقوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ ایسی کارروائی کے لئے بڑے دل گردے اور اعلیٰ تربیت یافتہ فوج کی ضرورت ہوتی ہے اور ہم یہ نہیں کہتے کہ پاکستان کی فوج اعلیٰ تربیت یافتہ نہیں لیکن جو فوج یا قوم فار بندی کو مد نظر رکھ کر تجاویز بنائے وہ ایسی کارروائی نہ ہی کرے تو بہتر ہے۔ البتہ پوری قوم کو اللہ کی فوج بنایا جائے اور تمام تر حکمت عملی اور تدبیرات اسلامی فلسفہ حیات کے تحت ہوں تو پھر ہر تدبیر انشاء اللہ کامیاب ہوگی۔

اٹھائیسواں باب

ایرانی شہنشاہیت کا خاتمہ

نقشہ پانزدہم یعنی پندرہویں نقشہ کا غور سے مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ نہادند کی فتح کے بعد بھی آدھے سے زیادہ ایران ابھی باقی تھا۔ جہاں پر ابھی اسلامی لشکر کے کسی مجاہد نے قدم نہ رکھا تھا۔ مسلمانوں کا مقصد یہ تو نہ تھا کہ ایران کو تباہ و برباد کیا جائے اور چپہ چپہ پر لڑائی ہو۔ نہ وہ لوٹ مار کرنے آئے تھے کہ دولت سمیٹ کر مکہ مدینہ لے جاتے۔ وہ تو وہاں سے دولت واپس کر رہے تھے وہ تو اللہ اور اس کے رسول کے احکام نافذ کرنے آئے تھے اور جو اللہ اور رسول کے احکام قبول کر لیتا تھا وہ ان کی قوم یعنی امت واحدہ میں شامل ہو جاتا تھا اور حضور پاک کے مبعوث ہونے کا یہی مدعا تھا۔

خلفاء راشدین کی حکمت عملی

پہلے دونوں خلفاء کی مشرق کی طرف اسلام کو پھیلانے کی حکمت عملی نے نہادند کے مقام پر تاج پہن لیا تھا۔ اس کے بعد کی بہات کی تفصیل میں مؤرخین بھی نہیں گئے۔ کیونکہ یہ سب "صفائی" کا کام تھا۔ تیزی سے پیش قدمی کر کے اسلامی لشکر کسی بھی جگہ پر جا کر قبضہ کر لیتے تھے۔ اس سلسلہ کی کاروائیوں کو مختصر طور پر بیان کیا جاتا ہے:

۱۔ کوفہ میں حضرت عمارؓ بن یاسرؓ کو تبدیل کر کے حضرت میسرۃؓ بن شعبہؓ کا تعین کیا گیا۔ پارسانی، قربانی اور حضور پاکؐ کی رفاقت کے سلسلہ میں حضرت عمارؓ کا مقام بہت اونچا ہے لیکن حالات پر مکمل حاوی ہونے کے لئے حضرت میسرۃؓ بن شعبہؓ جیسے زمانہ ساز، سیاست داں اور فوجی ماہر کی ضرورت تھی۔ مفتوحہ علاقوں میں اتنی زیادہ وسعت ہو چکی تھی کہ اس کام کے لئے حضرت میسرۃؓ جیسے ان تھک صاحب کی ضرورت تھی۔ ویسے جناب عبداللہؓ بن مسعود کوفہ میں نائب کا کام انجام دے رہے تھے اور وہاں پر انہوں نے ایک مکتب کی بنیاد ڈالی جس سے علم حاصل کر کے مسلمان علماء دور دراز علاقوں میں اسلام کی تبلیغ کے لئے جاتے تھے۔ امام شافعیؒ اور امام اعظمؒ وغیرہ نے اسی مکتب سے فقہ اور علم حدیث کا علم حاصل کیا۔

۲-۲۱ ہجری کے آخر میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود کو عراق سے ایک لشکر کے ساتھ نہادند والے راستے اسفہان

پر چڑھائی کا حکم ملا۔ بعد میں آپ کی امداد کے لئے جناب ابو موسیٰ اشعریؓ کو بھیجا گیا۔ حضرت احنات بن قیس جن کو خراسان کے علاقہ پر چڑھائی کے لئے بھیجا گیا تھا۔ وہ بھی حضرت عبداللہؓ کے ساتھ مل گئے کہ انہوں نے بھی ادھر ہی سے گزر کر جانا تھا اور تینوں نے مل کر اصفہان فتح کر لیا۔

۳۔ خلیفہ دوم کے حکم کے مطابق اصفہان کو فتح کرنے کے بعد عبداللہؓ اور ابو موسیٰؓ کے دونوں لشکروں کی کاٹھ جناب ابو موسیٰؓ کو ملنا تھی جن کی ذمہ داری یہ تھی کہ کاشان اور قم پر لشکر کشی کریں۔ یہ کام انہوں نے کامیابی کے ساتھ پورا کر لیا۔

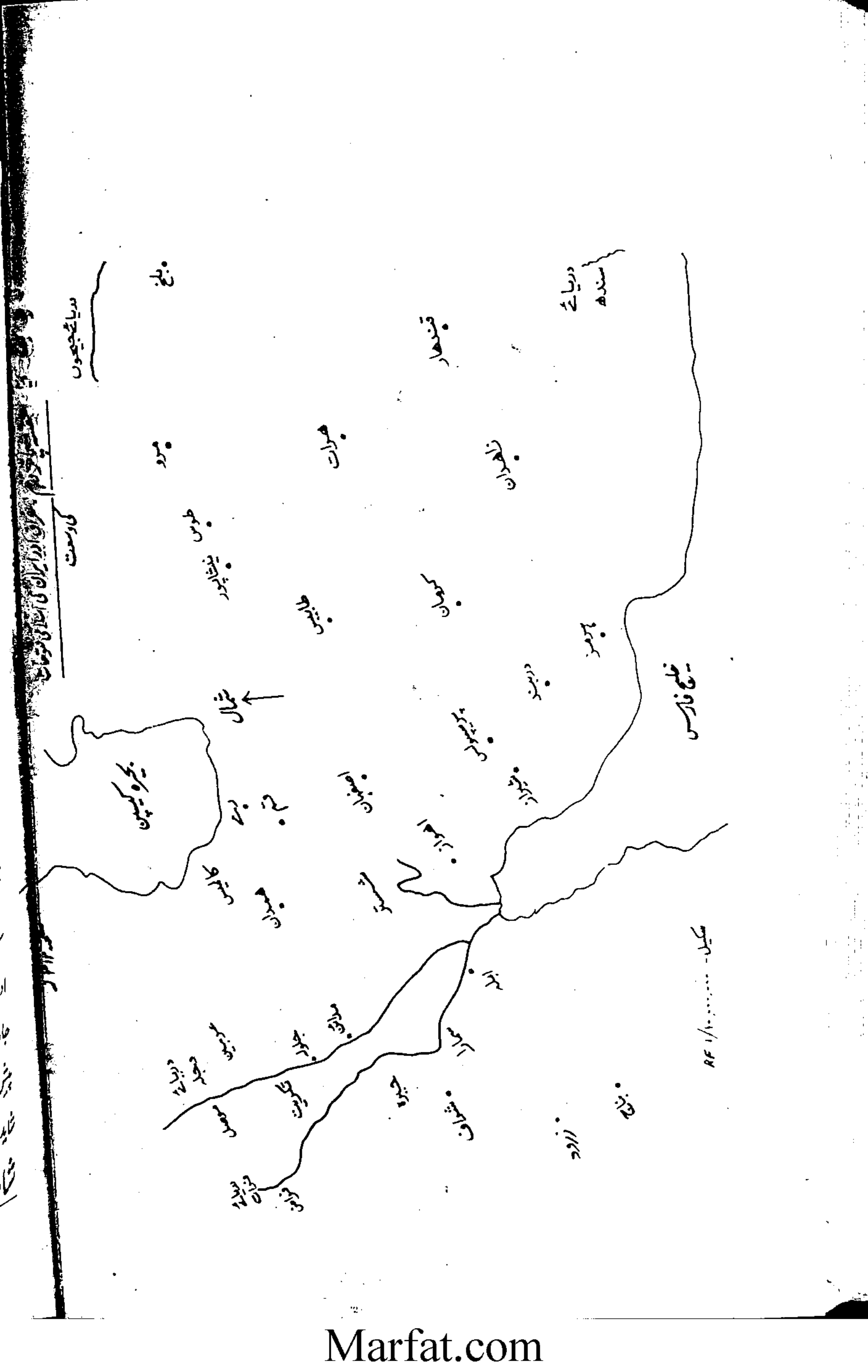
۴۔ ان کاروائیوں کے مکمل ہونے کے بعد حضرت نعیم بن مقرنؓ کو حکم ملا کہ بارہ ہزار کے لشکر کے ساتھ سے پر چڑھائی کریں۔ بے بڑی فوجی اہمیت والا مقام تھا اور انہوں نے ہمدان سے گزر کر وہاں جانا تھا۔ اہل ہمدان پہلے ایک نفعہ باجگزاری اختیار کرنے کے بعد پھر بغادت پر آمادہ ہو گئے تھے۔ بہر حال انہی دنوں جیسا کہ نمبر شمارتین میں ادھر بیان کیا ہے۔ ابو موسیٰؓ جناب نعیمؓ کے دائیں بازو پر آگے بڑھ رہے تھے اور اس لئے جناب نعیمؓ نے زیادہ تسلی کے ساتھ پیش قدمی کی۔ پہلے ہمدان کے باغیوں کا مزاج درست کیا پھر کئی جھڑپوں کے بعد سے پہنچے اور وہاں پر اسلام کے جھنڈے لہرا دیئے۔

۵۔ اسے سے آگے حضرت نعیمؓ کے بھائی حضرت سویدؓ کے ایک لشکر نے طبرستان کے وسیع علاقہ پر قبضہ کر لیا۔

۶۔ ۲۲ ہجری تک یہ تمام مہمات ختم ہو چکیں تو مسلمانوں نے آذربائیجان کا رخ کیا اور کوفہ میں جناب مغیرہ بن شعبہ کو حکم ملا کہ حضرت حذیفہ بن الیمان کو ایک بڑا لشکر مہیا کریں جو آذربائیجان پر چڑھائی کرے۔ حضرت نعیمؓ کو حکم ملا کہ اس لشکر کے لئے وہ بھی کمک مہیا کریں۔ جس کی وجہ سے دیر ہو گئی۔ بہر حال حضرت حذیفہؓ نے آگے بڑھ کر در بند تک تمام علاقے فتح کر ڈالے۔ پھر جناب حذیفہؓ کی جگہ جناب شیبہ بن فرقاد کو مقرر کیا گیا جنہوں نے آرمینیا اور جھیل کیسپین کے علاقوں تک اسلام کے علم لہرا دیئے۔

۷۔ آذربائیجان کی مہم ابھی جاری ہی تھی تو خلیفہ دوم نے مختلف لشکر بھجوا کر خوزستان اور فارس سے شہراز تک کے علاقوں کو اسلامی قلمرو میں شامل کر لیا۔

۸۔ اس کے بعد جناب عاصم بن عمرؓ نے ستیان پر چڑھائی کی اور وہ خود پاکستان و ایران کی موجودہ سرحد پر زاہدان کے مقام تک آئے اور آگے سہل بن عدی کو بھیجا جس نے دریائے سندھ تک مکران کے علاقے فتح کئے اور



پہلے ایران اور ایران کی اسلامی سرحدوں کی وضاحت

دریا جیحون

بلخ

میرد

طوس

نیشاپور

ہرات

قندھار

زابلخان

دریائے سندھ

شمال ↑
تہران
مشکو
کاشان
اصفہان
ہمدان
کربلا
کربلا

اصفہان

مشکو

کاشان

اصفہان

کربلا

کربلا

اصفہان

اصفہان

اصفہان

اصفہان

اصفہان

اصفہان

اصفہان

اصفہان

اصفہان

اصفہان

اصفہان

کیل - 1:100,000 RF

دریائے سندھ پر رک گئے۔

۹۔ اس کے بعد جناب احنات بن قیس نے نیشاپور، ہرات، طرطوس اور بلخ کے علاقوں تک اسلام کے علم گاڑ دیتے۔ یہاں پر یزدجرد نے بھی آخری مقابلہ کیا اور اس کے بعد دریائے جیحون کو پار کر کے چینی ترکستان کی طرف بھاگ گیا اور مسلمان دریائے جیحون پر رک گئے۔

۲۳ ہجری تک ایران کا چپہ چپہ مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا بلکہ موجودہ افغانستان روسی ترکستان اور جنوبی پاکستان کے کئی حصوں پر بھی اللہ اور اللہ کے رسول کا نام بلند ہو رہا تھا۔ تیسری کتاب کے چھٹے اور ساتویں ابواب میں ان فتوحات اور دستوں کو باقاعدہ طور پر بیان کیا گیا ہے۔

تبصرہ

یہاں قارئین کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ سوال کریں کہ حضرت عمرؓ نے دریائے سندھ اور دریائے جیحون سے آگے پیش قدمی کیوں روک دی اور مسلمانوں نے بعد میں اور ملکوں کو اس تیزی سے فتح نہ کیا جس طرح پہلے دو خلفاء کے زمانے میں کیا۔ سوال بڑا اہم ہے اور اول تو اللہ کو ایسے ہی منظور تھا۔ دوم ملک فتح کرنے تو آسان ہوتے ہیں۔ فتح کو قائم رکھنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ باطل تواریک کو پھینک دینے کے بعد کسی اور شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ مسلمانوں نے وسیع علاقے فتح کئے۔ وہاں اللہ کے نظام کو جاری کیا اور کسی نہ کسی شکل میں اسلامی نظام جاری ہے اور یہ سب ہماری تاریخ کا حصہ ہے۔ لیکن نظام مصطفیٰ جو نظام جہاد کا دوسرا نام ہے۔ وہ صرف خلفائے راشدین کے زمانے میں جاری رہ سکا اور پھر اس میں بھی دراڑیں پڑنا شروع ہو جاتی ہیں۔ یہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔ اللہ کا کوئی نیک بندہ اور مجاہد پیدا ہو گیا اس نے نظام مصطفیٰ کو بحال کر دیا۔ باطل اور حق کی یہ کشمکش ہمارے اندر بھی جاری ہے اور باطل باہر سے بھی ہم پر حملہ آور ہوتا رہتا ہے۔ حضرت عمرؓ اس زمانے میں اگر اور زیادہ پیش قدمی کی اجازت دیتے تو اتنے علاقوں کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا اور مشیت ایزدی معاملات کو شاید اس طرح چلانا چاہتی ہے کہ ہمارا امتحان جاری و ساری ہے۔ ورنہ "کھیل" کب کا ختم ہو گیا ہوتا۔

شاہ یزدجرد

ایران کے آخری بادشاہ کی بد قسمتی کہ اس کے دل سے بادشاہت کی حُب ختم نہ ہو سکی۔ اور آخر حضرت

عثمان کے زمانے میں اپنے ہی لوگوں کے ہاتھ سے مرد کے علاقے میں ذلت آمیز حالت میں ہلاک ہوا۔ اس کا دادا اپنے بیٹوں کو شادی کی اجازت نہ دیتا تھا گویا بیٹی تین ہزار عورتیں تھیں کہ کسی نجومی نے اس کو بتایا تھا کہ اس کا کوئی پوتا ایران کا آخری بادشاہ ہوگا۔ اس کی چہیتی بیوی شیریں (فریاد کی معشوقہ) نے یزدجرد کے باپ کی پوشیدگی سے ایک بال سنوار نے والی لڑکی سے شادی کرادی۔ یزدجرد پوشیدگی میں پیدا ہوا اور پوشیدگی ہی میں اس کی پرورش ہوئی۔ اس کا تخت پر آنا بھی ایک ڈرامہ تھا اور آگے جو کچھ اس کے ساتھ ہوا وہ بیان کر دیا گیا ہے۔

اگر یزدجرد اسلام قبول کر لیتا تو اس کے دونوں جہان سنور جاتے۔ بہر حال اس کی ایک بیٹی کے بارے میں عجیب و غریب روایات ہیں کہ نو عمری میں مسلمانوں کے ہاتھ لگ گئی اور مدینہ بھیج دی گئی مدینہ پہنچ جانے کے بعد حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ تھا کہ گویہ لڑکی ایک دنیاوی شاہ کی بیٹی ہے۔ پھر بھی اس کی عزت کی جائے اور ہمارے دو جہانوں کے سرکار کے نواسے امام حسینؑ کو یہ لڑکی پیش کی گئی اور ان کے عقد میں آئی۔ انہی کے بطن سے امام زین العابدینؑ پیدا ہوئے۔

حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں اس محاذ کی کہانی یہاں تک پہنچتی ہے۔ دوسری کتاب میں جناب صدیق اکبرؓ اور جناب فاروقؓ دونوں کی خلافت کے زمانے کے شام کے محاذ کے حالات ہیں اور گو جناب فاروقؓ ہی کے زمانے میں تیسرا محاذ مصر اور افریقہ کا بھی کھل گیا تھا۔ لیکن اس کا ذکر تیسری کتاب میں ہے۔ ان الفاظ کے ساتھ ہم اس سلسلہ کی پہلی کتاب کو ختم کرتے وقت اپنے ان تمام بزرگوں پر سلام بھیجتے ہیں، جن کا ذکر خیر اس کتاب میں ہے اور اپنے لئے اللہ تعالیٰ سے صراطِ مستقیم کی التجا کرتے ہیں۔

ارلق :- ص ۲۹۵

ارون :- ص ۱۳

آرمینیا :- ص ۲۳۹ ، ۳۱۲

آرنلڈ :- ص ۲۵۶

آزادبہ :- ص ۱۳۹ ، ۱۴۰ ، ۱۴۱ ، ۲۲۳

ازد :- ص ۴۳ ، ۴۴ ، ۲۲۱ ، ۲۶۴

ازدشیر :- ص ۱۱۵ ، ۱۲۱ ، ۱۲۳ ، ۱۳۰

آزمیدخت :- ص ۱۹۳

اسامہ بن زید رض :- ص ۳ ، ۱۴ ، ۱۳ ، ۱۵

۱۶ ، ۱۷ ، ۱۹ ، ۲۰ ، ۲۲ ، ۲۳ ، ۲۵ تا ۲۷

۲۹ تا ۳۱ ، ۱۵۹ ، ۱۹۵

اسد :- ص ۱۹ ، ۲۰ ، ۲۳ ، ۳۵ ، ۳۸ ، ۴۲

۱۸۸ ، ۲۳۵ ، ۲۶۴ ، ۲۶۸

اسود غنسی :- ص ۱۹ ، ۶۰ ، ۷۷ ، ۹۸

اسماء بنت عمیس :- ص ۲۳۹

اشعث بن قیس :- ص ۷۹ ، ۲۳۱ ، ۲۵۰

۲۶۳ ، ۲۶۸ ، ۲۷۰ ، ۳۰۳ ، ۳۰۵

اصفہان :- ص ۲۹۷ ، ۳۱۱ ، ۳۱۲

اعبد رض :- ص ۱۶۷ ، ۱۶۸

اعظم :- ص ۸۹ ، ۳۱۱

افریقہ :- ص ۲۳۳ ، ۳۱۳

افغانستان :- ص ۳۱۳

اقبال :- ص ۱۲ ، ۱۵ ، ۱۶ ، ۲۹ ، ۳۲ ، ۶۰

۲۱۵ -

اسیر بن حصیر :- ص ۱۰۰

ابوشجرہ :- ص ۳۱ ، ۳۲ ، ۳۴ ، ۸۲

ابوعبید ثقفی رض :- ص ۱۹۷ تا ۱۹۹ ، ۲۰۱ تا

۲۰۶ ، ۲۰۸ ، ۲۰۹ ، ۲۱۰ ، ۲۱۳ تا ۲۱۷

۲۳۵ ، ۲۳۶ ، ۲۶۶ ، ۲۹۰

ابوعبیدہ بن جراح رض :- ص ۲ ، ۸ ، ۹ ، ۱۱

۲۷ ، ۳۲ ، ۱۰۰ ، ۱۶۵ ، ۱۸۱ ، ۱۸۵ ، ۱۸۶

۱۹۷ ، ۲۱۵ ، ۲۳۱ ، ۲۶۵ ، ۲۸۶

ابوقنادہ انصاری رض :- ص ۵۳ ، ۵۵

ابوقحافہ رض :- ص ۱۳

ابولیلی رض :- ص ۱۶۸ ، ۱۶۹ ، ۱۷۱

ابومحسان رض :- ص ۲۱۰

ابومحجن رض :- ص ۲۶۵ ، ۲۶۷ ، ۲۶۸

ابوموسیٰ رض :- ص ۲۹۳ ، ۲۹۵ ، ۲۹۸

۳۱۲

ابوہریرہ رض :- ص ۲۱۵

ابویوسف :- ص ۸۹

اجنادین :- ص ۱۹۸ ، ۲۶۵

احد :- ص ۲۸ ، ۴۲ ، ۱۲۸ ، ۲۰۶ ، ۲۹۸

احناف رض بن قیس :- ص ۳۱۲ ، ۳۱۳

آدم :- ص ۷

آذربائیجان :- ص ۲۹۷ ، ۳۱۲

۱۲۲، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۹۰، ۲۲۶، ۲۲۹، ۲۳۹

۲۸۶

اندازگر (اندازغر) :- ص ۱۲۱ تا ۱۲۷

انس رضی :- ص ۶۶

انوشجان :- ص ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۶، ۱۱۸

۱۱۹، ۱۲۶

انورپاشا :- ص ۱۵

اوجار اچا :- ص ۳۶، ۳۸، ۳۲

اومان (عمان) :- ص ۲۶، ۳۱، ۵۸، ۷۳ تا

۷۵، ۸۲، ۸۳

ایاز کاباغ :- ص ۴۳، ۶۶ تا ۶۸، ۱۳۶

ایبے سینیا (حبشہ) :- ص ۹۷، ۱۱۳

ایران :- ص ۲۶، ۲۷، ۸۰، ۸۳، ۸۹ تا

۹۵، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۱، ۱۱۳

۱۱۵، ۱۱۷ تا ۱۲۲، ۱۲۳ تا ۱۲۸، ۱۳۰، ۱۳۱

۱۳۳، ۱۳۷ تا ۱۴۰، ۱۴۸، ۱۵۱، ۱۵۲،

۱۵۴، ۱۵۶، ۱۶۷ تا ۱۷۰، ۱۷۹ تا ۱۸۱

۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۲، ۱۹۳

۱۹۸ تا ۲۰۱، ۲۰۵ تا ۲۰۷، ۲۰۹، ۲۱۵

۲۱۷، ۲۱۹، ۲۲۳، ۲۲۵، ۲۲۷ تا ۲۲۹

۲۳۳، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۴۰، ۲۴۳، ۲۴۹

۲۵۰، ۲۵۲ تا ۲۵۸، ۲۶۳، ۲۶۷، ۲۶۹

۲۷۱، ۲۷۳، ۲۷۴ تا ۲۷۹، ۲۸۱ تا ۲۸۳

۱۰۴، ۸۹، ۸۸، ۸۶، ۸۳، ۸۱، ۶۴ تا

۱۰۶، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۲۰، ۱۲۳، ۱۲۸، ۱۳۸

۱۳۳ تا ۱۳۵، ۱۳۹، ۱۵۷، ۱۶۲، ۱۶۳

۱۷۷، ۱۸۱، ۱۸۸، ۱۹۳، ۱۹۵، ۲۱۷

۲۲۰، ۲۲۳، ۲۳۹، ۲۵۱، ۲۵۳، ۲۸۵

۲۸۷، ۲۹۲، ۲۹۹، ۳۰۳، ۳۰۸، ۳۰۹

انقرع بن جالب :- ص ۱۵۲، ۱۶۳

اکرم :- ۱۳۶، ۱۷۷، ۲۳۱

اکبدر :- ص ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۳

البیرونی :- ص ۱۷۲

الحکم رضی :- ص ۲۱۰

الربیع رضی :- ۲۵۳

المنذر بن حسان :- ص ۲۲۱

الیس :- ص ۱۲۳، ۱۳۱، ۱۳۳، ۱۳۶، ۱۳۷

۱۳۶، ۱۵۶، ۱۹۹، ۲۰۷، ۲۱۹، ۲۲۰

امامہ بنت حمزہ رضی :- ص ۶۸، ۲۳۹

ام حبیبہ رضی :- ص ۶۲

ام سلمیٰ رضی :- ص ۳۱، ۳۲، ۳۷، ۸۲

ام سلمہ رضی :- ص ۳۵، ۷۶

ام عمارہ رضی :- ص ۶۲، ۶۷، ۷۲

امغیشیا :- ص ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۷

آمنہ رضی :- ص ۲۳۱

انبارہ :- ۱۳۳، ۱۳۸، ۱۵۱ تا ۱۵۳، ۱۵۵

بشروثنی :- ص ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۱

۱۴۷، ۱۴۶

بشیر بن الخاصه :- ص ۱۸۸، ۲۳۸

بشیر بن سعد :- ص ۱۰۰، ۲

بصره :- ص ۹۳، ۱۰۳، ۱۳۱، ۲۰۰

۲۱۵، ۲۳۳، ۲۸۷، ۲۸۹، ۲۹۳

۲۹۳، ۲۹۸، ۲۹۵، ۲۹۹

بطحا :- ص ۳۰، ۳۲، ۳۵، ۳۷، ۵۰

۵۷، ۶۱

بغداد :- ص ۹۳، ۱۱۳، ۱۶۸، ۱۸۳، ۱۸۶

۲۷۹

بکر (بنو بکر) :- ص ۸۳، ۸۵، ۹۳، ۱۲۳

۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۲۵، ۲۳۹

بلخ (بلخ و بخارا) :- ص ۲۸۵، ۳۱۳

بلاقاری :- ص ۳۳، ۱۳۳

بلقا (رواری بلقا) :- ص ۲۵

بلجہ شاہ :- ص ۹۲

بندر شاہ پور :- ص ۲۳۵

بندویہ :- ص ۲۰۲

پوران :- ص ۲۲۱

پویب :- ص ۲۱۹، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۵

۲۲۷، ۲۳۷، ۲۶۱

کھارت :- ص ۱۳۶

۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۳، ۲۹۵، ۲۹۶

۲۹۹، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۵، ۳۰۹، ۳۱۱

۳۱۲

ایشیا :- ص ۴ م

ابرق :- ص ۲۰، ۲۸، ۳۶، ۵۷

(ب)

بابل :- ص ۹۰، ۱۸۹، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۸

۲۶۲، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۹۱

بایزید بسطامی :- ص ۸۹

بجیلہ :- ص ۲۶۳، ۲۶۴

بجیرہ :- ص ۱۵۵، ۱۶۷

بکرین :- ص ۲۶، ۷۹، ۸۳، ۲۹۱، ۲۹۳

بخاری :- ص ۴ ق

بخت نصر :- ص ۹۰

بدر (جنگ بدر) :- ص ۳، ۶۲، ۷۱، ۱۱۳

۲۳۱، ۲۳۷، ۲۶۶، ۲۹۸

بدھان :- ص ۹۷

برائین مالک :- ص ۶۶، ۶۷

برس (مقام) :- ص ۲۷۶

بزوخا (مقام) :- ص ۲۰، ۳۰، ۳۶، ۳۷

۳۸، ۳۹، ۴۲، ۴۸، ۱۸۰

بسر بن ابی رحم :- ص ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۳۶

۲۵۰، ۲۵۵

ثابت بن اقرم :- ص، ۳۷، ۳۸

ثعلبہ :- ص، ۲۳۹

ثقیف :- ص، ۱۹۷، ۱۹۸، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۳۶

ثنیٰ (مزار) :- ص، ۱۱۵، ۱۱۸، ۱۲۱، ۱۲۳

۱۳۷

ثنیٰ (بشر) :- ص، ۱۵۱، ۱۶۷، ۱۷۰، ۱۷۱

۱۷۷ تا ۱۷۸

(ج)

جاپان :- ص، ۱۳۳ تا ۱۳۶، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۷

۲۱۵، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۳

جامی :- ص، ۸۹

جالینوس :- ص، ۲۰۳، ۲۰۸، ۲۵۸، ۲۶۵

۲۷۱

جبلہ بن جویہ الکنانی :- ص، ۲۵۰

جبیر :- ص، ۲۱۰

جشم :- ص، ۲۲۱

جودی :- ص،

جرمن :- ص، ۲۷۵

جریر بن عبداللہ بجلیہ :- ص، ۱۳۶، ۱۷۲

۲۱۵، ۲۲۰، ۲۲۲ تا ۲۲۴، ۲۲۳، ۲۲۶، ۲۳۱

۲۶۳، ۲۷۶، ۲۹۵

جسر :- ص، ۷۲، ۸۳، ۲۰۵، ۲۰۸، ۲۱۰

۲۱۳ تا ۲۱۶، ۲۱۹، ۲۲۱، ۲۲۳ تا ۲۲۶، ۲۲۷

۲۲۷، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴

بہمن دوم :- ص، ۳۰۱

بہمن جاؤویہ :- ص، ۱۲۱ تا ۱۲۳، ۱۲۹، ۱۳۰

۱۳۳، ۱۳۵، ۱۳۰، ۱۳۳، ۱۵۳، ۱۶۸، ۲۰۷

۲۰۸، ۲۱۹، ۲۵۸، ۲۶۶

بیت المقدس :- ص، ۲۹۸

بیرزان :- ص، ۲۵۸، ۲۶۶

(پ)

پاکستان :- ص، ۸۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹

۳۰۹، ۳۱۲، ۳۱۳

پیرس :- ص، ۲۷۵، ۲۷۶

(ت)

تبوک :- ص، ۸۲، ۱۵۹، ۱۶۵

تبرویہ :- ص، ۲۰۲

ترکستان :- ص، ۲۳۹، ۳۱۳

تزار :- ص، ۲۹۹

تغلب :- ص، ۵۰، ۵۲، ۸۵، ۹۰، ۱۵۴

۲۲۳، ۲۸۳

تیمیم :- ص، ۲۳، ۲۹، ۵۰، ۵۱، ۸۵، ۱۰۱

۱۶۳، ۲۱۱، ۲۳۵، ۲۶۳، ۲۶۸

(ٹ)

ٹیکسلا :- ص، ۲۷۷

ٹیونس :- ص، ۲۸۳

(ث)

جشن ماہ :- ص ۲۰۱

جعفر طیار ^{رضی} :- ص ۲۳۹، ۲۴۰

جلال الدین خوارزم ^{رضی} :- ص ۸۵

جلولہ :- ص ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳

جنڈل عجلی ^{رضی} :- ص ۱۳۷

جنید بغدادی ^{رضی} :- ص ۸۹

جیحوں اور سیچوں (دریا) :- ص ۲۳۳

(ج)

چنگیز خان :- ص ۸۵

(ح)

حارث بن حسان ^{رضی} :- ص ۱۸۸، ۲۵۰

حارث بن ہلال :- ص ۱۸۸

حبیب بن المنذر :- ص ۲

حدیبیہ :- ص ۱۹۷

حسن ^{رضی} (امام حسن ^{رضی} بن علی ^{رضی}) :- ص ۷، ۷۷

حسن بصری ^{رضی} :- ص ۱۲۰

حسین ^{رضی} (امام حسین ^{رضی} بن علی ^{رضی}) :- ص ۷، ۷۷

۱۱۳

حصید :- ص ۱۵۱، ۱۶۷ تا ۱۷۰، ۱۷۵

۱۷۷

حضرموت :- ص ۲۶، ۳۱، ۵۸، ۷۷ تا ۷۸

۸۳، ۸۲، ۷۹

حصیر :- ص ۱۰۷، ۱۰۹، ۱۲۳، ۱۳۱، ۱۳۲

۱۳۷، ۲۸۹، ۲۹۰

حفصہ ^{رضی} :- ص ۹۷

حلوان (مقام) :- ص ۲۷۸، ۲۸۲ تا ۲۸۳

حمزہ ^{رضی} :- ص ۶۲، ۶۸، ۲۳۹

حنبل ^{رضی} :- ص ۸۹

حنظلہ بن ربیع ^{رضی} :- ص ۲۵۰

حنیفہ :- ص ۱۹، ۵۸، ۵۹، ۶۱، ۶۵، ۶۶

۷۱، ۶۹، ۶۸

حنین :- ص ۳۳، ۳۴، ۵۶، ۷۳، ۷۴

حیرہ (مقام) :- ص ۳۲، ۳۸، ۹۳، ۱۰۰

۱۰۱، ۱۱۳، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۹

۱۳۰، ۱۳۵ تا ۱۳۸، ۱۵۲، ۱۵۶، ۱۶۰، ۱۶۳

۱۶۳، ۱۶۵، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۷۷ تا ۱۸۰، ۱۹۲

۱۹۹، ۲۰۱، ۲۰۳، ۲۰۷، ۲۱۳، ۲۲۶، ۲۳۳

۲۳۳، ۲۳۹، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۸۹، ۲۹۰

(خ)

خالد بن سعید ^{رضی} :- ص ۲۵، ۳۱، ۷۵

۸۲، ۱۵۹، ۱۶۵

خالد بن عرفطہ ^{رضی} :- ص ۲۵۷، ۲۶۲، ۲۷۵

خالد بن ولید ^{رضی} :- ص ۳۰، ۳۳، ۳۵، ۳۷ تا ۳۸

۳۰، ۳۲، ۳۳، ۳۵، ۳۷، ۳۸ تا ۵۰

۵۳ تا ۵۸، ۶۱ تا ۶۳، ۶۴ تا ۶۶، ۶۸ تا ۷۸

۷۰، ۷۵، ۷۸، ۸۲، ۹۸، ۱۰۰ تا ۱۱۱، ۱۱۳

خیبر :- ص ۳۶، ۳۳، ۳۰، ۱۸۰، ۱۷۰

خنافس :- ص ۱۵۱، ۱۴۷، ۱۴۹، ۱۴۰، ۱۴۵

۱۷۷، ۲۱۵، ۲۲۶

(د)

دانا گنج بخش :- ص ۳، ق ۳

دارا :- ص ۹۲

دانیال :- ص ۲۹۵

دایر :- ص ۱۳۸، ۱۳۰

دیا :- ص ۷۳، ۷۴

دجلہ :- ص ۹۰، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۶۸، ۲۰۰

۲۱۳، ۲۲۶، ۲۷۸، ۲۸۲، ۲۹۱

در بند :- ص ۳۱۲

دستگیر :- ص ۸۹

دشوق :- ص ۲۲۷، ۲۶۵

دوست محمد :- ص ۸۷

دومہ :- ص ۸۷

دومتہ الجندل :- ص ۲۰، ۲۵، ۳۱، ۳۲، ۸۲

۱۰۰، ۱۳۳، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۲، ۱۶۳

۱۶۵، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۷۰، ۱۸۰، ۲۱۵، ۲۳۳

(ذ)

ذوحسی :- ص ۲۲، ۲۳

ذوقصہ :- ص ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۸، ۲۹، ۳۵

۲۳۰، ۵۷

۱۱۷ تا ۱۱۸، ۱۲۰، ۱۲۳، ۱۲۹ تا ۱۳۱، ۱۳۷

۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۵ تا ۱۴۸، ۱۵۱ تا ۱۵۳

۱۵۵ تا ۱۵۷، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۲ تا ۱۶۵، ۱۶۷

۱۷۲ تا ۱۷۶، ۱۸۱ تا ۱۸۳، ۱۹۰ تا ۱۹۲، ۱۹۸

۲۰۵، ۲۰۸، ۲۱۳، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۶

۲۲۷، ۲۳۰، ۲۳۷، ۲۳۵، ۲۳۷

۲۳۹، ۲۴۵، ۲۸۲، ۲۸۳

خالقین :- ص ۲۸۳

خدیفہ بن ایمان :- ص ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۱

۳۱۲

خدیفہ بن محسن :- ص ۳۱، ۵۸، ۷۳، ۷۵

۷۶، ۸۲، ۸۳، ۲۵۳

خراسان :- ص ۱۹۳، ۲۳۹، ۳۱۲

خرستان (خوزستان) :- ص ۱۳۲

۲۳۵، ۲۷۶، ۲۸۱، ۲۸۹، ۲۹۱، ۲۹۳

۲۹۵، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۱۲

خسرو پرویز :- ص ۹۰، ۲۷۵، ۲۸۵

۳۰۷، ۳۰۸

خشعم :- ص ۲۲۱

خفان :- ص ۱۹۹، ۲۰۱، ۲۱۳

خندق :- ص ۳۵، ۹۳

خواتق :- ص ۱۳۱، ۱۳۲، ۲۲۳

خولہ بنت جعفر بن قیس :- ص ۷۰

زابدان :- ص، ۹۳، ۳۱۲

زبرقان بن بدر :- ص، ۱۵۴، ۱۶۷

زبیر بن عوام :- ص، ۱۷، ۲۲، ۲۷، ۷۱

۲۲۹

زروود :- ص، ۱۳۲، ۱۶۰، ۲۳۳، ۲۳۵

۲۳۸، ۲۴۱، ۲۹۰

زر مہر :- ص، ۱۶۷، ۱۶۹

زہرہ بن الحویہ :- ص، ۲۲۳، ۲۵۷، ۲۷۱

۲۷۳، ۲۷۶، ۲۷۷

زیاد بن لبید :- ص، ۷۷ تا ۷۹، ۸۲

زینب :- ص، ق

زیاد ابن سمیہ :- ص، ۲۹۳

زید بن حارث :- ص، ۱۳

زید بن خطاب :- ص، ۶۲ تا ۶۵، ۶۸

زین العابدین :- ص، ۳۱۳

(س)

سالور (صبور) :- ص، ۱۹۳

سالم مولائی :- ص، ۶۲

سباط :- ص، ۱۵۲، ۱۷۸، ۲۲۶

۲۲۷، ۲۲۹

سجاح :- ص، ۱۹، ۵۰ تا ۵۳

سعد بن ابی وقاص :- ص، ۷۱، ۷۸، ۸۸

۹۲، ۱۱۹، ۱۲۳، ۱۶۰، ۲۳۰، ۲۳۱

ذو میل (الزمیل) :- ص، ۱۵۱، ۱۷۵، ۱۷۷

ذی قار :- ص، ۲۲۰، ۲۳۵، ۲۳۶

ذیر کعب :- ص، ۲۷۶

(س)

رازی :- ص، ۸۹

رباب :- ص، ۲۲۱

ربیع بن عامر :- ص، ۲۲۱، ۲۲۵، ۲۸۲

ربیعہ :- ص، ۲۲۰

ربیعہ بن جبیر :- ص، ۱۶۷، ۱۷۰، ۱۷۶

رستم :- ص، ۱۹۳، ۱۹۹ تا ۲۰۱، ۲۰۳، ۲۱۳

۲۱۵، ۲۱۶، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۹، ۲۵۲ تا

۲۵۶، ۲۵۸، ۲۶۱، ۲۶۳، ۲۶۵، ۲۶۷

۲۶۹، ۲۷۱، ۲۷۵، ۲۸۲، ۲۹۹، ۳۰۷

رضاب یا الرضاب :- ص، ۱۷۷، ۱۷۸

رقیہ بنت رسول :- ص، ۱۷۶

رم ہرمز :- ص، ۲۳۵

روزبہ :- ص، ۱۶۹

روم :- ص، ۲۶، ۷۱، ۹۳، ۱۷۹، ۱۸۱

۱۸۹، ۲۰۶، ۲۲۲، ۲۶۵، ۲۷۶، ۲۸۳

رومی :- ص، ۸۹، ۳۰۸

رے (مقام) :- ص، ۲۸۱، ۲۹۷، ۳۱۲

(ز)

زادق :- ص، ۳۰۱

۲۳۵، ۱۲۶، ۱۳۱، ۱۲۲، ۸۳

۳۱۲، ۳۰۶، ۳۰۵، ۳۰۳، ۲۸۹

سمیرہ (مقام) :- ص ۲۸، ۳۵، ۳۲، ۵۷

سہیل بن عدی :- ص ۳۱۲

سیاکوٹ :- ص ۳۰۹

سیتان :- ص ۲۸۵، ۳۱۲

(شش)

شام :- ص ۱۳، ۲۵، ۳۱، ۳۲

۱۶۸، ۷۰، ۷۵، ۸۲، ۹۸، ۱۳۲

۱۳۳، ۱۳۸، ۱۵۲، ۱۵۶، ۱۸۰، ۱۸۱

۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۸، ۱۹۰، ۱۹۸، ۲۱۳

۲۱۵، ۲۲۷، ۲۳۶، ۲۳۰، ۲۳۲

۲۶۱، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۹، ۲۷۰

۲۷۳، ۲۸۷، ۲۸۵، ۲۹۷

شافعی :- ص ۳۱۱

شہابی :- ص ۸۹

شہزاد :- ص ۱۳۲، ۱۶۰، ۲۱۳، ۲۳۵

۲۳۸، ۲۳۰، ۲۳۲، ۲۶۱، ۲۹۰

شہزاد بن السمت :- ص ۲۵۷، ۲۶۳

۲۷۲، ۲۷۵

شہزاد بن حسن :- ص ۲۵، ۳۰، ۵۲، ۵۷

۶۲، ۷۰، ۸۲، ۹۸، ۱۵۶، ۱۵۹، ۲۰۶

۲۱۵

۲۳۳، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶

۲۵۳، ۲۵۵، ۲۵۷، ۲۶۱، ۲۶۲

۲۶۳، ۲۶۷، ۲۷۰، ۲۷۲، ۲۷۵

۲۷۷، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۶

۲۹۰، ۲۹۳

سعد بن عباد :- ص ۱۰، ۸، ۲

سعد بن عبید :- ص ۱۹۷

سعد بن عقیل :- ص ۲۷۲

سعدی :- ص ۸۹

سعید بن مرہ :- ص ۱۲۶، ۱۲۷

سکندر یونانی :- ص ۹۲، ۲۷۷

سلاسل :- ۹۷، ۱۰۲، ۱۱۰، ۱۱۲، ۱۱۳

۱۱۷، ۱۱۹، ۲۵۸

سلطان فارسی :- ص ۲۷۸، ۲۸۱، ۲۸۶

سلمی :- ص ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۶۷

سلمہ رض :- ص ۲۹۲

سلوکس :- ص ۲۷۷

سلیط :- ص ۶۲، ۱۹۷، ۲۰۵، ۲۰۹

۲۱۱، ۲۱۲، ۲۶۶

سلیم :- ص ۱۹، ۳۱، ۳۲، ۳۳

سندھ :- ص ۲۳۳، ۲۸۵، ۳۱۲، ۳۱۳

سور :- ص ۷۶

سویڈن مقرر :- ص ۲۳، ۳۱، ۸۰

صزار بن مقرن ^{رض} :- ص، ۱۴۱، ۱۴۶

(ط)

طارق بن زیاد ^{رض} :- ص، ۱۵۶

طائف :- ص، ۱۵

طاؤس :- ص، ۲۹۲

طبرستان :- ص، ۲۹۷، ۳۱۲

طبری :- ص، ک، ۳، ۵۲، ۵۶، ۵۹

۱۰۶، ۱۰۹، ۱۱۹، ۱۲۶، ۱۳۲ تا ۱۳۵

۱۲۳، ۱۲۶، ۱۸۰، ۱۸۳، ۱۸۵، ۱۹۱

۲۱۹، ۲۲۱، ۲۳۳، ۲۳۲، ۲۸۳

۲۹۷، ۳۰۶

طرطوس :- ص، ۳۱۳

طریف بن حاجز :- ص، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۸۲

طلحہ بن عبید اللہ :- ص، ۲۲، ۲۳، ۲۷

۷۱، ۲۲۹، ۲۳۰

طلیحہ بن خولید :- ص، ۱۹، ۲۱، ۲۸، ۳۳ تا ۳۰

۳۸، ۵۱، ۶۰، ۶۲، ۸۲، ۲۳۵

۲۵۳، ۲۶۳ تا ۲۶۵، ۲۶۸، ۲۷۰

۲۸۲، ۳۰۳، ۳۰۵، ۳۰۷

ط (منوط) :- ص، ۱۹، ۲۰، ۳۳، ۳۶

۳۸، ۳۲، ۳۸، ۵۷، ۸۲، ۹۰، ۹۳

(ظ)

ظفر (مقام) :- ص، ۳۱، ۳۲، ۳۷، ۷۷

شتریح بن عمر ^{رض} :- ص، ۲۳۵

ششتر (مقام) :- ص، ۲۹۵

شعبی ^{رض} :- ص، ۲۵۲، ۲۵۸

شمس :- ص، ۲۲۲

شوش :- ص، ۲۹۵

شویل ^{رض} :- ص، ۳۸، ۴۱ تا ۴۳، ۲۵۳

شہر بازار (بزار) :- ص، ۱۹۱، ۱۹۳

شہر بازار :- ص، ۲۲۵

شہر یار :- ص، ۲۷۷

شیبان :- ص، ۸۵

شیراز :- ص، ۳۱۲

شیرازی ^{رض} :- ص، ۸۹

شیر برگ :- ص، ۲۷۵

شیر زاد :- ص، ۱۵۲ تا ۱۵۳، ۲۷۷

شیریں :- ص، ۲۸۵، ۳۱۲

(ص)

صراصر کا چٹمہ :- ص، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۳

صبور (ساپور) :- ص، ۱۹۳، ۲۲۷

صنعا :- ص، ۸۳

(ض)

صزار بن الازور ^{رض} :- ص، ۳۵، ۵۳، ۱۴۱

۱۴۶، ۱۸۸، ۱۹۰، ۲۱۴

صزار بن خطاب ^{رض} :- ص، ۱۴۱، ۱۴۶، ۱۹۰، ۲۱۴

۱۳۸، ۷۹، ۷۱، ۷۰، ۲۷، ۲۲، ۱۷

۲۳۳، ۲۳۰، ۲۲۹، ۱۹۶، ۱۷۶

۲۹۸، ۲۹۷، ۲۸۶، ۲۷۹، ۲۳۹

علیم الدین رضی :- ص ۸۷، ۱۹۵

عمار بن یاسر رضی :- ص ۲۹۳، ۲۹۵، ۲۹۷

۳۱۱، ۲۹۸

عمر بن الہیثم رضی :- ص ۲۰۱، ۲۰۲

عمر بن خطاب رضی :- ص ۲، ۵، ۸، ۹، ۱۱، ۱۳

۱۳، ۱۴، ۱۷، ۲۷، ۳۰، ۳۳، ۵۰، ۵۶، ۵۸

۶۲، ۶۹، ۷۹، ۸۱، ۹۲، ۹۳، ۹۹، ۱۱۹

۱۲۳، ۱۳۲، ۱۳۱، ۱۷۲، ۱۷۶، ۱۸۶

۱۹۳، ۱۹۸، ۲۰۰، ۲۰۳، ۲۱۵، ۲۱۷

۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۷، ۲۲۹، ۲۳۵، ۲۳۰

۲۲۲، ۲۳۳، ۲۳۶، ۲۵۰، ۲۵۴، ۲۵۷

۲۶۵، ۲۶۸، ۲۷۲، ۲۷۹، ۲۸۲

۲۸۶، ۲۹۱، ۲۹۵، ۲۹۸، ۳۰۳، ۳۰۷

۳۰۸، ۳۱۲، ۳۱۳

عمر بن علی رضی :- ص ۶، ۱۷

عمر خیام :- ص ۸۹

عمر بن العاص رضی :- ص ۱۱، ۲۵، ۳۰

۳۱، ۵۸، ۷۰، ۷۱، ۷۵، ۸۲، ۹۸

۱۵۹، ۱۶۵، ۲۱۵

عمر بن معدیکرب رضی :- ص ۷۸، ۲۳۳

عدی بن سہیل رضی :- ص ۲۵۰

عراق :- ص ۴، ۲۶، ۲۷، ۳۲، ۵۰

۸۳ تا ۸۵، ۸۹، ۹۰، ۹۷، ۹۸، ۱۰۰

۱۰۱ تا ۱۰۳، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۳۱، ۱۳۲

۱۵۳، ۱۶۰، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۸۳، ۱۸۰

۱۸۵، ۱۹۰، ۱۹۵، ۱۹۸، ۲۱۳، ۲۱۵

۲۲۱، ۲۳۱، ۲۳۳، ۲۳۵، ۲۳۰

۲۳۲، ۲۳۹، ۲۵۳، ۲۷۰، ۲۸۲

۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۸، ۳۰۸، ۳۱۱

عرفجہ بن ہرثمہ رضی :- ص ۳۱، ۵۸، ۷۳، ۷۵

۷۶، ۸۲، ۸۳، ۲۲۱، ۲۲۵، ۲۵۵

عروہ رضی :- ص ۱۶۷، ۱۶۸

عروہ بن مسعود رضی :- ص ۱۹۷

عصمہ بن عبداللہ رضی :- ص ۱۶۹، ۲۲۲

۲۲۶

عقہ بن ابی عقبہ رضی :- ص ۱۵۳، ۱۵۵، ۱۶۷

عکاشہ بن محسن رضی :- ص ۳۷، ۳۸، ۳۰

۷۸

عکرمہ بن ابو جہیل رضی :- ص ۳۰، ۵۲، ۵۷

۵۸، ۷۳ تا ۷۹، ۸۲، ۸۳، ۲۰۶، ۲۱۵

علاء بن الحضرمی رضی :- ص ۳۱، ۷۹، ۸۰

۲۹۱، ۸۳

علی بن ابی طالب رضی :- ص ۶، ۷، ۸، ۱۱

۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰

۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰

۲۹۱

قرات بن حیان :- ص ۱۸۸، ۲۵۰

فراض یا الفراض :- ص ۱۳۳، ۱۴۰، ۱۴۵

۱۷۸ تا ۱۸۰، ۲۸۲

فرانس :- ص ۲۷۵

فرخ زاد :- ص ۱۹۳

فردوسی :- ص ۸۹ تا ۹۱

فرعون :- ص ۶۰

فرزاد :- ص ۲۸۵، ۳۱۳

فریدرک اعظم :- ص ۱۰۸، ۲۵۷

فریزان :- ص ۲۱۲، ۲۱۵، ۲۲۱، ۲۲۵، ۲۲۶

فضیل بن عیاض :- ص ۸۹

فلسطین :- ص ۱۳، ۲۵، ۲۶، ۳۱، ۳۲

۶۸، ۷۰، ۷۵، ۸۲، ۱۳۳، ۱۳۸، ۱۵۶

۱۵۹، ۱۶۵، ۱۷۳، ۲۱۳، ۲۱۵

فیروز :- ص ۲۹۵

(رق)

قادسیہ :- ص ۱۳۳، ۱۴۸، ۲۳۴، ۲۳۸

۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۹، ۲۵۶

۲۵۸، ۲۶۱، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۷، ۲۶۸

۲۷۳، ۲۷۵، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۹۱، ۲۹۹

۲۳۹، ۲۴۱، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹

۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵

عون بن علی :- ص ۲۳۹

عیاض بن عنتم :- ص ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۶۰

۱۶۱ تا ۱۶۵، ۱۶۸

عین التمر :- ص ۱۳۸، ۱۵۱، ۱۵۳ تا ۱۵۷

۱۶۰، ۱۶۲، ۱۶۷ تا ۱۶۹، ۱۷۵، ۱۷۷

۲۱۵، ۲۲۶

عینیہ بن حصن :- ص ۳۶، ۳۸، ۳۹ تا

۴۱

(غ)

غالب :- ص ۲۶۲

غزالی :- ص ۸۹

غسان یا غسانی :- ص ۲۵، ۷۱، ۱۶۳

غطفان :- ص ۱۹، ۳۵، ۴۲

غمرہ (مقام) :- ص ۴۰، ۴۲، ۵۷

(ف)

فارس :- ص ۸۰، ۹۳، ۱۳۲، ۱۳۶

۱۶۵، ۲۳۵

فاطمہ الزہراء :- ص ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۲۳۹

فجاء :- ص ۴۳، ۸۲

فزات :- ص ۹۰، ۱۱۵، ۱۲۳، ۱۳۹، ۱۴۰

۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۸

۱۱۰، ۱۱۲، ۱۱۵ تا ۱۱۹، ۱۲۲، ۱۳۱، ۱۳۷

۲۸۹، ۲۶۵

کلوازی :- ص ۱۵۱، ۱۵۳

کر بلا :- ص ۱۷۷، ۲۹۳

کرامتہ :- ص ۱۳۱ تا ۱۳۳، ۲۲۶، ۲۵۳

۲۸۷

کرمان شاہ (مقام) :- ص ۲۹۹

کسری :- ص ۹۰، ۹۱، ۹۳، ۹۷، ۱۰۴

۱۱۰، ۱۱۵، ۱۳۱، ۱۹۱، ۲۰۲

کسکر (واسط) :- ص ۱۲۲، ۲۰۲

کلاسوٹز :- ۱۵، ۱۳، ۷۰، ۸۱، ۱۰۹، ۱۱۰

۱۱۵ تا ۱۱۹، ۱۲۲، ۱۳۱، ۱۳۷، ۲۶۵، ۲۸۹

کلب :- ص ۲۵، ۱۶۳، ۱۶۴

کردستان :- ص ۲۳۹

کنده :- ص ۳۱، ۷۸، ۷۹، ۲۳۹، ۲۶۴

کنائی (CANNAE) :- ص ۲۸۳

کوٹی (مقام ابراہیم) :- ص ۲۷۶، ۲۷۷

کوفہ :- ص ۱۳۳، ۱۶۸، ۲۰۱، ۲۰۷، ۲۲۱

۲۸۷، ۲۹۳، ۲۹۵، ۲۹۷، ۲۹۹

کیدو :- ص ۲۸۵

کیسپین :- ص ۳۱۲

(گ)

گلب :- ص ۳۶، ۳۷

قارن :- ص ۱۱۰، ۱۱۵، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۲۲، ۱۲۶

قائد اعظم محمد علی جناح :- ص ۸۶، ۱۹۵

قباذ :- ص ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۶، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۶

قراقر :- ص ۱۸۸، ۲۵۳

قراقرظین زاہد :- ص ۲۵۵

قسنطنیہ :- ص ۲۰۶

قرطین جماع :- ص ۲۲۵

قصر شیریں :- ص ۲۸۳، ۲۸۵، ۲۹۹

قصی :- ص ۲۳۱

قضاء :- ص ۲، ۲۵، ۳۰، ۳۱، ۵۸

۸۲، ۷۰

قطیہ بن قنارہ :- ۲۳۵

قعقاع بن عمرو :- ص ۲۳، ۳۹، ۱۰۱

۱۰۶، ۱۱۱، ۱۲۶، ۱۵۲، ۱۶۲، ۱۶۴

۱۶۷ تا ۱۶۹، ۱۷۱، ۱۸۷، ۱۹۶، ۲۱۳

۲۲۱، ۲۲۲، ۲۶۵ تا ۲۷۲، ۲۸۲، ۲۸۳

۳۰۵، ۳۰۳، ۳۰۱

قم (مقام) :- ص ۲۸۱، ۳۱۲

قیس بن ابی یعوث :- ص ۲۷۰

قیس بن مسیرہ :- ص ۲۵۳، ۲۷۲، ۲۸۲

قیصر :- ص ۹۳

(ک)

کاظم :- ۳۱، ۹۷، ۱۰۴، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹

محمد بن ابوبکر رضی: ص ۲۳۹، ۲۳۰

محمد بن جعفر طیار: ص ۲۳۹، ۲۳۰

محمد بن حنیفہ: ص ۲۰، ۲۰، ۱۷

محمد تغلق: ص ۱۲۲

محمد شاہ زنگیلا: ص ۱۸۳

محمود غزنوی: ص ۹۰، ۹۱، ۱۷۵

مبدائن: ص ۹۳، ۱۰۱، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵

۱۳۳، ۱۳۰، ۱۳۳، ۱۳۶، ۱۵۱، ۱۵۳

۱۶۸، ۱۷۰، ۱۷۸، ۱۹۱، ۱۹۳، ۲۰۰

۲۰۱، ۲۰۲، ۲۱۳، ۲۱۵، ۲۱۹، ۲۱۰

۲۲۶، ۲۲۳، ۲۲۹، ۲۵۰، ۲۵۲، ۲۵۶

۲۶۱، ۲۶۴، ۲۶۸، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳

۲۹۱، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۱، ۳۰۷

مدغورین عدی: ص ۹۸، ۱۰۲، ۱۰۶، ۱۹۰

۲۰۹، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۲۲، ۲۵۳

مدینہ شریف: ص ۵، ۹، ۱۴

۱۹ تا ۲۷، ۳۲ تا ۳۵، ۳۰، ۳۲

۳۳، ۳۵، ۳۵، ۵۵، ۵۷، ۵۹، ۶۲

۷۰، ۷۱، ۷۵، ۷۶، ۷۸، ۸۱ تا ۸۳

۸۶، ۸۷، ۹۳، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۸، ۱۵۹

۱۶۰، ۱۶۲، ۱۶۷، ۱۸۰، ۱۹۲، ۱۹۶

۱۹۹، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۱۳، ۲۱۶

۱۹، ۲۲، ۲۲۲، ۲۲۷، ۲۳۵

گلیم: ص ۱۳۳

(ل)

لحم: ص ۹۰

لقیط بن مالک: ص ۷۲

لیلی: ص ۱۹، ۵۰، ۵۶

لیلی مجنوں: ص ۲۸۵

(م)

ماترید: ص ۸۹

مالک بن نویرہ: ص ۳۰، ۳۷، ۳۹ تا

۲۳۵، ۸۲، ۵۶

ماوزے تنگ: ص ۹۲

مثنیٰ ابن حارث: ص ۸۳ تا ۸۷، ۹۳

۹۵، ۹۸، ۱۰۲ تا ۱۰۳، ۱۰۹، ۱۱۱، ۱۱۲

۱۱۵، ۱۱۷، ۱۲۳، ۱۳۳، ۱۳۶، ۱۵۲

۱۷۸، ۱۸۳، ۱۸۵، ۱۸۷ تا ۱۹۹، ۲۰۱ تا

۲۰۳، ۲۰۵، ۲۰۶ تا ۲۱۳، ۲۱۶، ۲۱۹ تا

۲۲۷، ۲۲۹، ۲۳۲، ۲۳۵ تا ۲۳۷، ۲۳۹

۲۴۹، ۲۵۰، ۲۶۲، ۲۷۱، ۲۹۰

مجاہد بن مرارہ: ص ۵۸، ۶۳، ۶۸، ۶۹

حضور پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کتاب کے اکثر صفحے آپ کے کسی نہ کسی اسم سے مزین

ہیں اور تمام کتاب آپ کے ہی جمال و جلال کا مظہر ہے

۲۹۳، ۲۹۱، ۲۹۰، ۲۵۵، ۲۵۳، ۲۵۰

۳۰۵، ۳۰۳، ۲۹۹، ۲۹۸، ۲۹۴

۳۱۲، ۳۱۱

مطهر بن فضہ :- ص ۲۰۲

مقرن :- ص ۲۴، ۱۴۱، ۱۸۸، ۲۹۸

مقیل :- ص ۱۱۵

مکران :- ص ۹۳

مکہ مکرمہ :- ص ۱۵، ۳۱، ۳۰، ۳۲، ۳۳

۱۴۵، ۱۴۴، ۹۳، ۸۲، ۵۳، ۵۱، ۴۵

۳۱۱، ۱۸۰، ۱۴۹

موتہ :- ص ۱۳، ۱۶۵، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۸، ۲۳۹

موسیٰ بن عقیبہ :- ص ۱۱

موسیٰ :- ص ۶۰

موسیٰ بن نصیر :- ص ۱۵۶

موصل :- ص ۲۸۱، ۲۸۳، ۲۸۴

منصور :- ص ۱۹

مہبواذن :- ص ۱۶۹، ۱۷۰

مہاجر بن امیہ :- ص ۳۱، ۴۵، ۷۸، ۷۹

۸۲، ۸۳

مہران (اول) :- ص ۱۵۳، ۱۵۵

مہران (دوم) :- ص ۲۵۸، ۲۸۲، ۲۸۳

مہرہ :- ص ۳۱، ۵۸، ۷۵، ۷۶، ۷۹

مہنجدارو :- ص ۲۷۷

میان محمد :- ص ۸۷

۲۸۹، ۲۷۹، ۲۷۲، ۲۶۱، ۲۴۱، ۲۳۷

۳۰۵، ۲۹۹، ۲۹۷، ۲۹۵، ۲۹۲، ۲۹۱

۳۱۴، ۳۱۱، ۳۰۸

مذار (مقام) :- ص ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۳۷

مروانشا :- ص ۲۰۱

مردان شاہ :- ص ۲۱۵، ۲۱۹

مردان شاہ (دوسرا) :- ص ۲۳۲

مردان شاہ :- ۲۹۹، ۳۰۱، ۳۰۳

مرید حسین :- ص ۸۷، ۱۹۵

مسعود :- ص ۱۹، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۵

مسلمہ کذاب :- ص ۱۹، ۳۰، ۵۱، ۵۳

۵۷ تا ۶۱، ۶۳، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸

۸۲، ۷۹، ۷۳، ۷۴، ۷۵

مصر :- ص ۳۱۴، ۲۳۳، ۳۱۴

مضر :- ص ۲۲۰

مضغ :- ۱۶۷، ۱۶۹، ۱۷۱ تا ۱۷۵، ۱۷۷

۲۶۵، ۲۱۵

معاویہ بن ابوسفیان :- ص ۵۲

معقل بن الاعشى :- ص ۱۱۸

معقل بن مقرن :- ص ۱۱۵، ۱۳۱، ۲۸۵

معقل بن یاسر :- ص ۳۰۶

مغیرہ بن زرارہ :- ص ۲۵۰، ۲۵۲

مذہب بن شعبہ :- ص ۱۹۷، ۲۳۵، ۲۳۶

تہاوند :- ص ۲۸۱، ۲۸۰، ۲۷۸، ۲۷۵، ۲۷۴

۲۸۱، ۲۹۶، ۲۹۸، ۳۰۱، ۳۰۴ تا ۳۰۹

۳۱۱ (و)

والثوق بن جیدرہ :- ص ۲۰۱، ۲۰۲

واسط (کسک) :- ص ۱۹۰، ۲۱۳، ۲۲۶

۲۳۹

واقدری :- ص ۱، ۲، ۳، ۴

ولجہ :- ص ۱۲۱ تا ۱۲۵، ۱۳۱ تا ۱۳۳، ۱۳۴

۲۸۳

ولید بن عقبہ :- ص ۱۶۲

وحشی :- ص ۶۲، ۶۴، ۶۸

(۵)

ہاشم بن عقبہ :- ص ۲۳۱، ۲۴۸، ۲۵۰

۲۸۳، ۲۸۲، ۲۸۵

بذیل :- ص ۱۵۵، ۱۶۴، ۱۷۰، ۱۷۷

ہرمز :- ص ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۱۲ تا ۱۱۴

۱۱۵ تا ۱۱۷، ۱۲۳، ۱۲۳، ۱۲۹

ہرمزان :- ص ۲۵۸، ۲۷۴، ۲۹۱ تا ۲۹۲

۲۹۳، ۲۹۵

ہرمز جاذبہ :- ص ۱۹۲، ۲۳۲

ہرات (مقام) :- ص ۳۱۳

ہرطیہ :- ص ۲۷۷

ہلال :- ص ۲۷۱

معنی :- ص ۱۸۸، ۱۱۲، ۱۵۶، ۱۹۰

۲۲۲، ۲۳۸، ۲۴۵، ۲۵۰، ۲۵۳

(ن)

نباچ (مقام) :- ص ۱۰۳، ۱۰۵، ۱۰۶

۱۳۲، ۱۶۰، ۱۸۸، ۲۱۵، ۲۳۳

۲۳۵، ۲۹۰

نجد (مقام) :- ص ۷۶

نخف :- ص ۹۳، ۱۶۸، ۲۵۳

نرسی :- ص ۲۰۲، ۲۰۳

نخیرجان :- ص ۲۷۵، ۲۷۶، ۳۰۷

۳۰۸

نو شیروان عادل :- ص ۹۳، ۱۳۲، ۱۳۳

۲۶۶، ۲۷۷

نعیم بن مقرن :- ص ۱۴۱، ۲۹۹، ۳۰۱

۳۰۳، ۳۰۵ تا ۳۰۷، ۳۱۲

نعمان بن مقرن :- ص ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۸

۱۴۱، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۵

۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۱ تا ۳۰۷

نمارق :- ص ۲۰۱، ۲۱۳

نمرود :- ص ۶۰

نقرہ (مقام) :- ص ۲۰۰، ۳۱۱، ۳۱۲

۱۸۰، ۳۷

نہار الرجال :- ص ۵۸، ۵۹، ۶۲، ۶۶

یحییٰ بن علی رضی اللہ عنہما :- ص ۲۳۹

یمانہ :- ص ۱۹، ۲۶، ۳۰، ۵۱، ۵۲

۷۷، ۵۸، ۶۰، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳

۷۴، ۸۲، ۹۵، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۳۶، ۱۴۷

۱۵۶، ۲۰۶

یکین :- ص ۱۹، ۲۶، ۳۱، ۷۷، ۷۹

۸۲، ۸۳، ۹۷، ۹۸، ۱۰۳، ۲۳۳

۲۳۳، ۲۹۷

بلال بن عقیقہ :- ص ۱۷۷

بلال بن علقمہ :- ص ۲۲۱

ہوازن :- ص ۱۹، ۳۱، ۳۳، ۶۵

ہمدان :- ص ۲۸۱، ۳۱۲

ہیر رانجنا :- ص ۲۸۵

(۵)

یرموک :- ص ۳۳، ۱۹۸، ۲۴۱، ۲۴۲

۲۶۱، ۲۷۳

یزدجرد :- ص ۹۳، ۱۹۳، ۱۹۹، ۲۰۰

۲۱۶، ۲۲۷، ۲۳۳، ۲۳۵، ۲۳۹، ۲۴۰

۲۵۱، ۲۷۵، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵

۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۵، ۳۰۷، ۳۱۳، ۳۱۴

(نوٹ) صفحات نمبر ۹۶، ۱۵۰، ۱۵۸، ۱۶۶، ۲۱۸، ۲۲۸، ۲۳۸، ۲۶۰، ۲۷۳، ۲۸۰

۲۸۸، ۳۰۰، ۳۱۰ جو خالی تھے کتاب میں شامل نہیں کئے گئے۔ قارئین نوٹ فرمائیں۔

☆☆☆

تمت بالخیر



کلاسیک کتب تصوف کے مستند اردو تراجم

قیمت مجلد ۱۰۰ روپے	مؤلف: ابن حلاج	مترجم: عتیق الرحمن عثمانی (۲۴۴-۵۲۰۹)	طوائین
قیمت مجلد ۳۰۰ روپے	مؤلف: ابونصر سراج	مترجم: سید اسرار بخاری (۵۲۷۸-۴)	کتاب المبع
قیمت مجلد ۱۲۵ روپے	مؤلف: امام ابو بکر کلاباذی	مترجم: ڈاکٹر سید محمد حسن (۵۲۸۵-۴)	تعارف
قیمت مجلد ۲۲۵ روپے	مؤلف: سید علی ہجویری	مترجم: سید محمد فاروق قادری (۵۲۶۵-۴۰۰)	کشف المحجوب
قیمت مجلد ۱۰۰ روپے	مؤلف: خواجہ عبدالشہ نصاریٰ	مترجم: حافظ محمد افضل فقیر (۵۲۸۱-۴۹۶)	صد میدان
قیمت مجلد ۷۵ روپے	مؤلف: غوث الاعظم عبدالقادر جیلانی	مترجم: سید محمد فاروق قادری (۵۲۶۲-۴۰۰)	فتوح الغیب
قیمت مجلد ۷۵ روپے	مؤلف: ضیاء الدین سہروردی	مترجم: محمد عبد الباسط (۵۲۶۲-۴۹۰)	آداب المریدین
قیمت مجلد ۳۰۰ روپے	مؤلف: شیخ اکبر ابن عربی	مترجم: مولوی محمد فضل خاں (۵۲۶۸-۵۶۰)	فتوحات مکیہ
قیمت مجلد ۱۵۰ روپے	مؤلف: شیخ اکبر ابن عربی	مترجم: برکت اللہ فرنگی علی (۵۲۶۸-۵۶۰)	فصوص الحکم
قیمت مجلد ۱۲۵ روپے	مؤلف: شیخ اکبر ابن عربی	(۵۲۶۸-۵۶۰)	رسائل ابن عربی
قیمت مجلد ۱۲۵ روپے	مؤلف: بہاء الدین زکریا متانی	مترجم: ڈاکٹر محمد میاں صدیقی (۵۲۶۱-۵۶۱)	الادراک
قیمت مجلد ۷۵ روپے	مؤلف: مولانا عبدالرحمن جامی	مترجم: سید فیض الحسن فیضی (۵۸۹۸-۸۱۶)	لوائح
قیمت مجلد ۱۵۰ روپے	مؤلف: شاہ ولی اللہ دہلوی	مترجم: سید محمد فاروق قادری (۵۱۱۶۶-۱۱۱۴)	انفاس العارفین
قیمت مجلد ۷۵ روپے	مؤلف: شاہ ولی اللہ دہلوی	مترجم: سید محمد فاروق قادری (۵۱۱۶۶-۱۱۱۴)	الطاف القدس
قیمت مجلد ۱۵۰ روپے	مؤلف: شاہ ولی اللہ دہلوی	مترجم: سید محمد فاروق قادری (۵۱۱۶۶-۱۱۱۴)	رسائل تصوف
قیمت مجلد ۱۵۰ روپے	مؤلف: سید محمد سعید زبہانی	مترجم: غلام نظام الدین ہردوئی (۵۱۳۲۱-۱۲۵۱)	مرآت العاشقین

اہم کتب تصوف اور تذکرے

قیمت مجلد ۱۷۵ روپے	مؤلف: شیخ علی بن عثمان ہجویری	تصحیح: علی قویم	کشف المحجوب فارسی (نسخہ تہران)
قیمت مجلد ۱۷۵ روپے	مؤلف: شیخ علی بن عثمان ہجویری	مترجم: آر ایف نکلن	کشف المحجوب انگریزی (نسخہ لاہور)
قیمت مجلد ۱۰۰ روپے	مؤلف: عبدالماجد دریا بادی		تصوف اسلام
قیمت مجلد ۱۵۰ روپے	مؤلف: مولانا محمد اشرف علی تھانوی		ارمغان ابن عربی
قیمت مجلد ۱۲۵ روپے	مؤلف: ضیاء الحسن فاروقی		آئینہ تصوف
قیمت مجلد ۱۵۰ روپے	مؤلف: محمد ارشد قادری		دعوت ارواح
قیمت مجلد ۷۵ روپے	مؤلف: شیخ یوسف بن اسماعیل زبہانی	مترجم: محمد میاں صدیقی	شمال رسول (اردو ترجمہ)
قیمت مجلد ۱۰۰ روپے	مؤلف: ڈاکٹر سعید ولی الدین		بیماری اور اس کا روحانی علاج
قیمت مجلد ۱۵۰ روپے	مؤلف: اسرار الحسنین قادری	فاضلی	تذکرہ مشائخ قادریہ فاضلیہ
قیمت مجلد ۲۵۰ روپے	مؤلف: شاہ محمد عبدالحمید جامی	تذکرہ: سید سکندر شاہ	سیرت فخر العارفین
قیمت مجلد ۷۵ روپے	مؤلف: صوفی محمد حسن	حضرت نقیب شاہ	چراغ ابوالعلانی
قیمت مجلد ۱۵۰ روپے	مؤلف: مفتی غلام سرور لاہوری	عاشی: محمد اقبال مجددی	حدیقۃ الاولیاء
قیمت مجلد ۱۵۰ روپے	مؤلف: حمید اللہ شاہ ہاشمی		احوال و آثار حضرت بہاء الدین زکریا متانی
قیمت مجلد ۱۲۵ روپے	مؤلف: نواز رومانی		انحصار الخواص - تذکرہ حضرت فضل شاہ قطب عالم جرد اللہ علیہ
قیمت مجلد ۱۰۰ روپے	مؤلف: حافظ نذیر الاسلام		فاضلی انوار الہی - لغزات: حضرت فضل شاہ قطب عالم جرد اللہ علیہ مرتب: حافظ نذیر الاسلام

ناشر: تصوف فاؤنڈیشن، ۱۲۳۹، لاہور | واحد تقسیم کار: (المعارف) گنج بخش روڈ - لاہور پاکستان

[Faint, illegible handwritten text, possibly bleed-through from the reverse side of the page]

